

سرگرمی گارنٹ

علی

ماہنامہ

دوسیرہ

February
2018



پیشہ جیسٹر 60 روپے

ایوارڈ ونرز

حاجره ریحان ♥ غزالہ عزیز (اُم ایمان)

افسانے

-

ناولٹ

- ہائے وہ زو پشیمان زریں قمر 198

۞

نہر سالانہ بند ریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)..... 890 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ..... 5000 روپے

ریکھہ کینڈا آسٹریلیا..... 6000



ناولٹ

- 07: منزله سہام
09: غزالیہ عزیز (ام بیان)
13: مجفل یدیر اعلیٰ

ہاتیں ملاقاتیں

28. ڈاکٹر علی ارسلان ادارہ
- 9.1 ایک شرمناک جونی... زمر نعیم
38. بینک ٹیکوٹ بینا عالیہ
219. ابھی امکان باقی ہے زمر نعیم

منی ناول

- 100 نیا سورج روٹھے سب عین

مکمل ناول

- منبر عشق سنبیل 138

~~~~~

[illegible]

پبلشر: منورہ سہام نے سٹی پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: سٹی 7-08 پلورڈا۔ کراچی

Phone : 021-35893121 - 35893122

Email : [pearlpublications@hotmail.com](mailto:pearlpublications@hotmail.com)

یہ تو ہونا تھا.....

جب لبرلزم کے نام پر معاشرے تمام حدود و قیود سے آزاد ہو جائیں..... جب رپورٹنگ کے نام پر کردار اور عزتوں کی دھجیاں اڑائی جانے لگیں جب شرم اور حیا کے پردے فاش ہو جائیں تب ایسا ہی ہوتا ہے۔

جب خبر کو خبر کے بجائے 12 حصے کی چاک بنایا جائے۔ جب زیادتی اور دست درازی کو قومی کھیل سمجھا جانے لگے تب پروفیسر سحر انصاری کی خدمات اور رتبہ سب نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے سانحات سے ہم بحیثیت قوم گزرے مگر آج جو سانحہ ایک استاد کو بے عزت کر کے ہم پر مسلط کیا گیا ہے کاش اس سانحے سے ہم باہر آ سکیں۔ کاش ہم اپنے اساتذہ کو تو بخش دیتے..... کاش یہ سب نہ ہوتا..... مگر یہ تو ہونا ہی تھا

مادر پدر آزاد معاشروں میں ایسا ہی ہوتا  
ہے اور ایسا ہی ہوتا رہے گا۔  
منزہ سہام

# ایک صدی کا ساتھ تمام ہیں



ہم بہت دکھ سے یہ  
اعلان کرتے ہیں کہ  
ناصر رضا صاحب جو  
ادارہ سچی کہانیاں کے  
گروپ ایڈیٹر تھے۔  
اپنے ابدی سفر پر روانہ  
ہوئے، ادارہ اُن کے  
اہل و عیال اور چاہنے  
والے ہمیشہ اُن کی کمی محسوس کرتے رہیں گے۔  
آپ سے التماس ہے کہ اُن کے ایصالِ ثواب کے لیے  
ایک بار سورۃ فاتحہ ضرور پڑھیں۔

زاد راہ



غلام جو سردار بنے

## حضرت صہیب رومیؒ (نعم العبد)

اعلیٰ مرتبت ہستیوں کے حالات زندگی.....

سیدنا حضرت صہیبؓ بن سنان کا شمار حضرت بلالؓ جیسی حضرت عمرؓ اور خیابؓ بن ادرت جیسے عظیم المرتبت اولوالعزم اور مہر و استقامت کے پیکروں کی صف میں ہوتا ہے۔  
حضرت صہیبؓ عراق کے معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد سنان بن مالک شاہ ایران کی طرف سے اہلہ کے حاکم تھے۔ حضرت صہیبؓ انہی کم سن بچوں میں سے تھے کہ اہلہ پر حملہ کر دیا اور مال و اسباب کی لوٹ مار کے ساتھ ساتھ حضرت صہیبؓ کو بھی غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گئے۔  
انہوں نے بچپن سے جوانی کا زمانہ روم میں غلام کی حیثیت سے گزارا۔ اسی لیے دوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ ایک دفعہ عربوں کے ایک قبیلہ بنو کلب کے کچھ تاجر روم میں اس قبیلے میں گئے جہاں حضرت صہیبؓ غلامی کی زندگی گزار رہے تھے ان تاجروں نے انہیں خرید لیا اور اپنے ساتھ کھلے آئے یہاں عبداللہ بن جعدان کہیں کے تاجروں نے انہیں خرید لیا۔  
ایک دوسری روایت کے مطابق ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت صہیبؓ فرار ہو کر مکہ پہنچے اور عبداللہ بن جعدان سے طلبہ تعلق قائم کر لیا۔  
حضرت صہیبؓ ایک ہنرمند اور مہنتی آدمی تھے لہذا مکہ میں قیام کے کچھ عرصہ کے اندر انہوں نے اتنا روپیہ کمایا کہ ان کے صاحب ثروت اذکار میں شمار ہونے لگے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اکرمؐ نے حق کی دعوت دینے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ حضرت صہیبؓ کے کانوں تک جب رسول اکرمؐ کی دعوت پہنچی تو وہ ایک دن حضرت ابراہیمؑ کے مکان پر حاضر ہوئے اور کھلی شہادت پڑھ کر رسول اکرمؐ کی رسالت کی گواہی دی۔ رسول اکرمؐ آپ کے اسلام لانے سے بہت خوش ہوئے تھے اور فرمایا کہ ”صہیبؓ روم کا پہلا پھل ہے۔“  
حضرت صہیبؓ جب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو شخص تیس آدمی حق کی گواہی دینے والے تھے چنانچہ حضرت صہیبؓ نے سابقین الاولوں کی جماعت میں شمولیت پائی۔  
یہ وہ زمانہ تھا کہ اسلام کا اظہار اپنے لیے ہر قسم کے مصائب کا دروازہ کھولنے کے مترادف تھا۔

سارے اہل مکہ متحد ہو کر مسلمانوں کو مظالم اور اذیتوں کے ذریعے اس دن سے پھیرے جانے کے پکڑیں گئے ہوئے تھے۔ لیکن حضرت مصیبؓ کا ذوق ایمانی انہیں اپنے دین کو گنتی رکھنے پر راضی نہ رکھ سکا۔ وہ قریب الوطن تھے۔ رشتہ داروں اور قربات داروں سے دور تھے۔ قبیلہ کی حمایت سے محروم تھے۔ اہل مکہ کے مظالم سے بچنے کے لیے کسی قسم کی دھال موجود نہ تھی چنانچہ ایمان کے اظہار کے ساتھ ہی آپ پر ہرم کے مظالم کا آغاز ہو گیا۔

بھی کرمی رویت پر لٹائے ملے، بھئی پانی میں غوطے دینے لگے اور یہی مار مار کر کیا لہاں کر دیا گیا۔ ظلم کا ہر حربہ آزمایا گیا لیکن ہر حربہ حضرت مصیبؓ کے عزم کے آگے ہار گیا۔ ظلم کی بجلی بھی پستے ہوئے انہیں ایک لمحہ بھی حق چھوڑنے کا خیال نہ آیا۔

یوں مظالم سستے سستے ایک عرصہ کر دیا گیا یہاں تک کہ رسول اکرمؐ نے ہجرت مدینہ کی اجازت دے دی۔ صحابیؓ کی اکثریت ہجرت نبوی سے کچھ عرصے پہلے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے تھے لیکن حضرت مصیبؓ مکہ میں قیام کرے۔ ان کا ارادہ تھا کہ رسول اکرمؐ کی معیت میں ہجرت کا شرف حاصل کریں لیکن حالات و واقعات موزوں نہ تھے اور اہل مکہ آپؐ کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے اور سب نے آپؐ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنالیا تھا لہذا آپؐ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی معیت میں خفیہ رو کر ہجرت کر دی پر آپؐ لہذا حضرت مصیبؓ یہ متبرک سفر آپؐ کے ساتھ نہ کر سکے۔

حضرت مصیبؓ کو جب آپؐ کی ہجرت کے بارے میں پتہ چلا تو ان کے لیے ایک دن کی مکشیں گزارنا مشکل ہو گیا اور انہوں نے مدینہ کا ارادہ کیا۔ مشرکین مکہ کو جب پتہ چلا تو وہ پیش میں آ گئے

پہلے ہی وہ مسلمانوں اور بعد میں رسول اکرمؐ کی مدینہ ہجرت کے باعث غصہ میں بھرے ہوئے تھے۔ حضرت مصیبؓ نے بے خوفی سے کہا: اے اہل مکہ! تم خوب جانتے ہو کہ میرے تیر کا نشانہ کسی خطا نہیں ہوتا خدا کی قسم! تم میرے قریب نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ میں اپنے ترش کے تمام تیرم پر غم نہ کروں اور اگر پھر مجھی تم سے کوئی بیخ کنیا تو پھر میں تم کو ان کا لال لوں گا اور جب تک میری جان میں جان ہے تم سے لڑوں گا۔ اگر تم سلاخی چاہتے ہو تو میرا چھٹا چھوڑ دو اور اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔

مشرکین نے ان کو گھبرا ہوا دیکھا تو جینٹرا بدلا اور کہا کہ: اے مصیبؓ جب تم مکہ آئے تھے مفلس اور قانع تھے لیکن اب جبکہ یہاں سے جا رہے ہو تو یہ مال و دولت جو یہاں سے لے جا رہے ہو وہ ہمارا ہے اسے ہمارے حوالے کر دو اور جہاں چاہو چلے جاؤ۔ حضرت مصیبؓ نے انھوں کی دیر نہ کی اور تمام مال و اسباب ان کے سامنے پلٹ دیا اور خود خالی ہاتھ مدینہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

جلدی چل دی منزلوں پر منزلیں مارتے آتے آتے نامدار کے پاس پہنچے۔ راستے میں کچھ پیار ہو گئے تھے اور کہا: تم کو کھانے کی کوئی کمی۔

جب آپؐ مدینہ پہنچے تو بھوک سے بے حال تھے۔ رسول اکرمؐ کے پاس پہنچے تو آپؐ اپنے اصحاب کے ساتھ مجبور بنی ناول فرما دیے تھے۔ حضرت مصیبؓ نے روز عالم اور دور سے اصحاب کو سلام کیا اور پھر بغیر کچھ کھانے کے مجبور بنی کھانے میں شامل ہو گئے۔ بھوک کی وجہ سے کھانے کی رفتار تیز تھی۔

حضرت عمرؓ بھی اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے حیران ہو کر رسول اکرمؐ سے کہا: یا رسول اللہ! خدا کا شوق فرمائیے ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں اور کس شوق سے مجھوں پر مجبور بن کر کھارہے ہیں۔

اللہ کے رسولؐ نے کمال شفقت سے مصیبؓ کو مخاطب کیا: "سبحان اللہ! تمہاری آنکھیں آنی ہوئی ہیں اور تم مجبور بن کر کھارہے ہو۔" یا رسول اللہ! میں اس آنکھ کی طرف سے کھارہا ہوں جو ابھی ہے۔ ان کا یہ جواب سن کر آپؐ اس قدر ہنسے کہ دندان مبارک کا نور ظاہر ہونے لگا۔

مجھوں سے فارغ ہو کر دو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: والو جناب! آپؐ خود رسول اکرمؐ کے ساتھ آ گئے اور مجھے ساتھ نہ لیا۔

پھر مصیبؓ نے حضور اکرمؐ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے قابل آگئے ہیں۔ آپؐ نے بھی اس عاجز کا خیال نہ فرمایا۔ میں مکشیں تیار ہو گیا اور ترش کے بڑی مشکل سے جان چھڑائی اور آپؐ تک پہنچا۔

حضور اکرمؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: "ابو بختی تم نے بڑی بخشنی تجارت کی۔"

مدینہ میں آپؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان موصحات کرائی تو آپؐ کا دواغالی رشتہ خلیل القدر صہابی حضرت ابو بکر صدیقؓ بن صمدہ تمہاری خرابی سے قائم کیا۔

مدینہ پہنچ کر جب نزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو آپؐ نے تمام مشرکوں میں حضور اکرمؐ کی بھرپوری شرکت کی آپؐ کو کس طور سے تیز انداز کی اور شیر زلی پر مجبور حاصل تھا۔ آپؐ نے ہر مصرعے میں اپنی مہارت کے جوہر دکھائے۔

اگر آپؐ کا سامنا کسی ایسے دشمن سے ہوتا جو مکمل طور پر زردہ پوش ہوتا تو آپؐ کی آنکھ میں اس طرح رات کے کوہ الٹ کا چکر لگتا۔ ایک حضور اکرمؐ کی بہت ذکر کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت مصیبؓ کے بارے میں فرمایا: "مصیبؓ

اللہ کے اچھے بندے ہیں اگر وہ اللہ کا خوف نہ کرتے جب بھی اس کی معصیت نہ کرتے۔" حضور اکرمؐ حضرت مصیبؓ اور دوسرے ایسے ہی اولاد و عہد پر درگروں کا خیال رکھتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت مصیبؓ حضرت سلمان فارسی اور حضرت بلالؓ ملکی اکٹھے بیٹھے تھے۔ ادھر سے ابو سفیانؓ (کول اسلام سے پہلے) گزرے تینوں نے انہیں دیکھ کر کہا

"اللہ کی تلواریں ابھی تک دشمن خدا کا سر قلم نہیں کیا۔"

حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی کہیں قریب ہی تھے فرمایا: "میں تمھیں قریب کا سردار ہے۔ اس کے لیے ایسے سخت الفاظ نہ دے نہ نکالو۔"

اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا: "تمہارے نوکٹے سے شاید یہ لوگ برا مان گئے ہوں گے مگر ان کا برا کرنا کوئی فائدہ کو نارض کرتا ہے۔"

حضرت ابو بکر صدیقؓ رسول اکرمؐ کی زبان سے یہ ارشاد سنا کہ خوف کے بارے نہ کہئے۔ اسی وقت لوٹ کر ان پر درگروں کے پاس آئے اور کہا: "پیارے بھائیو! میری بات سے تم نارض نہ بنیں ہو؟" انہوں نے کہا: "میں اسے ابو بکر ہمارے دل میں تمہارے خلاف کوئی طعن لانا نہیں اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔"

رسول اللہؐ حضرت مصیبؓ پر اس قدر مہربان تھے کہ آپؐ نے ان کی کنیت ابو بختی جو زبور فرمائی۔ حالانکہ حضرت مصیبؓ کا بچپنی نام کوکبہ لڑکا تھا۔ آپؐ کے علم فضل و مہر و استقلال اور شجاعت اولوالعزمی کے باعث آپؐ کا شمار اہل عرب میں ہوتا تھا اور ان پر سونے پر ہما گد رسول اکرمؐ کی تربیت تھی۔

سیدنا عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بندہ سچے دل سے قیام لیل کا ارادہ کرے اور یہ پختہ عزیمت کرے کہ رات بیدار ہوا تو ضرور نماز پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک فرشتہ مقرر کر دیتے ہیں جو اس کو نیند سے بیدار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اٹھو اپنے رب کو یاد کرو اور جتنا ہو سکے نماز پڑھو اس وقت شیطان بھگوتا ہے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ بندہ سوئیں یہ خیر و بھلائی اور سعادت حاصل نہ کر سکے۔ (مشائخہ ایمان کراچی)

حضرت عمرؓ کے دور میں جب حضرت مصیبؓ ملاقات کے لیے آتے تو حضرت عمرؓ سارا کام چھوڑ کر پہلے ان سے ملتے تھے۔ ایک وفد ابوسفیانؓ، سہیل بن عمرو اور دوسرے سرداران قریش حضرت عمر فاروقؓ سے ملنے آئے اتفاق سے اسی وقت حضرت مصیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ ملاقات کے لیے پہنچے۔

حضرت عمرؓ نے ملاقات کے لیے آئے والوں کے نام اور یاقت کیا۔ جب نام تائے گئے تو انہوں نے حضرت مصیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت عمارؓ کو ملاقات کے لیے پہلے بلایا۔ حضرت ابوسفیانؓ سے ضبط نہ ہوسکا کہتے گئے ”محب بات ہے کہ ان غلاموں کو تو فوراً ملاقات کی اجازت مل جاتی ہے لیکن ہم انتظار کرتے رہتے ہیں۔“ حضرت سہیل بن عمروؓ فوراً بولے بھائی اس کے لیے تو ہم خود ہی ذمہ دار ہیں دعوت تو خود تو ہم سب کو ایک ہی وقت میں ہی کی تھی لیکن یہ لوگ اس کو قبول کرنے میں ہم سے آگے بڑھ گئے اور ہم نہ سمجھتے رہ گئے۔ اس لیے اگر امیر المومنینؓ انہیں ہم پر فوجیت دیتے ہیں تو کیا غلط کرتے ہیں؟“ حضرت عمر فاروقؓ حضرت مصیبؓ سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک دن حضرت مصیبؓ نے آتے تو فرمایا

”مصیب! تم مجھے بہت محبوب ہو لیکن تمہاری تین باتیں تھکنی ہیں ایک یہ کہ وہاں پر بھی اچھا غالب ہے جب تک تم میرا المومنین کا خطاب نہ دوجاے حضرت مصیبؓ ہی مسلمانوں کی نجات کریں گے اور وہی بھری نماز جنازہ پڑھا جائے گی۔ چنانچہ حضرت مصیبؓ نے تین دن تک لامت کے فرائض انجام دیے۔ حضرت مصیبؓ نے ایک لمبی عمر پائی۔ انہوں نے ۳۷ سال سے زیادہ عمر میں انتقال کیا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر ۷۰ سال تھی۔ خدا آپ سے راضی اور آپ خدا سے راضی۔ ☆☆

## دوشیزہ کی محفل

محبوتوں کا طلسم کدہ خوب صورت

رابطوں کی دلچسپ محفل

دوشیزہ کی محفل



نئے سال کی ابتدا بہت اچھی ہوئی دیرینہ دوستوں سے ملاقات رہی لاہور کی سردشام اور گرم کافی پیا کروا رہی تھی کراچی پہنچنے ہی دیرینہ رشتے ساتھ چھوڑ جائیں گے ایسا تو سچا ہی نہ تھا ناصر بھائی کا جانا میرے لیے بہت بڑا سانحہ تھا ”اب میں واقعی میں تمہارا ہی ایک ایک کر کے وہ تمام لوگ رخصت ہوئے جو دوشیزہ کی بچکان تھے۔ مگر یہی اہل حقیقت ہے زندگی سفر ہے جو جاری رہتا ہے سونا ناصر بھائی کی کمی تو کبھی پوری نہ ہوئی مگر دوشیزہ اور سہیلی کنبائیاں کا سفر جاری و ساری رہے گا آئیے بڑھتے ہیں اپنے پہلے خط کی جانب محبت سہیل پکوال سے لکھتی ہیں۔ پیاری منزہ السلام علیکم! امید ہے آپ بخیر ہوں گی ایک کہانی ارسال ہے امید ہے پسند آئے گی جنوری کا دو دینیز ملا اللہ کرے ناسال سب اہل وطن اور وطن کے لیے مبارک ہو آپ کے ادارے نے حسب معمول دل پر اثر کیا۔ زمزمی ہر قط بہترین ہوتی ہے۔ جتنا عالیہ کا ممکن یا لیکن اچھی خوب ہے۔ دوشیزہ میں لکھنے والے سب ہی بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ فرزند آغا سے ملاقات کی حسرت ہی رہی کہ دوسرے دن دوشیزہ میں نہیں ملا جب احساس ہوا کہ دوسرے دن کر گیا ہے اور دوشیزہ کی کی کی خبر خبر نہیں تو جب شاہین سے پکار دیا تو وہاں بھی مرادو..... انشاء اللہ اب کچھ نہ کچھ لکھی رہوں گی۔ رخسانہ صاحبہ کے لیے آداب و سلام۔

بھ: اچھی محبت! آپ کا افسانہ اور خط پاکر دل باغ باغ ہو گیا اور نورادل سے یہ شعر نکلا

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے  
ہم ہی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

دوسرے کا دوشیزہ بھجوا رہی ہوں ملنے پر ضرور آگا۔ کیجیے گا اور مجھے یقین ہے کہ آپ آئندہ بھی محفل میں وقت نکال کر ضرور شرکت کریں گی کیجیے اچھا لگے گا۔

✉ خولہ عرفان کراچی سے لکھتی ہیں۔ محترم عزیز منزه سہام صاحبہ! السلام علیکم! امید و دعاؤں کے ساتھ حاضر محفل ہوں۔ کوشش ہے کہ یہ خط آج ہی مکمل ہو کر کل برسوں میں پوسٹ ہو جائے کیونکہ سالہ جتنا جلدی ملائی ہی تب سے میں تاخیر ہوئی لیکن یہ تاخیر بے سبب نہ ہوئی بس وہ جو کسی نے کہا ہے تاکہ



نہ خدا ہی ملا نہ دھال صنم  
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

[illegible]

میں کے بعد اب لی لی جان کے سامنے برید کی اہمیت بھی محسوس کی ہے۔ عامر کا مسئلہ کیا حل ہوگا۔

اسپیس پر قرار دے زبردست زمرہ اللہ آپ کو محنت مند زندگی عطا فرمائے اور آپ کے قلم کو سودا جوں رکھے آئیں۔ سخن زار میں سب کی شاعری بہت عمدہ تھی اور فصیح اور جا کل شاعری زوروں پر ہے کچھ زبردست سے افسانے بھی دے شے کا موع دو کیا ناراض ہو تنہا رہے اور رضوانہ کی خوبصورت بچہ روانہ صبح کی ابتداء کرتے ہیں لیکن پیلیز باریک زبردست سافٹنا تنہا رہا دے کا دل چاہ رہا ہے کچھ وقت کالوں

یاد رہے یہ بھی دو چیز و گلستان اور حمید کی کالوں کا خوبصورت سامنے ہوا جوت ہے۔ مزہ و افی اسی ماہ کی خوبصورت ادبیت اور ارد گرد پر بے جتنا دل رکھا وہ اور ادوار کے کہ سال کے ادارے کے

نے زخموں پر سے کڑھ اکھاڑ دیے۔ چلو اس سال کچھ کرتے ہیں اپنے لیے دو جوں کے ادارے دوا کرتے ہیں۔ مزہ و خدا تہا لی کا کل یقیناً نہیں اپنی زاری دیتوں اور دوسروں کی تکلیف سے آگاہ کے دوا کا ہے کہ کم ان سب کی تلاقی کر لیں آئیں۔ مزہ و آپ کے لیے بہت ساری دوا عیسیٰ آپ کی فریت ادوار

دے دے عا ہے اللہ جلدا سے سکندھو ہونے کا موع فراہم کرے۔ اللہ تعالیٰ دو چیز و اور تمام المان دو چیز و کو خشتا بنائے گا اور کامیابوں کے ساتھ منزل کی طرف دواں دواں رکھے آئیں۔ انشاء اللہ اس جتنے میں

کیا ایک رفیقہ جس کی طرف روانہ کرنے کا ارادہ ہو محسوس ہوں اللہ کا جالی کرنا ہے لیکن اپنا جہت بہت بہت خیال رندانہ موسم اچھا نہیں ہے اور نہ زکوہت بہت خطرناک ہے کسی بیماری کو ہلکا نہ لیں اللہ آپ کو سدا خشتا سکرنا صحت مند رکھے آئیں۔

[illegible]





# اب CSS ایک حقیقت

- 1) والدین کی خواہش ہوتی ہے کہ اُن کی اولاد اُن کا نام روشن کرے مگر فی زمانہ اکثر والدین اپنی خواہش کو بس اپنے دل میں ہی دبا کر رکھ لیتے ہیں۔
- 2) مشہور تعلیمی اداروں اور ان سے جڑے اساتذہ کی بھاری بھر کم فیس عام والدین کی پہنچ سے بہت دور ہوتی ہیں۔
- 3) ایسے میں ہم آپ کی رہنمائی کریں گے ہم آپ کی اولاد کو آپ کے لیے باعث فخر بنائیں گے۔
- 4) علم کی دنیا میں CSS ایک خواب۔
- 5) اس خواب کی حقیقی تعمیر کے لیے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔
- 6) انتہائی قابل ٹیچر سے گھر بیٹھے اپنی لاڈلی بیٹی یا ہونہار سپوت کو CSS کی تیاری کرائیں۔
- 7) CSS میں آپ کی کامیابی کو ہم یقینی بنائیں گے۔

رابطہ کیجیے

www.facebook.com/srasheedkhan

آپ سب احباب سے اسی پذیرائی کی امید رکھوں گی۔ اقبال باؤ آجی سے ملاقات بہترین یادگار رہی۔ دو شیرہ کے اولین سامیوں میں شمار ہوتا ہے باؤ یا کائیں میں ہی نہ تھا۔ سلسلے دار ناول کی نگینوں اور بیٹا عالیہ صاحبہ ساحرئی سبک سے جڑی ایمان افروز تحریر بھی یہ قضا بھی لا جواب رہی۔ اللہ کے زور قلم اور زیادہ آئیں تم آئیں۔ تنہائی کا زہر از سرین انخرنیا دانی ایکی لڑکیاں بھی ہمارے آس پاس موجود ہیں جو اپنی زندگی کی الجھنوں کا خٹکوار انداز میں بھولتی ہیں۔ ساحر سے سے جڑی ایک اور کہانی آپ نے پیش کر کے سوچ کے نئے دور کو دیے۔ اسی طرح سحری میں اللہ کے زور قلم اور زیادہ آئیں تم آئیں۔ اپنے جیسے کا دانا زرافشاں فرہین سولہ دہرے سے جڑی ایکی کہانی جس نے اٹھکار کر دیا۔ سولہ دہرے ساتھ آری پبلک اسکول پاکستان کیلئے وہ سیاہ دن ہے جو شاید ہی کبھی ہمارا یادداشت سے جو ہو سکے معنف کیلئے دھیر ساری داد و تحسین مزید کامیابیوں کی دعاؤں کے ہمراہ۔ بہت خوب اللہ کے زور قلم اور زیادہ آئیں تم آئیں۔ جیسے کو تیسرا از حبیبہ امیر اللہ اکبر اشارتیں کے ڈراے دیکھو دیکھ کر یہ تو ہمارے مکرول کا ماحول بن چکا ہے۔ ساس بھوک بہت ابھی سیاست سیکھا دی گئی ہے۔ سیاست کی عکاسی کرتا خوبصورت پرائیویٹر انسان بہت اچھا لگا۔ آلو تھوٹی شور بے والا پڑھ کر ہی جس کو رد ہری ہوگی کر ایسا آلو تھوٹی کیسا لگا ہوگا۔ شبیر صاحب کا بیوی کی بیٹیوں میں بولا جاتا بہت ملا۔ لیکن اپنی ہی کی خالہ اور خالہ زادے کیسے تیز لیں گی والہ! مزہ آگیا۔ میر و نے بھرداری سے مسئلے کو سلجھایا کہانی بہت اچھی لگی۔ عشق ہے شہزاد اطلاع طلب منوان ہی انٹیکٹ مل لگا کہانی نے تو سحر طاری کر دیا معنف کی فلم پر گرفت خوب رہی۔ بلاشبہ کسی کی محبت میں خود کو فنا کر لینا کم عقل کے سوا کچھ نہیں۔ بہت داد و تحسین و حیرت دعائیں..... پیار کے بول از فرح انیس والہ! زبردست کیا بہت سکرنا سا ٹارگٹ لکھا۔ خوابوں کی دنیا کی سیر کراتا۔ تجل بہت اعلیٰ منظر نگاری منفرد مکالمہ نگاری لا جواب کر دار سازی بے مثال بہت بہترین اللہ کرے زور قلم اور زیادہ آئیں تم آئیں۔ معنف کی صحت و سلامتی کے لیے دعائیں سدا سلامت رہنے اسی طرح پر حراز قسطنی رہے۔ دو شیرہ کا سفر والہ! کیا بات ہے ماشاء اللہ باک مزید کامیابیوں سے نوازے آئیں تم آئیں اللہ پاک نظر بند سے بچائے آئیں تم آئیں زندگی کا سفر یقیناً بہت اعصاب شکن عمل ہے کہ اس میں بے شمار لوگ پھنس جاتے ہیں۔ مجھے آج جاتے ہیں بدل جاتے ہیں۔ مگر بس اطمینان ہووے۔ آخری پڑاؤ منزل پر ہی ہوگا۔ تین سلوں پر عید سڑکی دلچسپ داستان جو آپ کو دو شیرہ والا بخت اور دو شیرہ والوں سے جوڑے رکھے گی۔ میرے خیال میں دو شیرہ کا سفر ہرے رائیڈ کو پڑھنا چاہیے۔ تاکہ وہ دو شیرہ کے معیار کو سمجھ سکے۔ دوسری از ام ایمان بے حد خوبصورت ہیرائے میں عقیدہ تحریر دل کو چھو گے۔ محبت کے آگے گفرت زیادہ دیر تک نہیں سکتی آپ کے افسانے نے یہ سبق بخولی با آور کر دیا..... بے دری از عرا احمد دوسرے کو کتر بھنے والوں کا بکلی انجام ہوتا چاہیے۔ تکبر تو رب العالمین کو سخت ناپسند ہے۔ بہت بہترین تحریر بہت خوب..... بچتا دا از عاکر شفت شادی کے دس سال بعد اپنا بیٹا بنایا کیسے سارے لئے بھروسہ پر یاد کر ڈالا۔ شکفت کی کم عقل پرشدید غصہ آدا اور اس کے باعث نہ جاندے معصوم بچوں کو آپ کے سارے شکفت سے ہی عزم کر دیا۔ اور وہ اپنی ہی دنیا میں مست رہی۔ بہت اچھی لگی تحریر ہر بار کی طرح اس بار کا

ہمیں دو شیر و ناپ رہ رہا رہا کہانی کا جواب ہے مثال اللہ پاک اس ادارے کی سخت نکتہ دالے یہ چوں کو پاک  
عروج عطا فرمائے آئین تم آئین - سنو کہ ان کے اگلے خاندان پر ہمارا تعالیٰ اپنا خصوصی رحم و کرم فرمائے ہر  
مدرسے سے انکار ہے حفظہ داناں میں رکھے آئین تم آئین - مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھے گا ان شاء اللہ پاک  
- دوش -

[illegible][illegible]

✽: عائشہ نور عا شہ کجرات سے لقصی ہیں۔ تمام پڑھنے والوں کو میرا خلوص میرا اسلام قبول ہو سب سے پہلے مانگ بہت ہی خوبصورت تھا۔ نکت وقت کے باعث کوئی کہاں نہیں پڑھا مگر اپنا قبول ہالو سے ملاقات نے دل و دماغ میں اپنل بر پا کر ڈالی۔ میں اسی وقت سے ابھی سوچ رہی ہوں کہ کیا میں بھی ان

کے جیسی بن یاؤں کی یا..... خیر خواہی تو کی جاسکتی ہے۔ دوشیزہ میگزین میں برسلسلہ مجھے سے مدد پسند ہے  
اس بار گین کارن میں سے مجھے ایک خزانہ ملا ہے پھر وہ دوشیزہ گستان پر حاوی تو موزا بردست ہو گیا۔ غزالہ اسلمانی  
صادق شیخ فیاض شاہ سب کا زبردست قاتل تو جا رہا ہے سب کے نام گم دوں مگر قتل وقت جب سخن زار  
پر آئے تو مجھ نے دیکھا میری غزل کا کیا سے کیا ہوا تھا پہلا شعر میں ٹھیک نہیں تھا اور آخری بھی اس میں  
ٹھیک سے لکھ رہی ہوں

اپنی ذات کو کھوتا ضروری ہو گیا تھا  
جنگ کہوں میرا مرنا ضروری ہو گیا تھا

اور دوسرا شعر

بیگم میں محبت کون لیتا ہے مگر  
انہوں کو بھی آ زمانا ضروری ہو گیا تھا

اور سخن زار میں پڑھ کر دل بچھ گا امید کرتی ہوں آئندہ دل بچھنے کا ساماں نہیں ہوگا۔ جو بات میں  
اعتماد پر کرنے جاری ہوں وہ سب سے پہلے کرنی چاہیے مگر یہ بہت مشکل ہے یہ میری کہانی کو  
اشاعت یعنی قابل اشاعت کی سند دینے کا میں بہت بہت خوش ہوں۔ جس جگہ جلدی کر دے دیں  
شکر ہے۔  
مجھے اچھی عادت! سخن زار کی طرف توجہ نہیں دے پائے تھی مگر انشاء اللہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا تمہارا  
زبردست سامنا دل پر سہمے پاس ہے جلد شائع کروں گی۔

فیہم یکینہ صدف لکھتی ہیں۔ بہت پیاری منظرہ ملی آپ ہمیشہ خوشیوں کے حصار میں رہیں امید ہے  
اب آپ ٹھیک ہوں گی۔ خدا آپ کو ہمیشہ صحت و تندرستی عطا فرمائے آمین۔ خوبصورت دلکش غزل  
سبست دوشیزہ ملا تو دل کو ترانہ ملا۔ چلو اس سال آپ کی بہترین تحریر واقعی اس سال میں خود افسانہ کی شکل  
میں گزرا ہوگا اور خالق کا نکتہ سے قریب ہو جائیگا۔ میں نے آسودہ ناول طالع ابھی تحریر کی۔ عادت  
شفقت کی تحریر ہے مدد سبق آؤں گی۔ اللہ کرے کہ کہانی بہت سارے گھر اجڑنے سے بچا دے زرار افشاں  
فرخین اور حبیبہ عمیر ہمیشہ کی طرح شاندار تحریریں لے کر آئیں۔ دینا عالیہ اور زمرہ عظیم کے ناول بڑے  
خوبصورت انداز میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ دوشیزہ کے سفر نے بہت سارے لوگوں کا تعارف دیا اور ان کو  
دیکھنے کا موقع دیا اور اس جانشانی محنت کا اندازہ ہوا جو جناب سہام مرزا اور رخسانہ سہام مرزا نے کی۔  
اللہ پاک ان پر چوں کو مزید ترقی دے اور ان کو چلانے والی ہماری پیادہ منظرہ اور ان کی نیم کو سودا  
سلامت رکھے۔ بہت ہی پیشی زبان ان کے دینے والی پیادہ کی اقبال بانو سے ملاقات ہوئی ابھی گئی۔ اللہ پاک  
ان کے کلمہ کو اور رواں رکھے۔ ابھی اتنا ہی پڑھا ہے۔ زبیدہ آپ اور ناصر رضا بھائی کی وفات سے دل دکھ  
ہوا۔ اللہ پاک ان کو جوار رحمت میں جگہ دے آمین۔

مجھے ناچھی نیم! اب سے پہلے تو کچھ کا شکر ہے دوسرے پر ہے کی پسندیدگی کا شکر ہے ناصر بھائی نے  
جاچک جاچکر جو جھکا مجھے دیا وہ میں تائب نہیں کنتی..... اللہ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے آمین۔

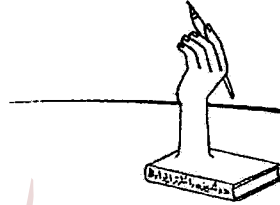
✽ خراج کلمہ تحریر کیا کر رہی ہیں۔ لکھتی ہیں۔ اور یہی صورت آپ کی جن ہائے لکھتی پڑھ کر کسی  
نئے سال پر نیا عہدہ نئے ارادوں کے ساتھ حسب سوج تھا۔ بہترین معیاری سوج جس کی آج سب کو  
ضرورت ہے۔ مگر شاید ہر سال کی طرح یا ہمیشہ کی طرح یہ تمہیری دنیا کے لوگ اپنی تقدیر کے پیوند رو  
کرتے رہیں گے اور اپنی امیدوں کی فصل اگاتے رہیں گے اس کے سوا ہمارے پاس اور کوئی چارہ بھی  
نہیں ہے۔ اس ناہ کا دوشیزہ سال کی مبارکباد کے ساتھ موصول ہوا آپ کو بھی نیا سال مبارک ہو دے گا ہے  
کہ پورا سال آسودگی طمانیت کا سامانی امیدیں خوشیاں اور ہمیشہ آپ کو سرشار رہیں آمین۔ زوارہ میں  
غزالہ عزیز جو کا خیر خدا کر رہی ہیں وہ قابل ستائش ہے۔ ان کی تحریروں کی طرح (افسانوی) یہ کافوں بھی  
زبردست ہے۔ اقبال بانو سے ملاقات اچھی رہی بہت پر غلوں سادہ اور عسکر المراج خانوں میں محبت کا  
جواب محبت سے دینے والی گو کہ اقبال بانو صاحبہ سے بالمشافہ ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا تاہم غائبانہ  
ملاقات ساجی (فیس بک) پر ان کے اخلاق کی مثال ہو چکی ہوں۔ بہت پیارا اندر ہو گیا تھا بالکل ان کی  
خوبصورتی کی طرح اس بار گین کارن میں اس کا شراں کی سادہ ناولت پیار کے بول بہت پیارا لگا پڑ جتنے بھلے گمانے پر  
بہبود کرتے رہے بہت اچھے شعر..... جوا احمد کا بے پناہ بھی اچھا تھا لیکن شاہ کا انعام بڑا دردناک تھا۔ دے  
اگر کبھی شمعیت کے زیر طے لکھنا چاہتا تو زیادہ اچھا ہوتا۔ ناول دیوار کا بچوں کا چہرہ ریمان نے  
ایک منفرد خیال کو خوبصورت کہانی کی صورت میں پیش کر کے دل جیت لیا اس ناول کی پیشی تعریف کی  
جائے گم ہے۔ کہانی کی بہت سے لے کر مکالموں تک ہر لحاظ سے زبردست افسانوں میں اس بار زرار افشاں  
بازی لے گئیں اپنے سب سے دل کا خیر کر کے انہوں نے بڑا دلدادہ تاثر چھوڑا ہے شہناز عارف کے کردار کی  
تصویر بھی لا جواب کی سولہ دیکر کام نہ بھلائے جانے والا ہے۔ اس کے علاوہ حبیبہ عمیر کا افسانہ مجھے کو تیسرا  
ایک معصومانہ افسانہ تھا جو بیتر کی بیچ دفع کے انعام تک پہنچا عشق شے شے افسانہ طالع کی بہترین کافوں بہت  
زبردست افسانہ! آم آیمان کی اداسی لکھنے میں مسلمانوں کی جدوجہد اور قربانیوں پر فشتل تحریر نے دل اور  
جذبات پر گہرا اثر ڈالا لکھنے کی تازگی سے دلی کی معلومات اعلیٰ نہیں جڑا کہ اللہ عاتش شفقت  
کا بچھتا دہا سبق آموز تھا۔ واقعی بعض افسانے اصلاح بہت ضروری ہوتی ہے قدرت نے عورت کو  
ایمان کی مٹی سے گوندھا ہے اپنے آپ کو سنا کر وہ مقام حاصل کرتی ہے لیکن یہ بات ہر عورت کی سمجھ میں  
آتی رہن میں کے آسودہ آج کے دور کی حقیقت پر مبنی تحریر مجھے اچھے اچھے پر سے ساق و سہاق کے ساتھ میں  
منظر میں لکھا جاتا تو بہت بڑا اثر ثابت ہوتی تاہم خیال کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ناہوش طالع کی  
تعریف نہ کرنا مشکل ہوگا۔ تمام سلیب میں زبردست، بے غرض مجرئی طور پر اس ناہ کا رسالہ قابل تعریف رہا۔  
منظرہ میری ایک آنکھ کی بیانی بہت متاثر ہو رہی ہے جس کی وجہ سے لکھنے پڑھنے سے آج کل دوری اختیار  
کی ہوئی ہے ڈاکٹر نے دوبارہ چیک اپ کے لیے بلایا ہے دعا ہے کہ کوئی تیرس سلسلہ نہ ہو لڑا کوشش کے  
باد جو کوئی تحریر نہ لکھ کی حالانکہ یہی ناول اور ناولت ادھر سے پڑے ہیں پھر بھی پورا ارادہ ہے کہ اس جتنے بھی  
کہانیاں کے لیے ایک تحریر ضرور بھیج دوں اللہ مجھے میرے ارادے میں کامیاب کرے آمین آپ کے اور  
ادارے کے لیے بہت ہی دعا میں خوش رہیں خوشیوں کا باعث بنیں۔

بھ: سونت فرح ان خبر بہ تشویش کا باعث ہے کہ آکھ کی بیانی سائر ہو رہی ہے خدا را کی ایٹھے ڈاکٹر کو دکھاؤ ہم لوگوں کا مسئلہ یہ ہے کہ سب کے لیے وقت ہوتا ہے نہیں ہوتا تو بس اسے لیے مگر اب تم اس بات کو اہمیت دو انشا اللہ رب العالی ہوا۔ اس تکلیف کے باوجود تاجا بیع اور مفصل خط لکھنے پر میں دل سے بھگر یہ ادا کرتی ہوں اپنا بہت خیال رکھنا۔

✽: سز گھٹ غفار گراچی سے لکھی ہیں۔ جیتی رہو سلامت شاد و آباد رہو آمین۔ اس ماہ کی گچی کہانیاں منگوا کر یہ معلوم تھا کہ کھتر ماں صر بھائی صاحب کی یہ آخری دعا میں ہوں کی بہت ہی زیادہ دکھ ہوا بہت زیادہ پچھلے چند دنوں سے ان سے بات نہ ہو سکی۔ اللہ رب العزت قابل احترام ماں صر بھائی کو اپنے دربار میں بلند مقام اعلیٰ درجہ دے فرما فرمائیے اور لوہن میں کوہبر کیل پیاری منور اس وقت بہت اداں سے بھر باگل نہیں ہوگا۔ آپ سے کہنا ہے کہ ماں صر بھائی نے میری طویل کہانی کو قابل اشاعت کہہ کر مجھے کہا تھا کہ بہت جلد شائع کی جائے گی۔ ایک کہانی پڑا اسرار بھر کے لیے منگوائی گئی اس خط میں اس کا ذکر ہے کہ وہ نورانی چہرہ کہانی مل گئی ہے۔ میں آپ کو اس لیے بتا رہی ہوں کہ آپ قابل اعتبار اور فکس ہیں۔ باقی اس ادارے کے کسی ممبر کو میں نہیں جانتی۔ پیاری منور جیٹا میری کہانی جلد لگا دیں اب اجازت چاہوں گی انشاء اللہ اگلے ماہ دوشیزہ میں تفصیلی تبصرہ کروں گی۔ اللہ رب العزت آپ کو آپ کی فیملی کو دوشیزہ اور بچی کہانیاں کو اس کی فیملی کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین ختم آمین۔

بھ: تجبت آئی! میں سمجھتی ہوں اس لیے کہ میں بھی ایسی ہی کیفیت کا شکار ہوں۔ آپ کی کہانی تلاش کر رہی ہوں جیسے ہی اس کی اطلاع بھی دوں گی اور شائع بھی کروں گی۔ دوشیزہ میں ارسال رکھے گئے آپ کے 3 افسانے میرے پاس ہیں انشاء اللہ جلد لگا دوں گی۔

✽: ذمہ فرم لیا اور سے لکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کی اور ادارے کے تمام اراکین و دانشمندان کی خیر و عافیت کے لیے ہمیشہ دعا گو ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب پر اپنا فضل و کرم قائم و دائم رکھے۔ تم آمین۔ میری سوزی کلینڈر کے حساب سے نئے سال کی ابتدا ہو چکی ہے اور آپ کی سعیت میں میری تو بہت خوشگوار یادگار اور حسین شام گزری ہے۔ دعا تو یہی ہے کہ اسی خوشگوار شامیں سال بھر مقدر ہیں اور آپ دوستوں ساتھیوں اور رہبروں کی رفاقت غیب ہوئی رہے آمین۔ یہ خواہش اور تمنا بھی میرے معصوم دل کی جس کو پورا کرنے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔ اور اللہ سے یہی دعا ہے کہ زندگی کا ہر لمحہ سکون امن اور عافیت سے گزرے اور عالم اسلام اور دنیا بھر کے لوگوں کو ظلم و بربریت سے نجات مل جائے آمین۔ سال کا میلاد تو بہت اچھا گزرا تھا۔ سن بھر زندہ آ پا کی وفات نے دل کو کم سے بھل کر دیا۔ کیا پیاری شخصیت جس بہت نرم مشفق ہر شخص پر جیسے ان سے ہمیشہ بہت انیسٹ محسوس رہی میں نے ان کے بہت سے ٹوٹے پر سپرد آرائی کی ہیں اور لوگوں کو بتائی بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے لواحقین کو سہمیل عطا کرے آمین۔ میں دوشیزہ کے توسط سے تمام قارئین اور لکھاریوں کو نئے سال کی مبارکباد پیش کرتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ بچی کی زندگیوں میں سکون و امن قائم و دائم رہے۔ اور دوشیزہ کی دینی اور فکری چوٹی ترقی کی منازل طے کرتا رہے آمین۔ لکھنا تو بہت کچھ چاہتی ہوں لیکن قسط ارسال کرنے کی جلدی میں صرف اتنا ہی



# دوشیزہ راسٹر ایوارڈ

جنوری 2018 کا نتیجہ قارئین نے مندرجہ ذیل تحریر کو پسند کیا ہے

”دیوار کا پھول“ حاجرہ ریمان

”واپسی“ ام ایمان

آپ کی نظر میں اس ماہ ”دوشیزہ“ کی بہترین تحریر کیون سی ہے؟

نور کی 2018

دوشیزہ

عنوان: \_\_\_\_\_  
قلم کار: \_\_\_\_\_  
نام: \_\_\_\_\_  
پتا: \_\_\_\_\_





ڈاکٹر سید علی ارسلان

**ஒடிஒடிஒடிஒடிஒடிஒடிஒடிஒடிஒடிஒடிஒடி**

لوگوں کو اپنا بنانے کا فن رکھنے والے سید علی ارسلان جو اپنی تحریر کے ذریعہ بھی دل میں بستے ہیں اور اپنے پیشے کے اعتبار سے بھی دل کی دھڑکنوں کو قابو میں رکھتے ہیں.....

[illegible]

سوال: آج کل زندگی کیا کہہ رہی ہے؟  
جواب: زندگی کہیں نظری نہیں آتی تو کہے گی  
کہا؟ ہر طرف مٹیشیں چل رہی ہیں آدمی کی

صورت میں۔ زندگی کا مطلب تو رنگ و خوشبو،  
طاہریت، خوشی اور انسانیت ہے اور اب وہ تاپید  
ہو چکی ہے۔ ہر چہرے پر ہوا یا اس اڑ رہی ہیں۔



کل "خود بخود حسین قتادہ" آج "کو خوبصورت بنانے کی کوشش میں لگا رہتا ہوں اور کامیاب ہوں رہ کریم کی رحمت سے۔

سوال: حرف کی دنیا سے آپ کا رابطہ کب اور کیسے جڑا۔ اور اس سفر کا احوال کیا ہے؟

جواب: حرف کی دنیا سے میرا رابطہ بہت پرانا ہے۔ ہوش سنہوا اور والدین کے پڑھنے کا شوقن پایا۔ اس وقت دا بجٹس کا زمانہ نہیں تھا صرف ادبی رسالے "نقش" نقوش جائزہ وغیرہ کا قاعدہ کی

پڑھا کرتے تھے اور ان کے ساتھ میں بھی۔ پڑھنے کا شوق میں نے والدین سے پایا ہے۔ میڈیکل کالج میں داخل ہونے سے پہلے میں نے محلے کے لائبریریوں سے کرائے پر کتابیں کر کے پڑھ ڈالی تھیں۔ درحکم کی تھی کہ کتابیں ختم ہو گئیں میرا شوق ختم نہ ہوا اور اب بھی جاری ہے۔ اب میں لکھتا ہوں یا پڑھتا ہوں اس کے بغیر زندگی نہیں آتی۔ چینیوں میں میرا واحد مشغلہ یہی ہو کر رہا تھا۔ انٹر پاس کرنے سے قبل میں نے اردو ادب میں





نیز کو خاصی حد تک پڑھ لیا تھا (جتنا بھی آس پاس کی لائبریریوں میں موجود تھا اور گھر میں بھی) اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میرے اندر چھپا ہوا افسانہ نگار ڈرامہ نگار اور شاعر ہے قرار ہوتا چلا گیا اور آخر کار اہل کر پمٹ پڑاؤت آئے پر۔ پہلا افسانہ اٹھارہ سال کی عمر میں لکھا اور فوراً ہی ملک کے معروف پریس میں شائع ہو گیا۔ معاوضہ بھی ملا جو میری توقعات سے کہیں زیادہ تھا لہذا میرا حوصلہ اچھل اچھل کر آسان کو چھوٹنے لگا۔ یہ 1976 کی بات ہے۔ اس کے بعد گلم کی رفتار بے حد بڑھ گئی۔ 1976 سے 1981 تک تقریباً 75 کہانیاں اور افسانے شائع ہوئے اور بہت سے ایوارڈ یافتہ بھی کرار پائے۔ 1982 میں پینٹل انڈیا آف سوشل اینڈ نیٹرز نے مجھے بہترین نثر نگار کے قابل جانا اور ایوارڈ سے نوازا۔ اس کے بعد گلم کی زندگی شروع ہوئی اور گلم کاری ختم۔

سوال: شاعری اور ڈرامے سے آپ کی

آشنائی کب ہوئی؟

جواب: شاعری میں نے بچپن سے شروع

کر دی تھی۔ میرے والد مرحوم مجھے ساتھ لے کر

مشاعروں میں جاتے تھے اور وہاں ہی پر میں اتنا متاثر ہوتا تھا کہ فوراً تک بندی شروع کر دیتا تھا۔ چ تو یہ ہے کہ شاعری کو میں نے بھی سنجیدگی سے تو نہ نہیں دی مگر آج کل جس قسم کی شاعری نظر آتی ہے میرا خیال ہے کہ میں اس سے کہیں بہتر شعر اپنے بچپن اور جوانی میں کہہ چکا ہوں (شعراے معذرت کے ساتھ)۔ اب بھی اگر آدھو جاسے تو شعر کہنے سے گریز نہیں کرتا چاہے غزل ہو چاہے نظم.....

پہلا ڈرامہ 1998ء میں لکھا "مگر سلامت رہے" 23 مارچ کا پینٹل ڈرامہ تھا جو پہلی بار ایس ٹی وی (STN) پر ٹیلی کاسٹ ہوا۔ بہت پذیرائی ہوئی اور جرنلسٹ فورم نے ایوارڈ سے نوازا۔ اس کے بعد سے 23 ڈرامہ سیریل اور SOLO ڈرامے ٹیلی کاسٹ ہو چکے ہیں "ابن آدم" "سیریل کو انٹین ایوارڈ ملا۔ سیریل "راستہ دے زندگی" اور پینٹل ڈرامہ "دھنک" پی ٹی وی کی ایوارڈ کے لیے نامزد ہوا۔ چوتھے وہاں ڈرامہ سیریل "کرامت عشق" میں دوسرے ٹی وی دن چینل پر دکھایا جائے گا۔ ان کے علاوہ بھی کچھ ڈرامہ سیریل زیر تخیل ہیں۔

سوال: کچھ اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں

بتائیں۔

جواب: ذاتی زندگی میں کوئی خاص بات

نہیں۔ ایک Low middle کلاس زندگی

ہے (اللہ کا شکر ہے)۔ رب کا بہت کرم ہے۔

سارے کام خود بخود ہو جاتے ہیں۔ بھی حرم

Orthodontics کی اسپیشلسٹ بننے والی ہے

اس سے چھوٹا میرا بیٹا سلام (Sattam)

کیڈیکل انجینئر ہے اور نیڈیا میں مقیم ہے۔ آمل

ایڈمیس کی لیڈنس کی ماسٹر کر چکا ہے۔ سب سے

## اٹھائیسویں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ

وہ تقریب جس کا انتظار کیا جاتا ہے۔

وہ تقریب جس میں ملک بھر سے قلم کاروں کا

کارواں، اپنے محبت کرنے والوں کے روبرو

ہوتا ہے۔

قلم کاروں کے قلم کا حق ادا کرنے کی ایک ادنیٰ

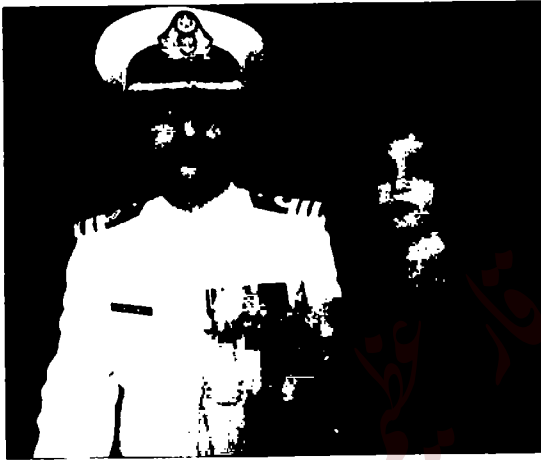
سی کوشش۔

بہت جلد.....

اٹھائیسویں دوشیزہ رائٹرز ایوارڈ کی تقریب اپنے

روایتی رنگ میں جلوہ گر ہوگی۔

پینٹل ایوارڈ کا انتظار.....



میں مثبت کردار ادا کرتا چاہیے مگر یہاں تو سنسنی پھیلانے پر زور ہے۔ مجھے کی فریادی کا ایک ہیڈنٹ اسے زور و شور سے بیان کیا جاتا ہے گو یہ دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ کہ اہو گیا ہے ہیرن ملک اس قسم کی خبریں نہ اٹھا رہا وہ میں آئی ہو نہ دنی دی پر کنٹرول لازم ہے۔ میڈیا کی آزادی کا مطلب یہ نہیں جو ہمارے ملک میں سمجھا جاتا ہے دنیا بھر کے ممالک سے یہیں سواؤں نہ کرتا چاہیے کہ وہ عوام کو کیا دکھاتے ہیں اور کیا چھپاتے ہیں۔ یہاں تو بس..... نہ کوئی حد نہ کوئی حساب۔ جس کا جو دل چاہو رہا ہے وہ کبہر رہا اور کر رہا ہے۔ سوال: آج اور کل کے کی وی ڈرامے میں کیا فرق ہے؟

جواب: پہلے ڈرامے میں تھا 'اب کاروبار ہے' پہلے ڈرامے میں تھا 'اب کرشل ہے'۔ فرق صاف

وہ ایس ہو کر ہیرن ملک بھرا کر رکھے ہیں۔ وجہ؟ بایسی، محض بایسی۔ انہیں بہتری کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی اور ہجرت جاری ہے کوئی شریف خاندان اس ملک میں نہیں رہنا چاہتا۔ مجبوری کی بات الگ۔ یہاں شرافت بے قدر دار ہے وقت ہے۔ تعلیم کی کوئی اہمیت نہیں معاشرہ بد معاشرہ ہے تو فخر و دہرہ ہوتا ہے جن کے پاس دولت اور طاقت ہے۔

سوال: موجودہ وقت میں میڈیا کا کردار کیسا ہے؟

جواب: میڈیا کے کردار پر کچھ کہا فضول ہے ہر جیس 'ہر اخبار اپنی ریٹنگ بڑھانے کی خاطر وہ ہمارے پاس ہے جو اسے نہیں کرتا چاہیے۔ میڈیا کو کسی ہو پرنٹ یا الیکٹرونک انہیں معاشرے کو بھڑکانے میں اس کا سائنسیت تبدیل کرنے



ایمر شہر غریبوں کو لوٹ لیتا ہے کبھی یہ سلیہ کنڈہب' کبھی بنام وطن ہم سب لٹ رہے ہیں۔ لبروں کو کوئی نہیں پوچھتا جن کے چہرے وہی جن کے چہرے خراب نیت وہی۔ چہرے بدل بدل کر آ جاتے ہیں گوام کا خون جو تھے گو۔ قائد اعظم کے بعد سے یہی حالات حاضرہ ہیں۔

سوال: کون سے عوامی اور سماجی مسائل اور رویے آپ کے لیے دکھ کا باعث ہیں؟

جواب: بے دردی ہے رنجی بدتمیزی خود غرضی، شکندی اور غیر انسانی رویہ۔ تہذیب، مرآت، اہردی اور خوش اخلاقی، عمل طور پر رخصت ہو چکے ہیں ہماری سوسائٹی ہے۔ ہر سمت غنڈہ گردی کا راج ہے۔ آپ دیکھ لیں تیس سال پہلے کراچی شہر کا کیا ماحول تھا اور اب کیا ہے؟ جنگل بن گیا ہے یہ خوبصورت شہر بلکہ جنگل سے کہیں زیادہ بدتر۔ نہ کوئی قانون نہ کوئی طریقہ جو خاندان یہاں پر تہذیب و تمدن کے علمبردار تھے

چھوٹا ختام این ای ڈی یو نیورسٹی میں الیکٹریکل انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے اور آدھا سنر لے کر چکا ہے۔ میں پروفیسر ہوں سینے کی بیماریوں کا ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ہوں۔ کیا تھیں ہسپتال اینڈ میڈیکل کالج میں خدمات انجام دے رہا ہوں پچھلے پندرہ برس سے۔ دن ہسپتال میں گزارتا ہے اور شام قلم یا کتاب کے ساتھ بیٹھ کر میری ذاتی زندگی کسی اور تجربے کا وقت ہی نہیں میرے پاس۔

سوال: پسندیدہ کتابیں اور ادیب؟

جواب: ہر اچھی کتاب میری پسندیدہ کتاب ہے چاہے کسی بھی موضوع پر ہو۔ نثر میں کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، احمد ندیم قاسمی سے بہت متاثر ہو۔ شاعری میں جوش آبدی 'احمد فراز' فیض احمد فیض اور جون ایلیا میرے آئیڈل ہیں۔

سوال: موسیقی اور محبت ان دونوں کے حوالے سے آپ کا دل کیا کہتا ہے؟

جواب: موسیقی اور محبت دونوں روح کو تازگی فراہم کرتے ہیں۔ اسودگی مل جاتی ہے بشرطیکہ موسیقی کا سینگل یا ٹیئر کا سینگل ہو پاپ میوزک صرف تپان پر پڑا کرتی ہے جسم و جان میں جگہ کہوں تو مہدی حسن اور میڈم نور جہاں کے بعد ہماری موسیقی کا باب بند ہو چکا ہے۔ جیسے شاعری میں فیض جوش اور فراز کے بعد جیسے نثر میں قاسمی صاحب اور انتھارستین کے بعد گوئی نام تو بتائیں جو ان کا ضمیر الدل ہو کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔ شاعری ختم، نثر ختم۔ موسیقی ختم۔

سوال: حالات حاضرہ سے دلچسپی ہے؟

جواب: حالات حاضرہ سے مجھے ذرا ابرام بھی دلچسپی نہیں ہے بدتر ہوتے جا رہے ہیں بہتری کی امید و درد رکھنا تو نہیں دیتی۔



ٹھاہر ہے۔ کسی بھی قسم کا ہوئی دی ڈرامہ یا سٹیج ڈرامہ کسی بھی قسم کا ہوئی دی ڈرامہ یا سٹیج ڈرامہ ہو یا سٹیج میں دیکھا جائے یا پر حاکم جائے۔ میں ڈرامے کو فنون لطیفہ کی ایک قسم سمجھتا ہوں کوئی کہے یا نہ کہے اس سے مجھ کو کوئی غرض نہیں۔ فنون لطیفہ کی تمام اصناف زوال پذیر ہیں، فلم ہویا نثر ناول ہویا ڈرامہ سب کے سب تنزلی کا شکار ہیں جیسے ہمارا معاشرہ ہماری تہذیب و تمدن انحطاط میں مبتلا ہو چکے ہیں اور دن بہ دن تنزلی میں شدت آتی جا رہی ہے۔ بہتری کی امید کچھ مستقبل میں دکھائی نہیں دے رہی۔ بے ڈھنگا پن، بدبینی جہاں فنڈز گردی اور شدت پسند مزاج ہو چکا ہے ہماری قوم کا بلکہ بچ پوجھیں تو ہم ایک

میں ہوتی ہے ادیبوں اور شاعروں پر ماحول اثر انداز ہو رہے۔ بہتر ماحول بہتر تخلیق۔ بدتر ماحول بدتر تخلیق ہے شمار ڈرامے کی کاسٹ ہو رہے ہیں بے حساب کی جھٹیلوں میں لیکن آپ کا ہاتھ لی دی ریوٹ پر بھی کسی اور نہیں نہیں ہی رکتا ہے ورنہ آپ جھٹیل بدل دیتے ہیں کیونکہ..... ایک ہی کہانی ایک ہی موضوع ہے ہودی بدبینی اور بے حیالی کو غالب کامیابی کی بجائی سمجھ لیا گیا ہے چنانچہ دوڑ جا رہی ہے..... پرفٹ میڈیا ہویا ایکسٹراکٹ میں پرانے زمانے کا آدی ہوں گا میرے خیالات بھی غالب اس افراطی کے دور میں پرانے ہو چکے ہیں..... میرے نزدیک میڈیا کی بہت اہم ذمہ داری ہے۔ میں معاشرے کو سدھارنے اور بگاڑنے میں میڈیا کا کردار نظر انداز نہیں کیا جاسکتا..... لیکن یہاں تو ریٹنگ، ریٹنگ اور صرف ریٹنگ..... اور ریٹنگ کی حقیقت بھی وہ نہیں جو بتائی جاتی ہے۔ کروڑوں کی آبادی میں چند گنے چنے لوگوں کی رائے کے کر اپنے مطابق کے مطابق ریٹنگ کردی جاتی ہے۔ میری رائے میں میڈیا کا کردار عوام کو شہت راہ پر چلانا ہے نہ کہ انہیں افراطی اور دفنی کوشت میں مبتلا کرنا اور نہ ہی وہ کچھ لکھا جو میسج کاٹل اعتراض اور غیر اخلاقی ہے۔ میڈیا وہ فشر ہے جو اگر کسی باہر سرجن کے ہاتھ میں ہو تو جان بچا لیتا ہے اور اگر کسی نادان کے ہاتھ میں ہو تو وہ جان لے لیتا ہے۔

سوال: فلموں سے دلچسپی ہے اور کون سی فلمیں پسند ہیں؟  
جواب: فلموں سے بہت زیادہ دلچسپی ہے۔ میں نے ڈرامہ اسکرپٹ لکھنے ہی فلم اسکرپٹ پڑھ کر سیکھا تھا جو میرے بچپن علی ستیان آفاقی

صاحب (مرحوم) کا تھا۔ میری خواہش ہے کہ میں کسی اچھی فلم کا اسکرپٹ بھی لکھوں مگر..... آج کل جو فلمیں کامیاب ہو رہی ہیں ان میں شکوہ پن اور بلاوجہ کی بے ہودگی اور لچر پن Vulgarly نمایاں نظر آتی ہے۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکا کہ لہذا معذرت کر لی کی فلم سازوں سے میرا مزاج، میری طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ میں اس قسم کی فلم کا اسکرپٹ لکھوں جسے خاندان کے ساتھ بیٹھ کر دیکھنے سے شرمندگی ہو اور میری بیٹی طوا سوال کرے کہ 'پاپا! یہ آپ نے کھانا ہے؟' ڈرامہ ہویا فلم، میری ناہم رائے میں کوئی نہ کوئی اچھا اور شہت پنجام یا سبق واضح نظر آتا ہے۔ مجھ سے مگر بلو سار زمین ساس نند، بھو کی لڑائیاں اور ناجائز تعلقات کی تفصیل نہیں لکھی جاتی نہ میرا دل مانتا ہے نہ میرا ضمیر۔

سوال: پاکستان کے علاوہ دنیا کبھی کیا تجربہ ہوا؟

جواب: الحمد للہ کافی سیر پانے کر چکا ہوں اپنے میڈیکل پرفیشن کی وجہ سے کالفرنیز اور ایجوکیشنل سٹینڈز کے سلسلے میں جب موقع ملتا ہے خود کو اپ ڈیٹ کرنے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ سعودی عرب میں تقریباً تین سال تقیم رہا ملازمت کے دوران ان فوج میں جوانی گزار رہی ہے۔ کٹر رہنما رہا ہوا۔ میں نے خود ہی قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تھی۔ اعلیٰ تعلیم و تربیت کی غرض سے برطانیہ میں رہا اور اس کے بعد عمر فلپائن تھا لیٹینڈ چین، الینڈا، چین، فرانس، سٹور لینڈ، سنگا پور اور اٹلی کے دورے کر چکا ہوں..... تجربے کا مٹ پوچھیں جہاں بھی گیا کرب اور شرمندگی میں مبتلا ہوں..... یہ احساس مارے ذال تھا کہ ہم لوگ اسے مستقیم منہد اور



انسان دوست کیوں نہیں ہو سکتے؟ پاکستان میں بڑے انتہا پسند بے فکر درست راہ کا اشارہ نہیں ملتا۔ راستہ کون دکھائے راہبر راہزن بن چکے ہیں۔ میری نظر میں تعلیم صرف ڈگری حاصل کرنے کا نام نہیں بلکہ معاشرے کی ترقی اور خدمت میں

ادارہ کر رہا ہے۔ دلچسپی اور دیانت سے نہیں۔ چہرے کمانے کا جنون موت بن کر چھٹ گیا ہے۔ خود غرضی اور بے کسی دگ دگ میں شامل ہو چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ رشتوں میں غلطی رہا نہ معاشرتی برتاؤ میں..... جہاں بھی کیا یہی دیکھا کہ وہاں کے لوگ مدد کرنے کی کوشش کرتے ہیں چاہے مسئلہ چھوٹا ہو یا بڑا! لیکن ہماری سوسائٹی میں جان بوجھ کر قدم قدم پر مشکلات پیدا کی جاتی ہیں اور مسئلے کو سمجھانے کے بجائے زیادہ سے زیادہ الجھا لیا جاتا ہے۔ عوام جرم بھی سمجھتے ہیں خواص سے سمجھتے ہیں۔ کرپشن اور بددیانتی ہمیشہ اوپر سے شروع ہوتی ہے اور پھر نیچے تک تیرتی چلی جاتی ہے۔ ہم کیا سیکھ رہے ہیں! اپنی نام نہاد "اشرفیہ" سے؟ بے ایمانی "بددیانتی" لالچ "دھاندلی" مٹاشی "فلنڈر" کردی "بے رحمی" سنگدلی، خود غرضی اور لاقانونیت میں عوام کو ذرہ برابر دوش نہیں دوں گا۔ ان کے مزاج میں خود بخود وہ سا جاتا ہے جو وہ دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔

سوال: پسندہ موسم خوشبو رنگ اور لوگ؟

جواب: پسندہ یہ موسم سردی اور بہار۔ ہر اچھی خوشبو پسندیدہ خوشبو (بچپن سے شوق ہے) مہنگی یا ہوسکتی بس میری ناک کو بھاجائے۔ پسندیدہ رنگ گہرا نیلا، سفید اور بیرون۔ پسندیدہ لوگ جو سائق نہ ہوں۔ جھوٹے نہ ہوں اور جمالیاتی حس رکھتے ہوں جن سے گفتگو میں لطف آئے اور ہر شادی محسوس ہو۔

اور کوئی خاص بات جو آپ کہنا چاہتے ہوں؟ جواب: خود کو آسودہ اور مطمئن رکھنے کا صرف ایک ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے قرب بات (اب اس کے فیصلوں پر اکتفا و اعتماد Blind faith) مشکلات حل ہوتی چلی جاتی ہیں (میری

اپنی مثال سامنے ہے) حلوہ شکایت کبھی نہیں۔ عادت صرف عبادت۔ شکر صرف شکر۔ البتہ کوشش فرض کر دی گئی ہے۔ انسان پر۔ کوشش جاری رہے اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے یہی ناپی نہیں ہو سکتی۔

سوال: اپنے پڑھنے والوں کے لیے کوئی بات؟

جواب: جہاں تک بھی میرا پیغام پہنچے یہ کہتا چاہوں گا کہ کتاب سے رابطہ نہ توڑیں پڑھنے کی عادت ترک نہ کریں۔ مطالعے کا نعم البدل نہ انٹر نیٹ ہے نہ واٹس ایپ۔ ذہن اور روح کی بالیدگی اور شخصیت کی پرورش، خیالات کی کشادگی، تہذیب و تمدن سے آگاہی اور ذہن کی پرورش اور افکار میں وسعت۔ اچھا ادب! ابھی کتابیں پڑھئے، مہذب Intellectuals اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں (صحیح معنوں میں تعلیم یافتہ) کی گفتگو میں ان کی گفتگو سننے سے حاصل ہوتی ہے (اپنا تجربہ بیان کر رہا ہوں)۔ اگر موقع ملے تو ساتھ سے مت جانے دیں۔

سوال: دو مشیر ہ سے تعلق کتنا پرانا ہے

جواب: دو مشیر ہ سے تعلق بہت پرانا بھی ہے اور بہت مضبوط بھی۔ میرا افسانہ مضرب سنی 1978 میں شائع ہوا تھا اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا اور جاری ہے۔ انشاء اللہ جاری رہے گا تا حیات اور تا حیاتِ قلم۔ غیر معاشرتی کا سبب پیش دراز نہ ضروریات ہی بنتی رہی ہیں اور ممکن ہے

آئندہ بھی بنتی رہیں۔ فکر معاش کھائی، دل کی ہر ایک امیگ کو جائیں تو لے کے جائیں کلہاڑی کی بارگاہ میں (حاجت یگانہ شاعر)

☆☆☆.....☆☆☆

یا نچواں حصہ

سب نے اس ایک دن کی بجٹی سے منہ موڑ لیا تھا۔ اللہ کا حکم یہی تھا اس میں اس معصوم کا کیا تصور؟ لیکن رشتے داروں نے اس ننھی پری کے ماتھے پر منگوں کا ٹیگ ضرور چسپاں کرنا تھا.....

زندگی اور بندگی سے گندمی ایک خوبصورت تحریر

**ଅକ୍ଷୟ ଶର୍ମା**

انہیں، جھٹلاہٹ یا تھکن کا احساس قطعی نہیں ہوا تھا اس دوران وہ چاروں ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ تین بجے تک وہ فارغ ہو گئے تھے ہر دو پچاس منٹ کے سامنے کینے ٹیر ہاتھا۔ انجیل کافی پینے کے بعد وہ فرش پر ہو گئے۔ چنک یہاں سے نزدیک ہے جہاں میں چنک جاہوگا، ہر اپ۔ اپنے اپنے بیگز اٹھا لے گئے۔ آج بھرے۔ لی بیگور کی کیٹ تک پہنچنے میں انہیں غمخواری دو چنانچہ راستہ میں انہیں مختلف شکلوں کے لوگوں دکھائی دے رہے تھے۔ کھینچنے والی لیگنوجن کی کتاتوں میں اتر رہی تھیں۔ وہ دھجی سے کرب سے گزرتے لڑکے لڑکیوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان میں بھی چلو لڑکے مسکرا کر انہیں کھینچ رہے تھے۔ کل پیونر سے آف اسلامی، جمہوریہ پاکستان کے بچان کے کھروں پر گئے تھے وہاں تھے تیزی سے ہیریڈ کی گت کی جانب بڑھ رہے تھے ”میں نے چنک کا یہ کرب سے یہاں سے سات“

ظہر کی نماز بھی قضا ہوگئی ہے، یہاں مجھے کوئی سہارا  
 کھانسی نہیں دے رہی ہے اس علاقے میں۔ عمر کی  
 نماز میں قضا نہیں کرنا چاہتی۔ اماں اس وقت یہاں  
 دن کے چار بج رہے ہیں، وہاں کیا نام ہے؟ قسوری  
 دیر بعد کی خان کا جواب آیا یہاں رات کے آٹھ  
 بج رہے ہیں میں سرچ کر کے کھانسی کی دوا  
 بیچتی ہوں۔ تم اسے سو بائیں اور کبھی دائر کی  
 نوت کر لیں! ان خیال رکھنا کہ اس علاقے  
 میں قریب جیلانی کا میسج آیا ہے آج آج  
 کھانے۔

”پانچ منٹ میں آ رہے ہیں آتے ہیں جواب  
بھجوا۔“ آپ تک کے تمام اذخوابات اُترب جیلانی  
کر رہا تھا۔ یہاں پر تو کھانا خاص سوچ بنار کے بعد  
آڈر کرنا پڑتا ہے جس کو تقریب سے پوچھ کر آتا ہوں  
یہاں حلال فوڈ ملتا ہے اور کھتے ہیں بولا“  
جس چیز پر انور فوڈ سٹیلڈ اور پیکنگ میں پکڑی ہوئی آڈر  
کر کے آتا ہوں۔“ واپسی پر وہ خاصا خوش دکھائی  
دے رہا تھا۔ یہاں پر حلال فوڈ کا لوگ ایسا ہے جو  
تیار ہو کر پیکنگ میں یہاں آتا ہے۔ یہ بولی پچھڑی  
سے نزدیک ہے یہاں مسلمان بھی کثرت سے  
آتے ہیں۔ میں تمام حلوامات لے آتا ہوں۔“ اُترب  
جیلانی خاصا سوسل تھا، چند منٹ میں اسی گھر کے بندے  
پر فریک ہو کر انہیں خوشی مل جاتی تھی۔ اُترب ہم  
ایسی عشاں افروز نہیں کر سکتے۔ اس ملک نے اسے  
سمجھانے کی کوشش کی۔

”اے لڑکی۔“ اقرب نے ہنسی باندھ کر سنا  
جانب دیکھا پھر مڑوڑی پر زور سے ہاتھ چھیرا،  
پھر چہرے پر اتاری بدستو بچیدگی کو ایک دم مسکراہٹ  
میں بدلا۔ ”خرچے کی ٹینشن مت لو جب تک رہا بش کا  
انتظام نہیں ہو جاتا، تب تک یہ عیاشی میری طرف  
سے میرے باب کا اتنا بڑا افسوس ہے مرنے پر انورث کا۔“

آتے ہوئے مجھے دادو نے کہا تھا بچے خوب میٹس کرنا اور جب تک تم کبھی سیٹ نہ ہو جاؤ باقی بچوں کا بھی تمام خرچہ اٹھانا میں نے ابو کو مسیج کر دیا ہے میرے اکاؤنٹ میں الماؤنٹ بچو اداں۔“

پڑا کھاتے ہوئے اس وقت آیت سوچ رہی تھی  
 اقرب جیلانی کے فار جانے کس کس طرح تھے۔ کس  
 رہے ہوں گے، قبیضہ ہستہ سارے لوگوں کی حقیقت  
 ہوئی ہوگی کیونکہ راجپوت کا ایسا داربار ہے اگر کسی  
 کے پاس ایک سب سے نرک یا ظالم آجاتے تو حوص ہوتا  
 ہے اور مجرادرود کر کے کھٹے کھٹے کھانا چاہتا ہے۔ بنالیا  
 ہے جب کاردار میر خیر علی نے جانے کا رخ کر لیا  
 رہتا ہے۔ اتنی دودت جمع کرنے کا فائدہ قبر میں  
 جواب تو اس کیلئے ہی دیتا ہوگا۔ اقرب جیلانی یہاں  
 جو پڑا کھاتا رہا ہے اور دوسروں کو بھی حوصلے کے کار بار ہے  
 کل باپ کی قبر میں اس کی دلو کے لیے نہیں بچنے کا

آیت کریم لکھیں رہیں؟ ساء سے آئے  
ٹھوکا مارا "ہوں!" اس نے سرزد سے ہلایا اور اپنے  
سامنے رکھے سانف ڈریک کارٹن کو گھونٹے اور  
چاؤں اکیڈمیں کی ہڈ سے کھولنے لگی۔ "نن گھوٹے  
کے بعد اس نے اس پر کسی عمارت کی دیوار پر چڑھنے  
پینے لگی۔ پڑاؤی میں غبار تھا۔ سانف اور جوی پیوٹو  
سلیڈ کی قوت ابھی الگ تھی بیک پیچر ز اور چائیز  
سانف کا اور داس میں نمایاں تھا کہ نین بین کے  
ساتھ سلیڈ کا بادل اپنے سامنے رکھے چائیک کے  
ایجنڈہ کے ساتھ دو درخت سے لکھا رہی کی۔ چائیس  
پوٹر اقرب جیلائی نے اس پر تکلف دعوت کے ادا  
کئے تھے۔ اب نہیں پوٹورکی سے قرب و جوار میں  
پڑاؤں و صوفیائی کے کافی جہیز دینے کے بعد  
انہیں ان کے حساب کی پانچ سو سو کی کسی بڑی  
فوز و نیوڈری سے چند کھنڈ کے فاصلے پر ٹکڑی  
علاقہ تھا۔ یہاں پر چھوٹے چھوٹے شہر تھے

پھلوں کے درمیان گھبراہٹیں ملاحظہ تھیں۔ تمام گھر ایک جیسے ڈھولوں اچھٹوں کے ساتھ تھے مگر ہلکڑی اور آئرن سے بنے ہوئے تھے جو پورے دو دو ٹکڑے میں تھے ان کی چھتیں سیاہ تھیں باہر سے لیکن اس کا کر ایہ زیادہ تھا اُتر جلالی تو افورڈ کر سکتا تھا لیکن احمد شاہ اس گھر میں رہنے کا تحمل نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ فاضل کراچی میں جلتا تھا۔

”اگر ہم یہ کالج کھانچا کرتے ہوتو لڑکیوں کی ہڈی میں فرنی کرنا ہوں۔“

”اگر یہ نہیں ہو سکتا ہم دونوں ایک ہی جگہ پر رہیں گے۔ اس طرح ہم ایک دوسرے کے لیے ہلچل فیل ثابت ہوں گے کیونکہ ہمارا جینکٹ اور کلاس ایک ہی ہے ہمارا ٹاسک بھی ایک ہے۔“

”اگر ہمیں یہ رہنمائی نہ ہوتی تو ہم کبھی سے دوبارہ تلاش شروع کر رہے ہوں نہ تو آج یہاں آتے کے لیے کسی اچھی جگہ کا انتظام ہو جائے۔“

مظفری خان نے نمازوں کے مقامی تارنگ  
آیت کو سمجھ کر دیے۔ پوری دنیا میں سورج کے سائب  
سے نمازوں کا مقرر ہوتا ہے سو پہلے وہی آیت  
کو نماز کے قائم کا اعزاز ہو گیا تھا۔ مغرب کی نماز  
پڑھنے کے بعد وہ اور نالک بھرس میں آگئی تھی۔  
ساٹنے ہی پر یوزفوز شازہ پرنسز کی عمارت دکھائی  
دے رہی تھی کئی غلوں پر مشتمل دو عمارت اور چرچ کی  
سوچ کا بھی مثال رکھتی تھی۔ اس کو جانکاروں کے سامنے  
کھڑے کرتے ہیں انوکھے کے یہ مثال دروغ استعمال  
کئے ہوں گے۔ اس کی شان و شوکت ذرا خاص بنر  
مندوں اور کارگروں کے ہاں ملے ہوئے کا اعتبار کر  
رہی تھی۔ اس علاقے میں کئی پارک ارباز تھے  
شاہک مال بھی یہاں پر کافی تھے۔ پر یوزفوز خان  
شہر سے ان بنگلوں پر رش ہو رہا تھا۔ موسم اچھا تھا  
میںان زیادہ نو انگیزنے کے رہنے والے ہی تھے اس

خاطر ہر جانب سے سمندری اور دریا پانی پائوں سے گھیرا ہوا تھا یہاں مہو پانچ بیٹے تک موسم خوشگوار رہتا ہے۔ گنت میں کئی ہفتے بڑھ جاتے ہیں۔ اگر کوہ کے وسط میں برہاری شروع ہو جاتی ہے۔ برہاری کا پانا وسط قاعدہ پر آئیں یونیورسٹی کا پانا تھا کلاسز آئندہ دیکھ سکتے ہیں شروع ہو جائیں گے آیت الہیہ میں دیکھیں وہ وہی کھڑے کھڑے اس نے انہیں پہنچ کیا۔ اماں! آئی کسی بو اس نے پورے دن کی روداد انہیں لکھی تھی اس نے بتایا تھا کہ انشاء اللہ کل تک براہن کے لیے اپنا پست کا انتظام کرلوں گی۔ اب کا آج قنوں آیا ہے انہوں نے اکاؤنٹ نمبر پر چما ہے میں نے انہیں ڈسٹریبل دے دی ہے کہمہرے تھے کل کے میرے اکاؤنٹ میں ماؤنٹ ٹرانسفر کروا دیں گے۔ کہہ رہے ہیں اچھا اپنا پست لینا کیوں نہیں نہیں چاہتی کہ اب مزید پیسے سپورٹ کریں میں سب برابر فخر ان مجید میں فرماتے ہیں اب آپ کو کافی تک نہ کہو۔ ان کی خوشی کے سامنے خود کو بے بسی پائی ہوں اماں! آئی کسی بو اب ہر ایک کدو بھی

ان چاروں کی رہائش کا انتظام ہو گیا تھا۔ بریٹن فورڈ  
دو درہے اعراب جیانی کو ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہوسٹل  
گیتھا گیا جیسا وہ چاہتا تھا۔ ذہنی چٹنوں والا جیانی  
پوشاک میں ایسا ہی چھوٹے چھوٹے بیٹھ کر رہتا  
تھا۔ اس پر ملائی کے ان معروف دور کے آئینے سامنے  
بے گھر کی نظریں ہیں اگر کھینچے والوں کی  
خوش دینی کا تعین کرتی تھیں۔ ان گھروں میں  
استعمال ہونے والا شعل بنی خیر کا ٹکڑا بھی کڑی  
استعمال تھا۔ اعرض پر چھوٹوں کے بڑے سیاہ شیشے  
والے دروازے اور دیگر کچھ جگہ ہیں یا یہ یونٹوں سے  
کوئی گھر کے فاصلے پر تھا۔ چونکہ یہ آئینے سے  
اگلے اسٹوڈنٹس کی کثیر تعداد یہاں رہائش پذیر تھی۔  
ان میں سے ابھی رکھتے ہوئے یہاں کے اورنگ اور



انتظامیہ نے جنگی ہواہے تھے تاکہ پاکسٹریڈن کے آسانی سے گھر پرینٹ پر دے جائیں۔ پاکستان میں ہواہے جیسے دھماکا کارداروے دکھائی دیتے ہیں یہاں پر ایسا کبھی نہیں تھا۔ یہاں کرنسی کی دلیو ہے جو کمایا جاتا ہے اس میں آسانی گزارہ ہو جاتا ہے ڈپلن بہت تھا یہاں کوئی کسی کے معاملے میں دخل اندازی نہیں کرتا تھا بس اپنی زندگی میں بڑی۔ اسٹوڈنٹ کے علاوہ اس علاقے میں مختلف کینیڈین جاب کرنے والی بلیکس بھی قیام کیے ہوئے تھیں۔ یہ علاقہ انڈیئرل تھا یہاں پر یونیورسٹی ہاؤس کی بھی آئی سی سوسائٹی کرانے کی وجہ سے اعتراض بھی مٹھیں تھا۔ رقی اور صوفی کی مد سے یونیورسٹی سے سات کومیٹر فاصلے پر راترہ روڈ واقع ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ آیت کوئل گیا تھا۔ یہاں بھی یونیورسٹی کی بس آئی سی ہوتے جانے کا مسئلہ بھی حل ہو چکا تھا۔ یہ یاد آج نما علاقہ تقریباً پندرہ بارہ سال پہلے بننا تھا قزو قلوہ پر ان کا اپارٹمنٹ تھا لویشن زبردستی کی بلڈنگ کی بیک کی جانب باغات اور کچھیں کا ایک طویل سلسلہ تھا چھوٹی سی بالکونی سے بہت خوبصورت دکھائی دیتا۔ کینیڈوں نے آگے شفافہٹی بھی دکھائی دے رہا تھا بلیکوں وہ قدرتی جمیل نمایاں جس کا وسیع عرض جیسے سی بالکونی میں کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں بہت اچھا محسوس ہوتا تھا گھر برائے نہ فرزند تھا ایک لاؤنج و بیڈروم پر مشتمل۔ دو بیڑیں ایک صوف سینئر جمیل اور دیو جیک لاؤنج میں بیٹھ سکتے تھیں جس میں فرخین رکھا ہوا تھا۔ لڑا اور آیت مدھن نہیں مناسب ریت پر اپارٹمنٹ چل گیا تھا۔ یہاں سے قزو سے فاصلے پر رقی کل اور صوفی الاسد کی رہائش تھی۔ آفراسینر کے ہوٹل میں یہ کالج و یونیورسٹی دونوں تھے جو آج سے چار سال پہلے مسلم کینیڈوں نے اپنی مدد آپ کے تحت بنایا تھا پہلے تو صرف ایک وسیع

دیکھتے تھے، تم دونوں اگر چلے جاؤ تو زیادہ بہتر ہے۔“ اوکے ہم فرین سے لنڈن جائیں گے دو بجے فرین میں بیٹھیں گے، انشاء اللہ سات بجے تک واپسی ہو جائے گی۔“

”اگر اب یاد رکھنا ہے نہ ہو کہ بھول جاؤ۔“

”آیت تم یہاں آ کر خامسے ڈسے دار ہو گئے ہیں ڈونٹ وری ٹم ہے مگر ہو جاؤ۔“

”بھٹکس۔“

”نوناو آیت تم پرے بھٹنے بولا کر دے۔“

”اچھا بابا،“ دو گھنٹہ کی مغرب کی نماز پر بیٹے کے بعد وہ سناہ کے ساتھ فری مارکیٹ میں آگئی تھی عظمیٰ خان آری تھیں اسے کھانے بیٹے کا بچہ سامان فرخین میں رکھا تھا۔ رقی کل نے آیت کوٹایا تھا راترہ روڈ پر افغان باشندہ نعم اللہ خان چکن کا کاروبار کرتا ہے جسے بخش طریقے سے حلال ہوا صدف بن شدہ چکن کی فوڈ بیف و دیگرہ یہاں ملتا ہے کہ ملین بوب سینٹر کے سامنے سائینڈ پر افغان حلال فوڈ کا بڑا سا بورڈ لگا ہوا ہے اندر ایک بڑا سا ہال ہے جہاں گرم گرمی، بکری، دایس، چاول آنا کولڈ ڈرنک کے بیٹار آفمز اور ڈرائیڈ دھتاپ ہے ہم بھی سامان وہیں سے لیتے ہیں۔ رقی کل نے اس کی مشکل آسان کر دی تھی۔ آسانی سے انھیں افغان حلال فوڈ کا مال مل گیا تھا۔ وہاں کافی دھن چاڑھنی لالی ہے گزرتے انھیں آگے جانا پڑتا تھا جہاں مختلف ایشیا کے رنگ الگ کینٹ بنے ہوئے تھے۔ اس نے بچوں فٹ، پیف ٹرائی میں رکھنے کے بعد ٹیکس کباب کوفتے، برگر، ڈیوڑھ ٹرائی میں رکھے تھے۔ آگے چل کر بریل انڈیئرل ڈائری ٹیلیس ٹرائی میں رکھی۔ آیت تم کا ڈنٹر پل ہوا بھٹنٹ ہاف میں دوں گی۔“

”نہیں آیت میرے پاس پیوڑز ہیں۔“ آیت

جانتی تھی ناسکے مالی حالات بہت اچھے نہیں ہیں۔ اس کے فارڈر انہوٹ کی ایک کینیڈی میں انجینئر تھے اس جاب کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور ذریعہ آمدنی نہیں تھا۔ بٹیکل ناسکے اپنے بیڑیں کو یہاں آنے کے لیے راضی نہ کیا تھا۔ ناسکے دو بھائی تھے جو اسکول گونگ تھے۔ ناسکے آیت سے کہا تھا کہ پہلا سمسٹر شروع ہو جائے پیکچر کی مارٹنگ کا پیڈ لگ جائے نہ بارڈ ہائیم جاب ڈھونڈ لو گی۔ ”اٹس اوکے نہا میں بھٹنٹ کروں گی تم پر بیٹان مت ہو۔“ لیکن نابھدھی کہ پہلے ہی اب تک کے اخراجات آیت ہی کر رہی تھی۔ ”اچھا نہا نابھدھی تو رہے دو بعد میں دیکھیں گے۔“ اس ڈیپارٹمنٹل اسٹور پر لوگوں کا دل بڑھ رہا تھا۔ ان دونوں نے جلدی سے تمام چیک ٹرائی سے نکال کر کاؤنٹر پر رکھے پھر تمام سامان ترتیب سے ایک سائینڈ پر لگا دیا کینیڈیئر پر بیٹھا لاکا ایک ایک چیک اٹھاتا، پرائز چیک کرتا اور چیک اسکرین کی طرف متوجہ ہو جاتا جو سامان وہ چیک کر جا رہا تھا پیکلر شاپز میں بیک کر رہا تھا۔ اب اس نے ایک بھی سیلپ نکال کر آیت کے سامنے رکھ دی تھی۔ آیت نے بھٹنٹ کر دی بتایا پیوڑ لڑکے نے دایس کیے۔ وہ دونوں بیگ اٹھائے باہر آگئیں۔ اسی اسٹور سے خالص آنا چاول کے پیکٹ بھی مل گئے تھے ساتھ ہی دایس بھی اس نے لگے وہ بھی۔ پیوڑ خالص راتن تو یہاں سے مل جاتے گا۔ وہ خوش دکھائی دے رہی تھی۔ ٹی ایٹل وہ ڈیوڑھ کل پاپٹس ہی استعمال کر رہی تھیں۔ تین دن پہلے تو وہ اس اپارٹمنٹ میں آئی تھیں۔ اماں آجائیں گی تو ان کے ساتھ جا کر بن خریدیں گے آیت دل میں بار بار پاپٹس رب کو غلاب کر تے جو ہر قدم پر اس کے لیے آسانیاں پیدا کر رہا تھا۔ وہ بار بار اس کا شکر بھلائی عشا کی نماز پر بیٹے کے بعد وہ

دوئوں دیر تک بھڑس میں کھڑی رہیں۔ پورا شہر  
 ریشیوں سے جگمگا رہا تھا بالکونی کے اس طرف والی  
 سڑک قدر سے سسنان تھی۔ کسی وقت اکا دکا موٹر  
 بانک یہاں سے گزرتی کیونکہ تھوڑا آگے جا کر  
 باغات اور کھیتوں کے میلے تھے۔ یہاں قدر بے طلی  
 فضا میں سکون تھا بالی کی تنگی بھی محسوس ہو رہی تھی جو  
 طبیعت کو اچھا احساس دلا رہی تھی۔ دونوں کو بھوک  
 بھی تھی مگر فرنگ چین تو ان کے پاس نہیں کہ  
 کھس مگر مگر تین اور فریڈ ہوئے کھانے بیٹیں کھانے  
 جاسکتے تھے۔ ”آیت کے سامنے پڑا بیٹ ہے  
 وہاں سے کچھ آگے آتے ہیں۔“  
 ”ہاں چلو اپارٹمنٹ لاک کرتے ہوئے طویل  
 کوریڈور کر کے لٹی بیڑھیوں کی جانب بڑھیں نیچے  
 کافی پورا پارکنگ ایریا تھا جہاں اس بلڈنگ میں رہنے  
 والوں کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔“  
 عظمیٰ خان سوا سات بجے تک الڑتھوڑو بیچھڑکی  
 قہیں۔ ”اقرب جیلانی اور امیر شاہ ان کا سامان ان  
 کے اپارٹمنٹ تک پہنچانے تھے۔ وہ پاکستان سے  
 ضرورت کا کافی سامان ساتھ لائی تھیں بل بسز کی  
 چادریں پلاسٹک ڈزینٹ جین تک استعمال ہوئے  
 والی ضروریات!۔“ ”میم ہم جیتے ہیں۔“  
 ”آپ لوگ بیٹھو ہاں!“ آیت نے انہیں بیٹھنے  
 کی دعوت دی۔ ”عظمیٰ خان آگے تھیں اس لیے وہ  
 انہیں اب یہاں رکھنے کے لیے کبھی نہ تھی۔“  
 آیت نے ان دونوں کو اپنے اپارٹمنٹ میں آنے کی  
 دعوت نہیں دی تھی۔ یہ اپارٹمنٹ احمر شاہ اور اقرب  
 جیلانی کی بدو سے مناسب رینٹ پر آئیں ملتا تھا۔  
 آیت خوش تھی عظمیٰ خان کے جانے سے۔ وہ ان  
 سے کبھی نہ تھی ”اماں آج پورے آٹھ دن کے بعد  
 میں آپ سے مل رہی ہوں۔“ وہ بار بار ان کے گلے  
 لگ رہی تھی۔ سنا کافی کے ساتھ ہی آرٹ ٹیک کے

آئی تھی۔ آج وہ پھر صوفیہ الاسلامیہ اور قیصل اس سے  
 آئے تھے انہیں وہ یہ ٹیکہ اور سرفاف کو لڈز تک کتنے  
 لگائیں تھیں۔ اماں فرخیں ہو کر ان کے درمیان آ بیٹھیں  
 سنا سے ب کے سامنے کافی کاکپ اور ڈیپوز وہیل  
 پلٹیں رکھ دیں ”چلو آپ لوگ لوہاں!“ عظمیٰ خان  
 نے مسکراتے ہوئے اقرب جیلانی اور امیر شاہ کی  
 طرف دیکھا۔ انہیں اجازت ملنے کی ضرورت تھی،  
 دونوں نے دیوں کی طرح کیک پر ٹوٹ پڑے ”میں  
 نے جہاز میں کھانا کھا لیا تھا۔“ وہ کافی کاکپ فضا سے  
 ہوتے ہی کھانے کی طرح پھر مسکرائیں عظمیٰ خان کی اس  
 قدر پیاری مسکان جو ان کے پرکشش ہونے سے بہت  
 بھی بہت تھی۔ رب اعظم کی جانب سے یہ مسکراہٹ  
 ان کے لیے خالص تحفہ تھی جو وہ انسانیت میں فرزندگی  
 سے بانٹ رہی تھیں۔ ”اقرب جیلانی اور امیر شاہ کو لڈز  
 جیسے یہ بیٹوں خواہیں انہیں اس بیڑی سے کھاتے  
 ہوئے دیکھ رہی ہیں۔“

ایلی خاتون کرنے کی کوشش میں اقرب گیا  
 ہوا۔ ”دراصل آج وہ پھر کوئی نہ کھانا نہیں کھایا۔“ تم  
 لوگ بالکل فاصلہ لگاتے ہو تو ساتھ ہی جاسکتے  
 ہو۔“ سنا بے شکل پٹی روک کے کہا ”دوبی گڈا اچھا  
 آجیڈا ہے۔“ ”امیر شاہ مسکرا کر بولا۔ ”عظمیٰ خان بدستور  
 مسکرائی رہیں جس طرح آیت خان عظمیٰ خان کے  
 بغیر نہیں رہ سکتی تھی اس کی طرح وہ بھی آیت کے بغیر  
 نہیں رہ سکتی تھیں یہ چند دن انہوں نے آیت کو یاد  
 کرتے ہی مزار سے تھے وہ ہرگز پاکستان نہیں چھوڑنا  
 چاہتی تھیں لیکن آیت کی محبت انہیں ہزاروں میل دور  
 غیروں کے دہس میں ڈالے آئی تھی اس کی وقت بھی  
 کا شرو شروع ہو چکی تھی آج پونڈرشی میں سنا ملک  
 اور آیت خان کا فرسٹ ڈے تھا۔ دونوں کو اپنے  
 اپنے اپارٹمنٹ آسانی سے مل گئے تھے اب کا شرو

ڈھونڈنا خاصا مشکل لگ رہا تھا۔ صبح آتے ہوئے  
 جب وہ گھر سے نکلنے کی کوٹھی خان نے آیت اور سنا  
 ملک پر تھکی ہی ہو سوتی پڑا کر پوچھی تھیں۔ ”پونڈرشی  
 روڈ کی بس ٹا ٹھیک فرامرشاہ نے اسے بچ کر لیا۔“  
 وہ دونوں اسٹاپ پر پانچ منٹ پہنچ چکی تھیں۔ میٹر  
 بس نے انہیں پونڈرشی کے گیٹ پر اتار دیا تھا۔ اسے  
 دوبارہ دوسرے روٹ پر حزیب طلبا کو لینے جانا تھا۔  
 دونوں اپنے اپنے اپارٹمنٹ میں پہنچ چکی تھیں۔  
 اب کلاس تلاش کرنی تھی ”اسکسپریڈ لائیو!“ آیت  
 نے قریب سے گزرتی ایک لڑکی کو روکا تھا۔ وہ ریشی  
 تھی جو گندمی رنگت کی طویل باہت کی ایک خاص  
 بھڑی جامت کی لٹی تھی اس نے اسٹن ٹیکسٹ میں  
 پونڈرشی کی ٹوب پہنا رکھی تھی۔ آیت خان کی لٹی  
 ٹیڈم سے خاص محب ہو چکی تھی وہ تنجیر کی اچھی  
 تھی۔ لٹی ٹیڈم بھی اسکا کرشپ پر یہاں آئی تھی وہ  
 دونوں اپنے اپارٹمنٹ کے سامنے والے کینے میرا  
 میں آئیں جہاں اسٹوڈنٹس کا رش لگا ہوا تھا مکان  
 پڑی آواز سنائی دینے دے رہی تھی۔ آیت خان تم  
 یہاں بیٹھو میں کاؤنٹر سے کھالائی ہوں۔ جانے کے  
 لیے بیٹھو بیٹھو جیسے کچھ ساتھ میں کچھ کے سامنے  
 تھے۔ آیت اپنی صحت خود کا ناپاکی کی لگن اس  
 سے پہلے لٹیڈم نے صحت کر دی تھی۔ چار پونڈرکا  
 یہ سب کچھ آیا تھا، جانے کے دوران آیت نے لٹی  
 سے پوچھا تم کہاں رہتی ہو؟ لٹی نے بتایا یہاں سے  
 آٹھ گز پونڈرشی علاقہ پانامو میں۔ پانامو میں  
 ایک برطانوی خاتون نے اپنی رہائش گاہ لڑکیوں  
 کے لیے ہوسل بنایا تھا وہیں رہتی ہوں۔ اس  
 ہوٹل میں اور لڑکیاں بھی رہتی ہیں صحت کچھ  
 فول پر دف سکوری کا انتظام ہے۔ یہ سب بات  
 ہے۔ آیت نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ ”کوئٹہ کا  
 تھوڑا مسئلہ ہے چند روز پہلے ہی میں نے وہاں

رہائش اختیار کی ہے میری روڈ تک پونڈرشی کی بس  
 آتی ہے میری روڈ سے پانامو سیکریٹ ڈھانی کلو  
 میٹر پر ہے آج تو میری ہمیں روڈ تک پہنچا دی چل کر  
 آئی ہوں۔ لیکن اتنا زیادہ پیدل چلنا میرے بس نہیں  
 ہے۔ میں نے سزا اچھا دین سے کہا ہے میں  
 روڈ تک ایک اینڈ ڈراپ کا انتظام آپ کرادیں اور  
 بھی لڑکیاں ہیں شاید وہ کچھ بندست کریں۔“ وہ  
 چچی کا سامنے کھولتے ہوئے کپ میں اینڈ ل کر بولی  
 اب وہ آہستہ آہستہ جانے میں ڈھانک چلا رہی  
 تھی۔

”لٹی میں تمہارے لیے دعا کروں گی اللہ پاک  
 تمہاری ضرورت جلد حل کریں۔“ ہاں آیت خان  
 ضرور دعا کرے۔ اب وہ سینڈوچ کا گڑھوں لٹی تھی۔  
 اس میں دو سینڈوچز تھے جو ان دونوں کے لیے کافی  
 تھے۔

”لٹی!۔۔۔۔۔“ لٹی کے سادے ہاتھ پر آیت نے  
 اپنا ہاتھ رکھا ”واٹ!“ لٹی نے سوالیہ نگاہوں سے اسے  
 دیکھا ”تم نے سرگرمی ہوائے سے پوچھا تھا  
 سینڈوچ میٹ کے ہیں یا ڈیمیل کے ہیں؟“  
 ”آیت خان تم نے لکھ کر وہ کھانا تمہاری طرح میں  
 بھی دیتی ہوں۔“  
 ”اوکے۔“ آیت مسکرائی پھر بھی سینڈوچ کو اس  
 نے کھول کر دیکھا تھا۔

”آیت خان تم کہاں رہتی ہو؟“  
 ”الڑتھوڑو کے سیف سائیز پر ڈاکر براؤن  
 پہلی بلڈنگ میں تمہرے طور پر ایک اپارٹمنٹ کرائے پر  
 لیا ہے۔“  
 ”تمہیں آنے جانے کا مسئلہ نہیں ہے؟“ وہ  
 سینڈوچ کا آخری بائٹ اٹھو اور انکشت شہادت  
 میں بکڑے گویا ہوئی۔  
 ”میں پونڈرشی کی بس پر اتھوڑا اسٹاپ پرکتی ہے۔“

”آیت خان تمہارے قہر سے ہیں باغ منٹ پہلے گھر سے نکلے تو جس کے آنے تک بیچ جاؤ۔“  
 ”ہاں یہ تو ہے“ اس وقت ظہیر کی نماز کا نام تھا۔  
 آیت نماز پڑھنے لگی آیت نے اللہ پاک سے درخواست کی تھی کوئی باگ میں تیرے ساتھ وعدہ تو نہیں کر سکتی کیونکہ میں بندہ بشر ہوں اور بشر کم ظرف وعدہ خلاف ہوتا ہے کوئی بیشہ کروں گی جان بوجھ کر کوئی نماز نقصان نہ کروں۔“  
 ”فلی سامنے آئے کہ راؤ ڈھ میں چلتے ہیں وہاں نماز پڑھ لوں گی۔“  
 ”ہاں چلو۔“

”سنوئی یہاں نماز پڑھنا لاؤ۔“ آیت جب ان لوگوں نے مسلم کرپٹی کو اپنی پینڈو میں جکد کر دیا تو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیں۔  
 سگلی کی لا جک سے آیت مطمئن ہو گئی۔ بلکہ روز کی ایچ کے دور میں آیت نے نماز پڑھنے کی جک ڈھونڈ لی مگر یہاں پر اللہ کے سوا کسی کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جاکسک میٹر مل میں سفری جائے نماز اسنے جیک کے ایک خفیہ خانے سے نکالی اور روٹی بھسی چکی گھاس پر چھادی۔ اسے قلب کی ست کا قطر تھا۔ شوڑ اتارنے ہوئے وہ جائے نماز پر کھڑی ہوئی اور نماز کی نیت باغدہ لی۔ لی وہاں اس کے قریب بیشہ کی تھی وہ دس منٹ میں نماز سے فارغ ہوئی تھی۔ اس نے جوتی بیروں میں ڈال لی اس پر بھی کسی کو لکھا اور جیک اٹھانے ہوئے کھڑی ہوئی جس میں پہلے ہیادو جائے نماز لڑکر رکھ چکی تھی۔ اب یہ دونوں اس سڑک پر چل رہی تھیں جہاں پینڈو نشی کی بسوں کا اسٹاپ تھا۔

”آیت میں نماز نہیں پڑھتی تمہیں نماز پڑھنے دیکھ کر مجھے اچھا لگا ہے بلکہ میرے لیے دعا کرتا میں نمازی بن جاؤں۔“ فلی تمہارے لیے ضرور دعا کروں گی لیکن تم خود بھی اللہ پاک سے اپنے لیے

ہدایت مانگا کر دے بات میری اماں مجھے کہتی ہیں بندے کو اپنے لیے خود رب سے ہدایت مانگنا چاہیے بندے کا صرف اپنے خدا کے سامنے کا رجحان ہے جس کر تار بڑا دلچسپ لگا ہوتا ہے اپنے بندے کا ایسا انداز اگر ہمارا جگہ نیت ہمارے دل میں چلی ہوگی تو وہ کیوں نہیں ہماری محنت کو صرف قہریت کھٹے کا۔“  
 ”آیت تم باتیں میں بہت اچھی کرتی ہو۔“ فلی خاصہ سنا کر دکھائی دے رہی تھی۔

”فلی تم بھی اچھا بولتی ہو۔“ آیت نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ وہ دونوں اپنے پوائنٹ کی ٹیس میں سوار ہو گئیں۔ وہاں جاکسک منٹ میں ٹھٹھے والی تھی توہڑی پر بعد آیت کا اسٹاپ آ گیا تھا وہ لی کو خدا حافظ کہتی ارنگی۔ نسائے آیت کو بیچ کر دیا گیا تھا میں توہڑا لیت ہو جاؤں گی تم چلی جانا میری کرپٹیں میں کرنا اور خیال رکھنا اماں نے جین سیٹ کر لیا تھا گھر کو اچھی طرح صاف کیا تھا بیڈروم میں نیا بیڈر بچھا ہوا تھا۔ بیڈروم میں کوئی سامان نہیں تھا صرف پہلے کے دو بیڑے کے علاوہ۔ وہ بیڑے اس پر رات کو آرام سے سوئی تھیں۔ ایک طویل وارڈ بھی فریٹ پر دو پورٹیر گلاس بندہ جو لاؤنچ میں فلی کی لاؤنچ میں بھی ایسی ہی بندہ کی جواہر دست کے باہر کے کور بیڈروم سائینڈ پر بھی کور بیڈروم کی چھوٹی کونج میں کونج آرنج میں تھی تھتے تنگ کور بیڈروم تھا جو سلاہ پر مشتمل تھی لاؤنچ میں کھڑے ہو کر الزبجہ روڈ کا منظر با آسانی دیکھا جاسکتا تھا۔ سامنے کی لوکیشن بہتر تھی روڈ کے اس پار دو کمرشل بلڈنگز تھیں درمیان میں راکھروں کے لیے اسٹاپس پارک تھا۔ یہاں پچیس لوگ جس میں گھوم پھرنا بیڈر کرپٹیں ہو سکتے تھے آیت تمہارے ساتھ نہا نہیں آئی۔ اماں اچھی اس کی ایک اور کلاس بھی اس نے مجھے بھیج کر دیا تھا توہڑی دریک وہ بھی آجائے گی۔“

ٹھیک ہے۔ دیئے آیت یہ تم نے بہت اچھا کیا پینڈو نشی کے نزدیک اپا رمنٹ لیا اور نہ رانم ہو جانی آئے جانے میں۔ فلی خان اداس نہیں تھیں آیت پر ظاہر نہیں ہونے دے رہی تھی۔ آیت میں نے چکن بنایا ہے تم فریش ہو کر آؤ میں چھلکا ہوں۔“  
 اماں پہلے میں مسکری نماز پڑھ لوں تھا جو جائے گی۔

”اماں آپ نے یہاں پر اذان کی آواز سن لی؟“ آیت خوش دکھائی دے رہی تھی اس کی آنکھوں کے نیلے رنگ میں بڑے گھر سے بھٹے تھے۔ ہاں اذان کی آواز سنائی آئی ہے۔ میں نے بالکلنی کی طرف کھٹنے والا دروازہ توہڑا رکھا تھا۔ تاکہ اذان با آسانی سنی جاسکے فلی خان بھی خوش تھیں روز گھر نہ تھیں اسکر اذان کی آواز نہ پڑا تو کیا۔  
 اماں انشاء جلد ہی ہماری روشیں سیٹ ہو جائے گی شروع شروع میں تو کمن ہے پر اب ہم آ بیڈروم آج آیت کو الگ باپ کا گھر رہا تھا۔ فلی خان اپنی دو بیڈروم پینٹنگ ساتھ لائیں تھیں لی کیون یہ اللہ پاک کی صفت ہے اور اپنی اللہ اور سنا کھنڈن جو ڈھل فریم میں بنی ہوئی تھیں لی کیون کو اماں نے بیڈروم میں بلڈرنگ لگایا تھا دوسری قبلہ رو لاؤنچ میں لگائی تھی۔ بیڈروم میں بیچنے ہی وہ دھڑل ہوا اسے بہت اچھا محسوس ہوا۔ اس کا وضو تھا کہ میں عصر کی نماز ادا کی۔ آیت اب بیڈروم سے دہتی تھی اس نے نہیں پڑھا تھا قیامت کے دن اپنے فکری وجہ سے نمازی پچانے جائیں گے ان کا پورا سراپا وضو وجہ سے چکر رہا ہوگا آیت یہ خودی میں مسکراتی قیامت کے روز میں با وضو حالت میں اپنے رب کریم کے سامنے نہیں ہونا چاہتی ہوں تاکہ میرے رسول میرے با وضو چرے کو پچان کر فرما لیں یہ میری اتھی ہے تب میری گھر کی بات تم

ہو جائے ایسا اس لیے ہوگا کہ میرے محمد مصطفیٰ کی ایک نگاہ مجھے کبھی طمانیت کے مرغزاروں کی سبز پوش ڈھانچوں میں لے جائے گی۔ نماز کے بعد ابھی دو دھاما گھر رہی تھی کرے سنی کی آواز سنائی دی۔ فلی خان کے دروازہ کھولے پر وہ انہیں سلام کر رہی تھی اور فلی خان اسے دعا میں دے رہی تھیں۔ ہم آپ رہے دینی میں چھلکے بنائی ہوں۔“ کوئی بات نہیں نا۔“ ہم بھری ملائم مکان کھلی ہوئی تھی فلی خان کے کتاؤ ہونٹوں کے بیچ۔ نسائے نے محسوس کیا یہ ہم کی خان کو کہہ کر اس کے دن بھر کی تھکان اتر گئی۔ جب وہ بیڈروم میں آئی آیت جائے نماز تہہ کر رکھ رہی تھی۔ مل کے سفید دھپے کو دیکھتے تھے اسے اس کا چہرہ پر نقش معلوم ہو رہا تھا جو

”وہیک السلام کبسا رہا فرسٹ ڈے؟“ آیت نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ دو پند تہہ کے دیکھتے ہوئے دوسرا دو پند اٹھا کر گئے میں ڈال لیا۔ اچھا رہا پر کلاں میں تعارف ہی چلتا رہا آیت مسکراتی تھے سناؤ تمہارا فرسٹ ڈے کیا ہوا؟ نا ملکہ نے آیت کو دیکھا تمہارے والا معاملہ میرے ساتھ بھی چلتا آیا لیکن اسٹڈی کی بات دیکھیں بھی ہوئی۔ شوش پوڈلک آیت۔ نسائے کے گلے کے گلی۔ ”وہیک نسائے چلو آ جاؤ کھانا کھا رہے ہیں۔ آج اتنے دنوں بعد گھر کا پاکستانی کھانا لے گا، میری پاکستانی ماں کے ہاتھوں کا بنا ہوا۔“ نسائے کی بات پر فکڑلا ہوتے ہوئے مسکرائی۔ ان تینوں نے اپنے ماحول میں رخت سے کھانا کھایا تھا۔ کھانے کے دوران اسلام پور پینڈو نشی کی پریل آپ سے ملے پانچا جاتی ہیں اتفاق سے وہاں کی پریل پاکستانی ہیں، تقریباً

پچاس سال پہلے ان کے والد ابو بکر شاہ انگلینڈ میں آ کر بس گئے تھے وہ یہاں پر اسٹونٹن ویز سے برآئے تھے، یہاں آ کر انہوں نے پلی ایچ ای کی ڈگری حاصل کی اور پھر لندن آکسفورڈ یونیورسٹی علم معاشیات کے شعبہ سے وابستہ ہو گئے، بعد میں انہوں نے اپنی شادی کو بھی یہاں بولوالیا تھا۔ آیت عظمیٰ خان کوڈ شیل ٹی ماٹری کی جو صوفی الاسد نے اسے بہم پہنچایا تھی یہاں سے چند سوئٹزر دور پر ہے ان کی رہائش اور اسلامک یونیورسٹی جس کی وہ اؤڈر ہیں۔ اذان کی آواز جو یہاں پہنچتی ہے اگر دارالسلام یونیورسٹی کی مسجد سے آتی ہے وہاں رہنے والے چند مقامی باشندوں نے بہت مخالفت کی کہ مانیک پر اذان ندری جائے، تعصب بہت پایا جاتا ہے یہاں کے مقامی لوگوں میں۔ بلکہ پوری دنیا میں۔ پہلے خضریٰ شاہ کی بہت بارے دلی تھی ہیں انہوں نے برطانوی حکومت کو ریگسٹرس ارسال کی۔ مانیک پر اذان کی وجہ بیان کی یہاں کے لوگ امت مسلمہ کے لیے دلی میں تمنا کش پیدا کریں، اپنے ملک میں جگہ دی، اپنے دل میں بھی تھوڑی سی جگہ دیں، ان کی درخواست کے متن کی وجہ سے اجازت نہ ملی تھی اماں ایچے بر لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ ”آیت تم نمین کبرہ دے ہو۔“ اماں ایک بات پوچھوں؟“ فاضل نمین سمیٹ کر کہیں میں جا چکی تھی ”ہاں پوچھو جی“ حالات تھی ان کے لیے میں کہیں کی خان کوڈ نے نہ جانے کس خیر سے تعلق کیا تھا ہی سے بڑی بات پر غور و فکر اذان کی سرشت میں شامل تھا۔ یہ سب کمال اللہ کی کتاب قرآن کے تھے جو ان کے سینے پر غور و فکر اذان کی سرشت میں شامل تھا۔ یہ سب کمال اللہ کی کتاب قرآن کے تھے جو ان کے سینے میں ان کی روح میں اتر ا تھا۔ اچھے بیٹھے ہر جگہ خداوند قدس کا شکر بولائی تھیں۔ شگہ سے شکایتیں تو انہوں نے بھی اللہ سے کی ہیں۔ وہ آخر اللہ کے بندے میں اتنی جرات کوئی بھی نہیں وہ اللہ سے شگہ

کرے شگہ کے لیے توند تیار رہتا ہے لیکن اس باک پر دروگاری کے لیے انتہا نعتوں کا بھی اس طرح شکر ادا کیا ہے اور کرتا جائے؟ ہم تو پہلے ہی خداوند کریم کے مقررہ ہیں اس سے شگہ کس طرح کر دہ نعتوں کا شکر ادا کرتا جائے۔ عظمیٰ خان ہمیشہ دل میں اللہ پاک سے عرض کرتیں رب کا شکات پہلے تو میں اس بات پر تیار ہوا کرتی ہوں جو نہ تھے صحت مند رہی عظمیٰ خان اگر صحت ہے تو زندگی کے تمام امور احسن طریقے سے انجام پاتے ہیں۔ خدا سے مل کر تو نے مجھے اس قابل بنایا کہ آج میں کسی کی محتاج نہیں ہوں تیرا عنایت کردہ علم میں اس کی سے تیرے بندوں تک پہنچا رہی ہوں اس میں دانستہ یا نادانستہ ہوئی غلطیاں، عاف فرما اور اس کو اپنے دربار میں میری طرف سے بہترین تحفہ بنا کر قبول فرماتا۔ سورۃ ابراہیم آیت نمبر ۱ میں اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتے ہیں اپنے حبیب سے قرآن پاک ایک پر نور کتاب ہے اسے ہم نے آپ پر اس لیے نازل کیا کہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔

چاہئیں جو تنگی کی طرف بلائیں اور اچھے کام کرو گے انہیں اور برے کاموں سے روکیں اور یہی لوگ مراد کو پہنچیں گے۔“ آیت نمبر ۱۷ پر حق تعالیٰ عظمیٰ خان نے بار بار کہا جب آیت پر ان کے کہنے کا اثر نہ ہوا تو ایک وقت ایسا آیا عظمیٰ خان نے جب سادھ لی ہاں آیت کو نماز کی عادت پڑ جانے کی دعا ضرور کرتیں۔ سو تیس پڑھ کر اس پر پوچھیں۔ اکثر فکر مند بھی ہو جائیں جب آیت اچھے مٹو میں ہوئی تو وہ اس سے کہیں بیٹا ہے اللہ سے ہدایت مانگا کرو جیسا کہ آیت نمبر ۱۷ میں اللہ تعالیٰ کا نماز کی ہدایت یہ مانگو اللہ تمہیں اللہ سے ہدایت مانگا کرو اللہ سے اور ہر ایک دن جب آیت اور میں خان اسکا رشب کے لیے منتخب ہوئی تب اسے اپنے اللہ پر بہت پیار آیا وہ اپنے پیار کرنے والے سے اس رنگ اس جذب اس وارفتگی سے جتنی بیکراری احمول کی کیفیت سے وہ چار دھند کے عالم میں وہ زانو فرش پر بیٹھی کبھی کبھی میرے پید کرنے والے تو نے مجھے نماز کا حکم دیا میں نے نال دیا تو نے مجھے قرآن پاک پڑھنے کا حکم دیا میں نے لا پر دہائی کرتے ہوئے کسی ایسی نہی کر دی تو نے مجھے دوڑے کا حکم دیا میں نے تیرا حکم نہ مانا تو پھر مجھے نوازنا چاہا کیا عطا کرنا ہا تیرے اس کرم کے جواب میں میں نے کیا کیا کر ا میں پڑی رہی تیرے حکم کی پروا نہ تھی تو پھر مجھے دیکھا میں پادروں کی فہرست میں تھے شاد رکھے گا میں، میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی مجھے اسکا رشب کے لیے غیر مسلم ملک میں اللہ پاک میری آرزو میں پوری کر دے گا میں نے تو مجھے کسی یاد کی نہیں کیا تھا پھر میری رب کی حق تو اسے امانگا رہی بندگی کی خوشی کو مقدم جانا میں نواز دی تھی میں نے جو چاہا پایا۔ اس پوری رات وہ سونہ لپٹی گاں جاگ کر اپنے رب سے بائیں کرتی رہی اسے منائی رہی خدمت کے آنسوؤں سے خیر گلیا کرتی رہی اس گھر مہیب

رات میں لوگ ساتوں کے تھامے کس پہر میں آنا فانا آیت خان کے اللہ نے اسے توبہ کی قبولیت کے محصل سے پاک کر دیا اس کی اندر کی جس کا آواز دی اس کا بیچارہ دل ہکا ہو گیا۔ موزن نے جگر کی اذان دی وہ پکار پکار کر اللہ کا بیچارہ تھا نماز کی طرف آؤ تلاوح کی جانب بروہو بھلائی کے راستے پر چلو نمازینہ سے بہتر ہے۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرتی تھی دریک وہ شاد رہے کچھ کڑی رسی آسو اور پانی ایک ساتھ اسے غسل دے رہے تھے اس کے زہم دوم بہت کائی کی مانند لپٹی نجاست اترتی چلی گئی وہ خود کو بہت اچھا محسوس کر رہی تھی۔ اب وہ جانے نماز بجائے اسے اس بات پر شکرانہ کے نوافل ادا کیے کہ اللہ پاک نے اسے سیدھا راستے پر چلنے کی سوجھ بھلائی اس کے دل کو بدل کر اپنی حب میں لگا کر پادروں کو جسے ہدایت دے کس ہم ہدایت پانے والوں میں شاد کر لیے جائیں اس کا دل گواہی دے رہا تھا اللہ پاک نے اسے اپنے اطاعت گزار بندوں میں شمار کر لیا ہے اور دیکھ تو نال پر حق رہی پھر اس نے فجر کی نماز ادا کی اس کے دل کو گوری طہا نیت وقت کی گئی تھی۔ وہ اللہ سے اپنے لیے ہدایت مانگ رہی وہ خداوند کریم کی اچھی بندگی بننے کی کوشش کرنے لگی اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی طرف رجوع کرتا ہے کیونکہ وہ جان سے ہم ہے۔

”آیت کیا سوچ رہی ہو بیٹا؟“ اسے کب سے خدایاں میں گھر کر کے نظر کی خان گویا ہوئیں۔

”بھگت جی اماں“

”تم آج مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتی تھیں؟“

”اماں آپ یہاں آ کر خوش تو ہیں؟“

”آیت تم یہاں پر خوش ہو؟“ عظمیٰ خان نے سوال پر ہواں لپٹا ہوا۔

”میں تیرا بیرونہ خوب پورا ہونے جا رہا ہے۔“

”بیٹا تم خوش ہو تو میں یہاں آ کر اس لیے خوش ہوں کہ میری جہنمی جہنمی میں اس کے پاس رہوں پھر میں بھی تمہارے پاس نہ آئی۔“

”اے میں سوچ رہی تھی میں نے مذکر کے آپ کو راضی کیا ہے یہاں آنے پر شاید میں خود غرض بن گئی تھی۔“ آیت کی اس بات پر پہلی خان دونوں بعد کھٹکھٹا کر لٹی تھیں۔ بیٹا ہم دونوں کی برابر یکساں خود غرض کا ثبوت تو میں نے بھی دیا تمہاری محبت میں بھلا میں اپنی آیت کے بغیر ہزاروں میل دور رہ سکتی تھی پھر اسے آپ کو مطمئن کر دیتے ہوئے سچ کا لباس میں نے بھی تو اپنے تن پر سجایا یاں میرے رب نے ایسا کیا تو آج سچ تمہارے پاس ہوں۔ بیٹا ہر قدم اللہ کی رضا سمجھتے ہوئے نیک نیتی سے اٹھنا چاہیے مالک پر مجروح نہ کرتے ہوئے ثابت قدم کی اللہ ان لوگوں کو عطا کرتا ہے جو اس کے عہد پر پورے اتریں آیت سوچ رہی تھی میرے اللہ میں تیرا شکر ادا کرتی ہوں تو نے مجھے ایسی ماں عطا فرمائی۔ تو نے مجھے کتنا نوازا میرے تمام کام میں عطا فرمایا۔ ہر مشکل سے یوں نکالا کہ جہاں روٹی تیرا شکر یوں ادا نہ کیا جیسا کرتا ہے تھا میں تیرا شکر یوں جنونی کیفیت میں دیا دیا ہوتے ہوئے ادا کرتی کہ میری شکر گدھ پڑ پڑا جی چلی جاتی۔ دین کی ہدایت اگرچہ اللہ کی طرف سے ہوئی ہے بندہ اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش تو کرے وہ نامساعد اعمال جو شرم میں ہاتھوں میں پکڑا کر کھڑے ہوتا چاہے اس میں پاس ہونے کے لیے اس کو حکم تو ان میں۔

اسنے میں نہا نہیں کپ چائے بنالائی تھی۔  
”اماں انشاء اللہ آپ بھی جلد ہی عہد ہو جائیں گی۔ ہم لوگ اتوار کو حضرت شاہ گھر جائیں گے وہ فیس بک پر ہیں ان کی اپنی جہتی دیکھ سائیڈ ہے میں آج رات ان سے رابطہ کروں گی تقریباً ایک

ہزار کے قریب اسٹوڈنٹ ان کے ادارے سے منسلک ہیں جن میں بیشتر تعلیم مکمل کرنے کے بعد تالیف کی طرف آ جاتے ہیں۔ ریڈیگل اور سونیو لاسد می وہاں پڑھ رہی ہیں۔ ساتھ پڑھا بھی رہی ہیں وہ وہاں ہو سٹل میں رہتی ہیں ہو سٹل کا چار ہزار لاگوئیں ہیں شاہی خاندان سے، افراد اسلام کے لیے مستقل اکانٹ بھیجی جاتی ہے۔ اور سعودی عرب کی دواہن جی اوز کھانا فراہم کر رہی ہیں۔ وہاں اسٹوڈنٹس فیس میں معقول ہے جو تھیں کی بکری اور اپنی اسور ورج ہوئی ہے۔ آیت نے پہلی خان کو کافی ڈنٹیل پہنچادی تھیں مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ اس سمریز پارک میں آگئی تھیں جہاں سوئی چھوڑوں کی بھاری دھڑکیں میں تمام ملاؤں کے بچے یہاں آکر کھیلنے تھے اس وقت بچے مختلف سیمبر کھیل رہے تھے جن میں ان کے بیڑ بھی شریک تھے مقامی لوگ زیادہ سے چند مختلف شیڈ سے جاب کے سلسلے میں آتے ہوئے افراد بھی تھے انہیں اس ٹریک کا ایک چکر کا لیتے ہیں“ پہلی خان نہایت اسلٹ اسلٹ خاتون تھیں اس لیے انہیں واک کرنے میں کوئی پرالم نہیں تھی کہ تمہارا چلتی تو سانس پھول جاتی۔ وہ پہنچ پڑتے ہوئے واک کر رہی تھیں۔ ایک چکر کا گئے کے بعد وہ پارک کی ابتدائی چوڑی پیڑھیوں پر آکر بیٹھ گئیں آیت اور اس نے دوسرا چکر شروع کر دیا تھا پھر بالکل بھی تھے۔ ہوائے گرل فرینڈ میں بین ایج لڑکے کرکٹ کھیل رہے تھے پہلی خان سے کچھ فاصلے پر بیٹھے دوپٹی لڑکے وہاں بیٹھے تھے کھانے دے ساتھ ہی ساتھ نہ سمجھ میں آئے دلی زبان میں کچھ گا بھی رہے تھے سامنے ہاسٹ ہال چلنے میں اجڑا آپس میں شاید لڑنے سے تھکے وہ ایک دوسرے پر مبالغہاتی کی بھرمار کر رہے تھے۔ پہلی خان کو ان کا لڑکا پڑا تھا انہیں لگا تھا وہ بڑبڑکیوں کے درمیک پہلے کنارے پر جا بیٹھیں

جہاں ان کی آواز میں ان تک نہیں پہنچی رہی تھیں۔ دوسرا چکر مکمل کرنے کے بعد آیت اور اس کی ان کے قریب آکر بیٹھ گئیں“ اچھا گلہ رہا ہے مکمل لغت میں یوں بیٹھنا“ انا آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی“ ہاں طبیعت فریش ہوگئی ہے کیوں ایاں؟“ آیت نے مسکرا کر انہیں دیکھا وہ پہنچ پڑھ رہی تھیں اس لیے سرکوات میں جھنڈی۔ نہا آیت سے کہہ رہی تھی میں پاکستان میں رہتے ہوئے نماز کی پابندی نہیں کرتی تھی لیکن یہاں آکر خود خود خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونے کو دل چاہتا ہے شاید اس لیے کہ دل گواہی دیتا ہے یہاں پر ہر ادب میری حفاظت کا ذمہ اٹھائے ہے۔ اور میں ٹھکانے کے طور پر اس کی جانب بڑھتی چلی جاؤں میں پر دس میں فیروز کے ملک میں ہوں میں فیروادی طور پر سوچتی ہوں اللہ میرا محافظ ہے آیت خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ پہلی خان نے تسبیح مکمل کر لی تھی۔ ”بیٹا اللہ ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جن کے بارے میں وہ فیہ کاظم رکھتا ہے کہ فلاں فلاں لوگ میری ہدایت پائے والوں میں شمار ہیں قرآن پاک میں ارشاد ہے ہم جس کو چاہیں ہدایت دے سکتے ہیں کو نہ چاہیں وہ بھی ہدایت نہیں پائیں گے۔“ آیت نے اسے لوگ معنوں میں سے ہدایت دے کر ذمہ شانہ لے لیں سہو حارہ نہ دکھایا اب اس پر قائم رہنا ہمارا کام ہے نماز کی برکت میں ہم سہو حارہ قائم ہاتھ ہیں۔ ”انشاء اللہ ہم“ اس وقت تک نہا ملک خاموشی مطمئن دکھائی دے رہی تھی ”میرے والدین بھی میرے لیے بہت دعا میں کرتے ہیں۔“ نہا والدین ہمیشہ اپنی اولاد کے لیے دعا کرتے ہیں ہزاروں میل دور سے تمہارے چوڑی کی دعا میں کہیں اپنے حصار میں لیے ہوئے ہیں جب تک ان کی دعا میں تمہارے ساتھ ہیں اللہ کے حکم سے جہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔

”لیس بیس میرے فادر کا آج صبح آکا تھا کہہ رہے تھے کہ کرم کا انتظام کر کے چندوں میں میرے کاؤنٹ میں فرانسر گراہی کے میں سوچ رہی ہوں کوئی جاب بھی دھونڈ لوں توں بچے آخری کلاس ختم ہو جاتی ہے چارے نو بچے تک کوئی پارٹ ٹائم جاب کراؤں۔“ نہا تم ہمارے ساتھ رہ رہی ہو ان توں بچے ٹھیک ہے اللہ کا ہم ماں بنی کو کھانا دے رہا ہے توں تمہارے لئے گا بھی وہ خود بخود دے گا ہر بندہ اپنی قسمت کا رزق کھاتا ہے۔“ آیت اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیے آیت آہستہ و باریکی اور اسے سمجھا بھی رہی تھی۔ ”ٹھیکس آیت لیکن میں اپنے لیے کوئی دھوکہ نہ چاہتی ہوں تاکہ میرے بیڑ میں پرگی بڑن نہ پڑے اور میرے لیے بھی آسانیاں اللہ پیدا کر دے۔“ ٹھیک ہے نہا اگر تم اپنے لیے کچھ کرنا چاہتی ہو تو وہاں بات دے دوں میں تم سے ٹھیکس کوئی پرالم نہیں ہے۔“ لیس بیس دونوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ نہا اللہ کا جو رزق لگھ دیتا ہے وہ ہر صورت کی رتہا ہے کہ حق کی خان اٹھتے ہوئے ہوئیں“ بیس آپ درست کہہ رہی ہیں۔“ وہ دونوں بھی کھڑی ہوئی تھیں وہ تینوں واہسی کی بیڑھاں چڑھ رہی تھیں لڑکھوڑا چکا خود ہوشیوں سے جگمگا رہا تھا اب وہ قدر سے تنگ ایک سرگرمی سرگرمی پر چل رہی تھیں خود بخود چلنے کے بعد انہیں میں روڈ دکھائی دینے لگی تھی چند قدم چلنے کے بعد وہ اپنی بلڈنگ کی سرگرمی کی جانب مڑ گئیں ہفتہ میں پانچ روز ان کی کلاسز ہوئیں تھیں۔ کلی اور آیت خان کے بیہکے ایک ہی تھے۔ دونوں انکس میں ایم فل کر رہی تھیں۔ ہمیشہ وہ دونوں فرسٹ دو پر اپنی مخصوص نشستوں پر پہنچتی تھیں۔ زیادہ تر لڑکے لڑکیاں پیچھے بیٹھنا پسند کرتے تھے پیچھے بیٹھنے کے کافی فوائد تھے پھر سونیو مال اشارے ہاں زبیاں ریگاس

کے جانے کی عاقبت پیغام رسائی - سرگوشیوں میں  
 جنہیں لڑانا سر کے پتھر کو مکمل انکور کر دیا۔ چند  
 اسٹونڈن میں یہ خاصیت کثرت سے پائی جاتی تھی  
 جرمنی تھے پڑھائی میں بنجید کی تعداد خاصی کم  
 دوسرے شہروں یا ممالک سے آئے اسٹونڈن کلاس  
 میں اپنا داروغ حاضر کئے تھے انکی منتہوں پر وہی طالب  
 بنیتھے تھے جو اسکارشپ پر آئے تھے یقیناً ان کا نام  
 آئی کیو لیول بہت شارب تھا اور وہ بنجید سے اعلیٰ  
 تعلیم کے حصول کے لیے۔ سر کے سوالات کے  
 جوابات بھی زیادہ تر یہی سن دیتے تھے اور سوال بھی  
 بہت کرتے تھے ایسے تھے تو ہلال اسٹونڈن کو پڑھانے  
 میں بھی اساتذہ کو مزہ آتا تھا پہلے دیکھ میں ہی چند  
 اسٹونڈن پر فیضیر سے فیوٹن بن چکے تھے ان میں  
 لٹی عدم اور آیت خان بھی تھیں۔ اس دیکھ اینڈ فٹنی  
 خان نہ اساتذہ آیت جن کی ضرورت کا کچھ سامان اور  
 خرید لائیں تھیں نہ مالک سے عطیہ کو بڑھ دیا جاوے  
 لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ نہ تیسرا ایسا دینا چکو نہ  
 سو چڑھاری یا زیادہ لٹی تھی ہے؟ کھانا ہی کھاتی ہو  
 تان ہمارے ساتھ۔  
 ”مہم اچھا نہیں لگتا ابو نے ذرافت میرے  
 اکاؤنٹ میں کجواو ہے۔  
 ”ناوہ اکاؤنٹ سنبھال کر رکھو تمہارے کام  
 آئے گی“ اوسن خان نے بھی دو بار بھاری اکاؤنٹ  
 آیت کے اکاؤنٹ میں جمع کر لائی تھی۔ عطیہ خان کی  
 بھی جگہ جاب جاتی تھی اگر آیت کو کبھی کوئی مستقل  
 جاب مل جاتی تو وہ ضرور کرے گا آیت سے کہہ  
 دیں گی۔ ”میری کوشش ہے مجھے کوئی بھی جاب مل  
 جائے۔“  
 ”دیگھو نہا ہم یہاں کے معاشرے کو زیادہ نہیں  
 جانتے تم سوچ بیچھ کر جاب کرنا۔“  
 ”ہاں کچھ بھال کر ہی کر دیں گی۔ بختہ کو آیت

نے رقیہ کیل کو منبج کیا تھا آج دو پہر تک میں اور اہل  
 اقرا آ رہے ہیں۔“  
 ”اچھی بات ہے میں میڈم خضرئی شاہ کو انعام  
 کر دیتی ہوں۔“ رقیہ کیل کا جوابی مسج آ یا تھا۔ نہا کو  
 بھی آیت نے ساتھ چلے گئے تھیں نہا کو اساتذہ  
 تھا۔ تائیت کرنے کے بعد نہا نے پورے اہل اہلسنت  
 کی صفائی کی تھی کچھ ہزاروں گنے کے بعد وہ کچھ گنیز سے  
 دونوں تائین صاف کیے اسے فولڈ کر کے رکھنے کے  
 بعد ڈسٹنگ کی۔ وہ اشنگ مشین میں ڈالے گئے  
 کچھ سے دھل چکے تھے انہیں ڈانر میں ڈالا اور واش  
 روٹ میں کیا۔  
 آیت اور عطیہ خان نے منع بھی کیا تھا نہا تم  
 صرف اپنے پکڑے ہوئے دھول ہمارے دے دو وہ خود ہم  
 دھوئیں گے لیکن نہا نے مسکرا کر انہیں مطمئن کر دیے  
 کی کوشش کی پھر دھوئی جانے سے پہلے آیت اور نہا  
 چڑیں سیٹ کر ڈسٹنگ کر دیتی تھیں۔ عطیہ خان ان  
 کے آنے سے پہلے کھانا بنا چکی تھیں۔ رات کو  
 چائیاں سہا بنائی تھیں۔  
 آیت اور عطیہ خان ظہر کے قائم اقرا اور اسلام  
 پہنچ گئیں۔ اس وقت اچھا تمناز ادائی جاری تھی  
 مسجد میں اور خواتین کی مدرسہ نما ہاں میں جہاں  
 قرآن پاک پڑھا جاتا تھا بیان ہوتا تھا اسلامی  
 تعلیمات دی جاتی تھیں آیت اور عطیہ خان بھی چھٹی  
 قطار میں کھڑی ہو گئیں۔ آج وہ ایک اینڈ کی وجہ سے  
 صفائی خانہ عطاؤں کی کالی خواتین لڑکیاں اور نو عمر  
 بچیاں آئی ہوئی تھیں نماز پڑھنے کے بعد ہاتھ کی دھا  
 ہوئی۔ سب نے اللہ پاک کے حضور گڑگڑا کر اپنے  
 اپنے گھماں کی معافی مانگی۔ رب العزت کے  
 سامنے اپنی عرفیاں پیش کیں۔ دعا کے بعد خضرئی  
 الشاہ نے سورۃ آل عمران کی چند آیات پڑھیں پھر  
 تفصیل کے ساتھ دو منٹ اس پر پکچر دیا وہ بہت

تھیں انگریزی میں بول رہی تھیں تاکہ تمام خواتین  
 ان کی بات اچھے طریقے سے سمجھ پا سکیں اسی لیے میں  
 زیادہ تر تھے ہی مسلمان اب خواتین کھڑے کر جانے  
 لگیں۔ رقیہ نے عطیہ خان اور آیت کو بیٹھے کا اشارہ  
 کیا۔ مدرسہ خالی ہو چکا تھا بوسٹل میں رہا بٹل پڑے  
 لڑکیاں بھی جا چکی تھیں صوفیہ اور قریشی میں موجود تھیں  
 ”میں یہی عطیہ خان اور ان کی بیٹی آیت خان جن  
 کا میں نے آپ سے ذکر کیا تھا پاکستان میں میاؤوالی  
 شہر کی رہنے والی ہیں۔“  
 ”مرحبا“ خضرئی شاہ خوش اندام انداز  
 سے انہیں اور اپنے بازوؤں کو بہت کھانک کرے پچھلا کر  
 جس کے حصار میں وہ دونوں خواتین با آسانی آ سکیں  
 اب خضرئی شاہ نے سید عطیہ خان کو پھر آیت کے  
 ماتھے کا بوسہ لیا۔ اب وہ عطیہ خان کو کندھوں سے  
 تھامے مسکرا کر دیکھ رہی تھیں ”اپنے دھن کی کھنکی  
 خوشبو دہی ہے عطیہ خان آپ سے۔“  
 ”میں آپ کا نام بے لکٹی ہوں۔“  
 ”شورا“ عطیہ خان ہونٹوں پر کھڑا مسکان  
 ابھری ”ہاں تو عطیہ خان مجھے بخیر دوستی ہو گئی اگر آپ  
 ہمیں جو ان کر رہی ہیں تو۔“ خضرئی شاہ نے باقی  
 نظروں سے عطیہ خان کی جانب دیکھا۔ ”مجھے بھی  
 خوش ہو گئی آپ کا اور ہواں کر کے۔“  
 ”عطیہ خان میں آپ کو پکیر کر رہی ہوں۔“  
 ”تھیک ہے یہ میرے ڈاکٹرس ہیں۔“ عطیہ  
 خان نے ایک صفا نال ان کی جانب پڑھائی ”تھیک  
 ہے میں دیکھ لوں گی آپ کی دی دہی نے پڑی  
 ہے۔ آیت نے رقیہ کیل کو ای میل کی تھی عطیہ خان  
 آپ ہمارے ادارے کو جو ان کر رہی گی یہ ہمارے  
 لیے فخر کی بات ہے۔ اس ادارے کو چلانے میں  
 سعیدی شاہی ولی عہد کا بہت مل وصل ہے اور بھی  
 لوگ میپ کر رہے ہیں آپ کی میلری نہایت نسل

بخش ہوگی پک اینڈ ڈراپ کے لیے کسی میسج میں  
 انعام ہے۔ وہ جب تک کام چلتی ہیں کینیٹن میں کچ  
 چائے کا کولڈ ڈرنک سب ملتا ہے جس کے چار جڑ  
 پنجرے کے لیے ہمارے نام ہیں۔ آپ کے کینیٹن کا  
 کارڈ وغیرہ بخوانے کی فارملٹن ہم خود ارنج کر دیں  
 گے۔“ خضرئی شاہ نے ایک پیپر کی خان کی جانب  
 بڑھایا اس میں کھانا ٹھنک اور باقی امور ڈیکل  
 سے درج ہیں۔ ”وہ پکڑ گیا ہو میں“ جیسے دنیاوی تعلیم  
 کے کھاب کے دورے تھیں ہیں اسی طرح ہم نے  
 بھی اپنی کامیابی کی ڈگریوں کے نام پکچر رکھے ہوئے  
 ہیں اساتذہ میں پہلا سنی لالہ (اللہ اللہ کے سوا  
 کوئی معبود نہیں) پڑھایا جاتا ہے جب تک یہ  
 احسان ہر کھینے والے کے دل اور روح کے ایک  
 ایک کسی میں سرایت نہیں کر جاتا جب روح دول خود  
 کو چاک کر کے کھتے ہیں ہاں میں گواہی دیتا ہوں  
 اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ وہ جدہ لا شریک ہے  
 وہ اکلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے دل تڑپ  
 تڑپ کر کہتا ہے ہاں میں گواہی دیتا ہوں ملک ہم  
 اللہ ہی سے جو قیامت کے دن کا مالک ہے میں  
 گواہی دیتا ہوں، گواہی دیتا ہوں ہم کا ایک ایک  
 رواں کہتا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود کے لائق نہیں  
 ہے۔ میں اس کا بندہ نہایت دین داری سے اس کا  
 بن چکا ہوں اور خوش اس کا بنا چکا ہوں اہلنا اللہ میں  
 اس کے حکم سے اس کے فعل سے ساقیہ گناہوں کی  
 جانب نہیں ٹوٹوں گا۔ تب کہو اس کے علم حاصل  
 کرنے کا آغاز ہو چکا۔ یہ پہلی پیڑھی ہے۔ رب  
 العزت سے محبت کی اس کے بعد آیت۔ آیت۔ آیت۔ خضرئی  
 نے بڑے چڑھتے جاتے ہیں۔ بولتے بولتے خضرئی  
 شاہ یکبارگی خاموش ہو گئیں۔  
 ”میرے لیے دعا کریں خدا مجھے ثابت قدم  
 رکھتے ہوئے اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔“



عقلی خان کی فکر گہرے لکچر کنٹرول ہاتھ بٹے ہوئے گویا ہونیک۔ سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے عقلی خان کے لیے بھی دعا کی گئی۔ حضرت شاہ نے باری باری آیت اور عقلی خان کی طرف دیکھا آپ کو یہاں آ کر یقیناً طمانیت محسوس ہوئی ہوگی۔

”جی ہاں بہت اچھا لگا ہے یہاں آ کر“ اچانک اطراف سے خاموشی چھا گئی تھی۔ توقف کے بعد حضرت شاہ کو گویا ہوئیں

”یہاں پر عقلی کی ڈگری تھ دی جاتی ہے عربی میں مکمل مہارت، عقلی تفسیر ترمذی شریف کی تمام جلدوں کو نسخ احادیث مبارکہ اور برکات دیکھنا ہر نایک پر بلا تھکان بلوانان تمام باتوں کا پورا کرنا لازم ہے، ایک سال سے تم نے یہ ڈگری لیول پر کلاسز شروع کی ہیں۔ ہمارے اسلاف میں پہلے گیارہ افراد تھے ہارویس آپ ہونیکیں، بل سوسائڈوز ہیں چالیس کے قریب فارغ التحصیل ہو چکے ہیں مکمل کورس دو سال کا ہے، عقلی خان مزید کچھ پوچھنا چاہیں تو؟“

میزم آپ نے سب کچھ آسان لفظوں میں سمجھا دیا ہے۔ مجھے سب ذہن نشین ہو چکا ہے۔ آگے میرے رب سے میری مدد کرتی ہے۔ ہاں عقلی خان آپ اور میرا کام اب نہیں رہا اس کام کو اللہ نے اب اپنے ذمے لے لیا ہے اور وہی اب ہماری مدد فرمائے گا۔ ہم وہ کریں گے جو اللہ پاک کا حکم ہوگا اور وہ اسے بے بہتر ہوگا۔

سب نے انشاء اللہ کہا۔ ہر کو ایک کا فرسٹ درکنگ ڈے ہے آپ ہر سے جوانی کر لیں ”ٹھیک ہے جوانی کر لوں گی۔“ عقلی خان آپ کا موجودہ ایڈریس ان پیجز میں درج ہے نا؟ حضرت شاہ نے ہاتھ میں پکڑی فائل کی جانب اشارہ کیا، یہاں اس میں موجود ایڈریس درج ہے۔ ”ٹھیک ہے

تھیں اور ان کا بھائی ایک سال کا تھا۔ ان کی والدہ طاہرہ شاہ حضرت شاہ کے والد ابو بکر شاہ کی چچا زاد تھیں۔ وہ عمری سے ہی صوم و صلوة کی پابند تھیں۔ طاہرہ شاہ نے بی ایڈ کر رکھا تھا۔ لندن میں رہتے ہوئے انہوں نے اپنے بچوں کی تربیت اچھی کی تھی مذہبی طریقے سے، ان کے بچے تھوڑے بڑے ہوئے تو ابو بکر شاہ کے کہنے پر طاہرہ شاہ نے حریز پرستے کا ارادہ کیا، ابو بکر شاہ انہیں نصاب کی کس پر جانے لگے، دونوں بچے اسکول گئے ہوئے تو ان کے لیے اور آسانی ہوئی۔ اور پھر طاہرہ شاہ نے انہیں بی اے کی ڈگری حاصل کر لی۔ وہ بھی بہت تیز رفتاری سے حضرت شاہ اور ان کے چھوٹے بھائی عثمان شاہ کو پڑا کر دیا۔ عثمان شاہ نے بارہٹ لاکی تعلیم حاصل کی جبکہ حضرت شاہ کا رحمان شروع سے اپنے مذہب کی جانب تھا۔ اسباب رب کریم خود پیدا کرتا چلا گیا۔ گھر سے اسلامی تعلیمات ملیں، قرآن

ایک حفظ کیا تفسیر حفظ کی۔ نبی کریم کی حیات مبارکہ کا تفصیلی مطالعہ کر لی ہیں۔ جب بندہ اللہ کا بندہ بنے گا محکم ارادہ کر لیتا ہے اسے تلاش کرنے کے عمل کی کوشش میں گھٹنا جانتا ہے تو راہیں خود بخود ہموار ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اس دوران حضرت شاہ نے سموری عرب کی لندن میں قائم ہوئی کورس سے اسلامیات میں ماسٹر کر لیا تھا اپنی دلوں لندن میں ایک عربی خانوے نے اسلامی ادارہ کھولا جس کو اقوام متحدہ کی این جی اوپورٹ کر رہی تھی، اب برطانیہ کے مختلف شہروں سے اسلامی و اعلیٰ ترین اداروں آئے آئے گئے، حضرت شاہ نے وہیں سے عقلی کی تعلیم حاصل کی تعلیم کے دوران وہ کی مشورں مشائخ فاضلوں وغیرہ سے اپنے گروپ کے ساتھ تبلیغ کے لیے نکلیں، بڑے بڑے اجتماعات میں بھی ان کے گروپ کی لڑائیاں استاد محترم کے ساتھ کورس کرتے رہیں، مختلف کنون

سے اسلامی اسکالرز ان کے بیانات سنیں اور جب سید زادی حضرت شاہ کے اندر بابر اللہ ہو کی صدا میں ابھرے لیکن سید، وہ نذر ہیں ان کی روح انہیں پیچھڑائی تمہارے جاہل اطراف تمہیں ایک دائرے کے حصار میں لیے تمہارا اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے بے شک تم اسے ندیکھ پاؤ تب انہوں نے آئے والے تو عمر بچوں کو تبلیغ کا مشروع کر دی۔ اس دوران انہوں نے کافی مشکلات اٹھائی تھیں۔ شہار مگر انشایب فزاد کو بیور کیا۔ اللہ کا بیٹا پیدا ہوا مسلمانوں تک پہنچایا۔ آبلہ بائی ان کے اندر درازیں زائل جاتی، عیال اپنے سر کا بھی طرح کر کے ہاتھ میں بیٹھ گیا اللہ کا ذکر کرتے اپنے قافلے کے ساتھ خوشی سے دو چار چلتی رہتیں۔ وہ کالہ رنگ دک کر لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچاتا تھے اللہ کے بن کا جو محرم خود بخود گھر گھر نہیں اپنا اور اپنے کو تمہارا نہیں بناتا عزرا ابکر شاہ حضرت شاہ کے چھوٹے زاد تھے ابو بکر شاہ نے انہیں اسٹوڈنٹ بنے پڑا لنگھن بلوایا تھا۔ عزرا ابکر شاہ نے انہیں تھے بچے تھے لیکن ان کے اندر شہید بھی۔ انہوں نے کراچی یونیورسٹی سے ایم آئی ٹی (کمپیوٹر) کیا تھا۔ اب وہ ایم ٹی اے کرنا چاہتے تھے شروع میں ان کا رحمان تھا۔ چنک چاہتے کرنے کا ہاں پر مراعات، بہت ترقی ہیں فگوری لائف گزارنے کے خواہش مند تھے وہ ماموں کے گھر میں رہتے تھے۔ ابو بکر شاہ نے جس قدر بن سکا انہوں نے عزرا ابکر شاہ کی مدد کی ان کی تعلیم پر چہہ خرچ کیا عزرا شاہ یہاں موجود تمام بینک کی ویب سائٹ چنک کرتے رہتے تھے۔ ایم ٹی اے کے بعد انہیں جلد ایک معروف بینک میں جاب ملی گئی ابو بکر شاہ نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی کہ تم کسی اور کوشی میں جاب کر لو بیکاری کا نظام موہ پر چلتا ہے لیکن عزرا شاہ کی دیا گئی کی حد تک خواہش بھی بینک میں

## ہائیکو

نزدہت عباسی

تیز ہوئی بارش

تم سے ملنے کی دل میں

جاگ اٹھی خواہش

☆☆

ابوبکر کے عزیر شاہ بہت احسانات تھے ابوبکر شاہ نے اپنے محدود وسائل میں اپنے بچوں کے ساتھ عزیر شاہ کو بھی اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی عزیر شاہ کی ہر چیز باری کی تھی پھر عزیر اکبر شاہ کیسے اس رشتے سے انکار کرتے تھے لندن میں ہی عزیر شاہ اور خضرئی شاہ کا نکاح ہو گیا دونوں کے قریبی عزیر و اقارب اس شاہ کی باوقار تقریب میں شریک تھے ہمیشہ سادگی کے پیکر میں رہنے والی خضرئی شاہ پر ٹوٹ کر روپ کیا تھا کمری لباس میں وہ بے حد خوبصورت دکھائی دے رہی تھیں۔ سب نے ان کی خوب تعریفیں کی تھیں۔

عزیر شاہ کے چہرے پر خوشی نہیں تھی وہ زبردستی مسکرا رہے تھے سب کی دی جانے والی دعاؤں پر باری باری سب کا شکریہ ادا کر رہے تھے خضرئی شاہ کے بھائی عثمان شاہ مشکور دکھائی دے رہے تھے انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ عزیر شاہ اس شادی سے خوش نہیں ہیں انہیں خضرئی شاہ کی لگر پریشان کر رہی تھی بدستور ایک تاؤ عزیر شاہ کے چہرے پر تھا جیسے جانے کتنے بھاری رنج میں مبتلا ہیں خضرئی شاہ نے بھی ان کی یہ کیفیت محسوس کی تھی انہیں لگ رہا تھا وہ زبردستی عزیر شاہ پر تھوپی جا رہی ہیں۔ ہنوز دیکھ راری کی صورت

جواب کرنے کی جہاں عزیر اکبر نے جواب کرنی تھی ان کا ہیکیج نہایت باور دل تھا۔ ابوبکر شاہ قطعی مطمئن نہیں تھے وہ عزیر اکبر شاہ کے متعلق کچھ اور سوچ رہے تھے۔ اچھے رشتے آسانی سے نہیں ملنے۔ عزیر اکبر ان کا بھانجا تھا دیکھا بھالا تھا سو ابوبکر شاہ نے خود کو مطمئن کر لیا وہ سوچتے عزیر تو اپنی اجرت کی سیلری لے گا لیکن کاغذیں دل میں ضرور تھیں، ایسا ہی طاہرہ شاہ اور خضرئی شاہ سوچ رہے تھے، خالص سادات باہر رشتے نہیں کرتے ہر طرح سے سوچنے کے بعد انہیں خضرئی شاہ کے لیے عزیر شاہ ہی بہتر لگ رہے تھے ابوبکر شاہ اور طاہرہ شاہ نے حتمی فیصلہ کر لیا تھا ابوبکر شاہ کی بہن بھی اصرار کر رہی تھیں بزرگوں کی متفقہ رائے کے سامنے عزیر اکبر شاہ خاموش رہے ورنہ خضرئی شاہ جیسی مذہبی لڑکی کی انہوں نے کی خواہش نہیں کی تھی۔ کہ ایسی لڑکی کو ایک خوب روڈ شنگ پر سٹالٹی کا بہترین مستقبل کا مالک لڑکا پیڑی بنالے انہیں تو اپنے ساتھ سو کرنے والی بیوی چاہیے تھی ان کی طرح لبرل ماحول کی دلدادہ ہو، سوسائٹی میں ان کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلے بقول ان کے اللہ میاں کی اس گائے کی کبھی تشنانگی تھی انہوں نے وہ شدید قسم کے ذہنی خافشار میں چلا تھے عزیر شاہ قسمت کے دہنی تھے کوئیکو و آفیسر کو کس طرح ڈیل کرتا ہے انہیں بخوبی آتا تھا اللہ نے رزق ان کی قسمت میں دافر لکھا تھا، عزیر شاہ مٹی میں ہاتھ ڈالتے تو وہ سونا بن جاتی انہیں پر آسائش زندگی بسر کرنے کی خواہش بھی بچپن سے تھی ان کا خواب تھا عزیر شاہ کے والد اکبر شاہ متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اب عزیر شاہ کو امیر بن کر غربت کا داغ ماتھے سے بنانا تھا جائز و ناجائز کو اگنور کیے انہیں لکڑی زندگی گزارنی تھی جبکہ خضرئی شاہ مکمل طور پر ان کی سوچ کے برعکس تھیں ہر لحاظ سے ہر اعتبار سے ماموں

بنے وہ خاموش تھے شادی کی رسومات میں اب بکر شاہ نے توان دونوں کے لیے اچھا ہی سوچا تھا اب انہیں ایک دوسرے کے ساتھ ایذا ندامی اور وفا کے ساتھ زیست کی شاہراہ پر چلنا تھا عزیز شاہیدی کو لے کر اپنے بھائی ننگے میں آگے وہ اپنے چہرے پر طراوتِ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ کیسے خوش ہو سکتے تھے اس تضاد کے ساتھ ایک چھت کے نیچے وہ تک بک رہیں گے وہ پوزیسیور بنے پر مجبور تھے دونوں کلائف اسٹائل اسٹاک - حضری دوسوں کے اشتیاق میں گھر ہوئی تھیں عزیز شاہ نے دل ہی دل میں دہن بنی حضری شاہ کو خواب سرایا۔

حضری اپنے والدین کے اس فیصلے کو غلط سمجھ سکتی تھیں لیکن وہ کبھی نہیں بیڑا سارے بچے بچوں کے لیے بہتر فیصلے کرتے ہیں۔ والدین سے بچی کے پوچھا تھا بیٹا میں عزیز کا رشتہ بہر اعتبار سے معقول لگتا ہے اپنے خاندان کا بچہ ہے تاہم اور درجہ حاصل کیے بغیر اسے اگر تہربا سے دل میں کوئی غرض کوئی بے وقوفی سے ضرور شیزکر دوہاں سے یہ تو نہ کہہ کر عزیز کی بینک کی جاب میرے لیے سوہان روح بنی ہوئی ہے۔ امی نے آفتی امیدیں رکھے ان سے بات کر لی کہ والدین کو آگے بڑھ کر قریبی بھائی بھتیجا دکھائی نہیں دیتا لیکن بچی کے باپ نے غیر ضرور کے ملک میں تھے ایک تک بچی کو کنواری رکھتے یہ تمام باتیں سوچتے ہوئے حضری شاہ والدین کے سامنے انکار نہیں کر سکتی تھیں۔ حضری شاہ نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا میرے مالک اسے میرے کس کیلون میرے تمام معاملات تیرے ہر ذریعہ میں یقین رکھی ہوں تیرے فیصلے بہتر ہیں وہ تے ہیں اپنے بندوں کے لیے انہوں نے ظاہر شاہ کا اپنی طرف سے ناشکر بھی نہیں کی امی آپ اور ابو فیصلہ مجھے سزا دے گا توں میرے لیے آپ نے بھری چاہا ہو گا لیکن عثمان شاہ

اس رشتے سے خوش نہیں تھے دو تین مین پوائنٹ پر انہوں نے والدین سے بات کی تھی۔ والدین نے عثمان شاہ کو تفصیلی سمجھاتے ہوئے مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ والدین کی تابعدار اولاد تھے اس لیے اس باپ کے ساتھ بحث نہ کر سکے کبھی اللہ کی ہر وقت دعا کرتے رہے اپنی اگلی بہن کی خوشیوں کی۔

نئے شروع ہونے والے وہ ایک کا آج فرسٹ ورلڈ ڈسے تھا فجر کی نماز کی ادائیگی کے بعد قرآن پاک پڑھ کر عثمانی خان نے ناشتہ کیا کیا پڑھے اور آلیٹ کی خوشبو پورے اپارٹمنٹ میں پھیلی ہوئی تھی۔ ناشتہ لاؤنج کے اگلے تھیل پر رکھ چکی تھیں۔ ٹا فٹ آباد میں چائے کے دار ہی ہوں انہوں نے بچوں سے آواز دی کہ اور کچن میں چائے ڈالنے لگیں۔ "جی آرے ہیں۔" نسا تیار ہو کر لاؤنج میں آ چکی تھی۔ "مہم میں ناشتہ بائیں آپ نے کیوں تکلیف کی؟" ان تکلفات میں مت پردہ عثمانی خان چائے کا کپ جلالت میں اس کے سامنے رکھتے ہوئے مسکرائیں "فینگ پویم" عثمانی خان کا انداز خطاب نسا کو یاد دلایا کہ اولاد دیتا۔ عثمانی خان کی آنکھوں میں تنہی کی بجائے غامضی مل رہی تھی۔ آیت بھی آ چکی تھی اب عثمانی خان اپنے بچے پر حتیٰ لگاؤ ڈال رہی تھیں اب انہوں نے تمام ضروری چیزیں رکھ لی ہیں سات دن کرچوس منٹ پر بلڈنگ کے سامنے انہیں من رڈ پر ہوا تھا ابھی سات بجے تھے آیت اور نسا کی بس آٹھ بجے آئی تھی، وہ دونوں آرام سے ناشتہ کرتیں خوش بچوں میں عثمانی خان تینوں خواہن میں اس اپارٹمنٹ کی چابیاں تھیں۔ وہ دونوں برائوں پر نوٹی پڑی تھیں جبکہ عثمانی خان ناشتہ کر چکی تھیں اس وقت تھوڑا سا ہوا کہ ہاتھوں پر پینڈ لوٹن لگا رہی تھیں۔ لاؤنج میں سامنے گئے وال کاک پر

انہوں نے سرسری نگاہ ڈالی "وش پو گنو لک اماں" مسکراتے ہوئے آیت نے اپنا کال ان کے کال کر دیا۔ "فینگ پو بیتا"۔ ج عثمانی خان کا فرسٹ ڈسے تھا۔ نسا لک نے بھی انہیں گنو ڈسز دی تھیں شکر ہے ادا کرتے ہوئے عثمانی خان کسٹرائی بیرونی دروازے کی جانب پڑوسین دروازہ دہا پر سے لاک ہو چکا تھا۔

یونیورسٹی کی بس تقریباً نو بجے پریڈ فورڈ شاہز یونیورسٹی کے گیٹ میں اسٹنر ہوئی تھی۔ یونیورسٹی رڈ پر ٹریفک کا ڈھواں تھا۔ تمام افراد پارکنگ ایریا میں جانے کی جلدی کی سیکورٹی کے انٹرس کا رڈ لیتے ہوئے ٹیکس کے بعد آگے بڑھ رہے تھے۔ جن میں چھوٹی گاڑیاں موٹر سائیکل، سائیکل شامل تھیں ان کی بس کو تقریباً منٹ کے گئے تھے اب آیت اور نسا تیز رفتاری کے ساتھ اپنے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھ رہی تھیں۔ لی اور آیت اس وقت اپنے ڈیپارٹمنٹ کی سیزنل چڑھ رہی تھیں لی اس سے پہلے جس میں سوار ہوئی تھی سو وہ آیت کے لیے سینڈ رکھ کر تھی چکی گاڑی پر ڈیوٹر ایکس برڈ کی بھی تقریباً تمام فیسٹیں پر ہو چکی تھیں۔ لی اور آیت اپنی مخصوص سیٹوں پر براہِ جان ہو چکی تھیں اسٹوڈنٹس گڈ مارک پر گھبے ہوئے تھے ان کے ہونے تھے جو بیک جیسٹے میں بیٹھ چکے تھے۔ امریکہ برڈن اثبات میں مسکراتے ہوئے جواہر گڈ مارک کو باؤنڈے ہوئے بھلی بھلی ویلہ ہائے کے بعد انہوں نے پہلا کچھ شروع کیا تھا۔ "تاک معاشرت تھا تمام کلاس بہتر کوشش ایک گھنٹہ کے ٹیچر کے بعد وہ پوری کلاس سے مخاطب تھے اپنی کچھیں؟ سب سے زیادہ سوالات اس کا رٹپ پڑے آئے والے اسٹوڈنٹس کر رہے تھے جن کے جوابات پر ڈیوٹر ایک کلاس تھیں کل اعزاز میں دے رہے تھے۔ پر ڈیوٹر کے کلاس

روم سے نکلے کے بعد اسٹوڈنٹس اپنی اپنی چیزیں چھوڑنے لگے۔ انٹرس کی طرف لڑکے لڑکیوں کا رٹپ لک بھاگتا تھا آیت اور نسا سے قدم آگے چل رہا تھا ایک دوسرے لڑکے کے ساتھ۔ آیت اور لی نڈیم نے اس کی صرف ایک جھلک دیکھی جس وقت وہ ان دونوں کے قریب سے سرعت سے گزرا تھا۔ وہ کرنلی سرایے والا چٹ سے نکلتی باہر کا مالک تھا لیکن آیت کو صرف اور صرف اس کی آنکھیں یادیں لائٹ براؤن سٹری منڈلی شریٹ کی مانند جن پر ڈارک براؤن بس مڑی ہوئی تھیں جنہیں کر رہی تھیں۔ وہ ساتھ چلتے لڑکے سے برطانوی لب و لہجے میں روانی کے ساتھ انگریزی بول رہا تھا۔ کسی بات پر اس نے اونچا قبضہ لگا دیا اس کے قبضے کی آواز نہایت پر کیف تھی ساتوں میں محفوظ رہ جانے والی شاگن اس کے لہجے کی پور پور سے بھنگ رہی تھی۔ غیر ارادی طور پر آیت خان کی نگاہیں اپنے آگے چلے اس ڈیشنگ لڑکے پر اتر رہی تھیں۔ لی آیت سے کیا بات کر رہی تھی آیت خان اسے سن نہ پائی تو قنف کے بعد جب وہ اس کی نگاہوں سے اچانک غائب ہو گیا تب سٹاک کے ساتھ آیت نے اپنے ذہن کو چھوڑا کیا محافات ہے آیت، ادب وہ اپنے ذہن کو راہ راست پر لانے میں کامیاب ہو چکی تھی اب آیت خان لی کی باتیں سن بھی رہی تھی کچھ بھی رہی لی دس منٹ بعد ان کی چار کلاس شروع ہوئی تھی آج آیت اور لی نے اعلیٰ کلاسز ساتھ کی تھیں۔ ہر کلاس میں دوسرے ممالک سے آئے والے اسٹوڈنٹس نے انگلینڈ کی جانب چند سوالات کیے تھے۔ عمل یونیورسٹی میں یہاں اس کا رٹپ پڑے آئے والے اسٹوڈنٹس کو اس یونیورسٹی کے تمام رولز پر کرا رہے تھے۔ جو تھے انگلینڈ کے توئی کرانے کا پہلا بند یاد کو نسا لاری قریا دیا گیا

## انسان پر بھائی

ناصر بھائی سے میری ملاقات دو شیزہ کے آفس میں آدم آؤٹ لکٹڈ میں ہوئی تھی۔ میں نے جب لکھنا شروع کیا تب دو شیزہ کی مدیرہ فریدہ سہروردی اور سچی کہانیاں میں پروپز بلکرائی اور سلیم فاروقی مرحوم تھے پھر کچھ عرصے بعد سلیم فاروقی چلے گئے اور ان کی جگہ ناصر بھائی بنے لے لی تھی۔ ناصر بھائی بہت متفقی انسان تھے۔ "میرا بچہ" کہہ کے بات کرتے تھے آنکھیں اور سر ہمیشہ جھکا کر بات کرتے تھے۔ اتنی عزت دینے کہ اپنا آپ اہم محسوس ہوتا تھا۔ دو شیزہ ایوارڈ کی تقریبات یا کسی اور تقریب میں ملاقات ہوتی تو حال احوال معلوم کرتے میرا ہی نہیں بچوں اور صاحب کا بھی..... ان کا سوال شروع شروع میں مجھے بوکھلا دیتا کہ زندگی کیا کہہ رہی ہے اب ایک عرصے ادیبوں کی سنگت میں رہنے کے بعد میں اس سوال کا جواب دینے کے لائق ہوں تو ناصر بھائی نہیں رہے ناصر بھائی کوئی اس طرح بھی کرتا ہے اس طرح بھی جاتا ہے اتنا اچانک مگر اس دینے کو بھی اچانک ہی چلے جاتے ہیں۔ ابھی وہ بارہ دو شیزہ جوائن کیا اور مجھے فون کیا اور ان کے نام بتانے سے قبل میں نے ان کا نام لے دیا تو بہت خوش ہو کر اپنے مخصوص انداز میں "میرا بچہ" کہا میرے افسانے عزت دار کی تعریف کی اور کہنے لگے کہ پوزر نے بھی بہت تعریف کی ہے کہ بہت خوبصورت افسانہ ہے۔ تو بتانے لگے اس پر میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ ہم جیسوں پر ہی لکھا ہے تعریف کا انداز اتنا اچھا تھا کہ بے ساختہ دل کو خوشی ہوئی۔

اب میں آپ کو بتا سکتی ہوں ناصر بھائی کہ زندگی کیا کہہ رہی ہے پھر اب آپ اس کچھ کہتی ہوئی زندگی سے ہی دور رکھ گئے ہیں۔ اللہ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

سید

ہے۔ اسکا لٹپ بر آنے والے اسٹوڈنٹس کو میسٹ میں ٹل مار کر کینے ضروری ہیں بصورت دیگر ان کو میسٹ میں ٹل کر دیا جاتا ہے۔ بریل فورڈ شائر یہاں آنے سے پہلے ہی ان کے اداروں کے توسط سے میسٹ کلیر کر لے جاتے ہیں۔ یہاں کی رسالہ ہاؤس میں پڑھنے والے طالب علم کی تاریخ یعنی ٹائٹل ان کے ادارے میں ان کی شخصیات کے بارے میں تفصیلی معلومات یاد ہونی چاہئیں۔ ملکہ انجیہ دوئم جو کنگم بیس میں رہا ہیں پھر اس بیس کی معلومات بھی یاد ہونی چاہئیں۔ برطانیہ کا ترائیڈ ایک دعا پڑھنے سے ہر بار کنگم میں جس کا آغاز ہوتا ہے کنگم بیس 77000 اسکاؤٹ میٹر پر تقریر ہے۔ ہر سسٹری شمرعات میں کنگم چار دوسرے ممالک سے آنے والے اسٹوڈنٹس سے یہاں کے تعلق مختلف سوالات بار بار کرتے ہیں۔ ایسی قومیں جہاں تاریخ خود بھی یاد رکھتی ہیں اور دنیا کی دوسری قوموں کو بھی یاد رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ کاسیاب رہتی ہیں۔ لی غنیم اور آتہ خان کے پوائنٹ کی بس چلنے میں ابھی بارہ سوڈانی تھے وہ دونوں اکٹھا کس ڈیپارٹمنٹ کے سامنے تھے اسٹیشن کیلئے تیرا میں آ کر چمک گئی تھیں۔ لی غنیم پوٹھ میں دو کپ چائے لے آئی تھی۔ چائے پینے کے دوران آیت نے ان کو بھیج کیا تھا۔ "میں جس منٹ میں ٹل رہی ہوں آپ کہاں ہیں؟" غلطی خان کا فوراً جواب آیا تھا۔ "میں گھر پہنچ چکی ہوں۔" آیت کا دل چاہو رہا تھا کہ فوراً سے پہلے کہہ بیٹھے اور اماں سے کہہ دیتے کہ آپ کا فرسٹ ڈے کیسا برا؟ اب وہ دونوں نکلت گئے گرم چائے کی بڑی بڑی پیکیاں بھری تھیں۔ خالی ڈسپوزیبل کپ ویسٹ باسکٹ میں بیٹھتے ہوئے وہ دونوں تیز تیز ڈگ بھرتیں کیے تیرا سے باہر آ گئیں۔ ابھی میں چارمنٹ جاتی تھی

کے چلے میں۔ آیت لی کو بائے کپتی اترتھ روڈ کی اس ریڈ برائڈن بلڈنگ کے سامنے اتر گئی تھی جس میں دو دکان تھیں۔ سڑک کراس کرتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی اچانک آیت کی نگاہ فلاور شاپ پر پڑی۔ وہ غیر ارادی طور پر شاپ کی جانب بڑھنے لگی اس نے شاپ کپیر سے کہا تین روز فلاور پر رہیں باہر کھڑے کچھ ان لین فلاور کے اس نے دو پوٹ ادا کیے۔ آیت نے اپنی سچی ماسک کو فلاور کے قریب کیا اب ایک اسودہ احساس اس کی روح تک اتر گیا۔ اب باہر سے لاک کھولتے ہوئے وہ چارمنٹ میں داخل ہو چکی تھی۔ "السلام علیکم اماں۔" اس نے اپنا آواز بلند کر کے فوراً غلطی خان جان سے برآ ہوا۔ "میں" مگر کچھ کچھ مانی سویت ہاتھ اماں غلطی خان کی جانب گھباڑھا کرتے ہوئے وہ کھلا کر سرکرائی۔ "ٹھیک یو میری جان۔" انہوں نے اس کی پیشانی کا پورے لپاؤہ غلطی خان کو کندھوں سے پکڑے گولانی میں گھما لی ان کے ساتھ خود بھی گھومتی چل گئی۔ غلطی خان کی آنکھوں کی جوت بڑھی دو سوچ رہی تھیں ان کی بیٹی اس سے کتنی محبت کرتی ہے کہ ان کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں کو سمجھ کر کتنی ہے کہ ان کے چہرے پر مسکان پڑنے کی منطقی دہائی ہے۔ تب ایک توانا احساس غلطی خان کے دل کو دے میں توانائی کی گہری ریق بھر جاتا ہے۔ وہ محبت پائے لگا ہوں سے پڑستورہ آیت خان کو دیکھتی رہیں ان چھوٹی کی خوشبو سانسوں میں اترتے ہوئے انہیں اپنی آنکھوں سے لگا تو نم آؤ خوشبو انہیں گہری ملانیت بخش گئی۔ وہ مسکرائیں اور سینٹر فیمل پر کمرلے داز میں انہوں نے وہ گلاب رکھ دینے اب وہ مزید کٹھن نظر آنے لگے تھے۔

(اس سلسلہ ہمارے ناول کی قسط آٹھ سدا ماما خطا فرمائے)

## تجدید ایمان ضروری ہے

نا فرمائی کفر ہے اور کفر اور شرک سے اللہ ہم سب کو محفوظ رکھے... ماں کے کہے ہوئے یہ الفاظ امبرجین کو اس رب کے قریب لے آئے جو پتھر میں موجود کبر کے کو بھی رزق دیتا ہے۔

آف سچ اتنی جلدی کیوں ہو جاتی ہے۔  
اس نے گھڑی میں دیکھتے ہوئے جوج کے نو بجاری  
تھی اپنے آپ سے کہا اور بستر سے گھڑی ہو گئی۔  
بارہ پتی خانے سے چائے کی سوڈھی سوندھی



خوشبو تیار ہی تھی کہ ہشت تیار ہے۔  
یالہ تیرا شرکے کہ مجھے ہشت نہیں بنا تا  
... اس نے ٹاول سے چہرہ خشک کرتے ہوئے اپنے آپ سے کہا۔

لوں تو ماشاء اللہ گھر میں ملازمین تھے دو لڑکیاں رات میں رتی تھیں لیکن اس کی ساس کا حکم تھا کھانا وہ خود پکائے۔ گوکہ کھانا پکانے وقت بھی ایک لڑکی بلور سلیکٹر اس کے ساتھ رہتی تھی۔ پھر بھی گھر میں موجود دو دندنوں کو صوفوں پر پڑے بیٹھا دیکھ کر اس کا خون کھول جاتا تھا۔

☆.....☆  
تم نے گوشت چھو پایا اس نے ناشتہ کے بعد کچن کے سلیب کو صاف کرنی رقیہ سے پوچھا۔  
جی ہائی گوشت دھو بھی دیا اور ناشتا بھی چھیل کر باریک باریک کاٹ دینے اور تڑپنے اس کو دودھ نہیں دیا اس نے جیسے ہی باہر کچن کی طرف نکلنے والے کچن کا دروازہ کھولا تو ملی دوڑتی ہوئی آ کر اس کے پیروں میں گونسنے لگی۔

بائی یہ تو کبھی ہی نہیں پتہ نہیں کہاں چھیں بیٹھی رہتی ہے بس جیسے ہی آپ کچن میں آتی ہیں یہ آ جاتی ہے۔ رقیہ نے خوشامدی لہجے میں کہا۔  
اسے جانور بھی اپنے رزق دینے والے کو پہچانتے ہیں۔ ذہن یکدم روز اس کو دودھ دیتی ہیں باؤلی ذاتی ہیں تو میرے تیرے پاس آنے کے بجائے صرف بہن یکدم کا انتظار کرتی ہے اس کو حلوم سے دینے والا کون ہے۔ ماسی جوں نے کوسٹ سے آکا نکال کر نسلے میں رکھتی ہے چھانٹتے ہوئے بیٹی کوڈ کا۔

امبر جوجی ہوئی مٹی کے پیالے میں دودھ ڈال رہی تھی چونک گئی..... اس کے ہاتھ سے دودھ کا برتن گر گیا اور دودھ درجہ کے ساتھ ماسی جوں کو دیکھتی رہ گئی۔

ملی جاتی ہے اس کو کون دودھ دے گا..... اور میں..... اس نے جیسے اپنے آپ سے سوال کیا۔  
☆.....☆

اس قدر خشک آگئی ہوں میں اپنی سرال والوں سے حد ہو گئی ہے اور رضا تو اس قدر باپنی ماں بہنوں کے غلام ہیں کہ میں تانہیں سکتی۔ آفس سے آ کر سیدہ ان کے اپنے اماں کے کمرے میں جاتے ہیں پہلے ان کو سارے دن کی روداد سناتے ہیں بلکہ شام کی جاتے ہیں جی دہیں ہیں پھر کیا کردہاں ہے غیر توں کی طرح میں بھی جانتی ہوں..... خون کھولتا رہتا ہے میرا لیکن بھائی ہر وقت چہرے پر مسکراہٹ ہوئی چاہے درندہ ہماری ساس تو ساس مہاں جی کے بھی ہاتھ پر مل پڑ جاتے ہیں۔ امبر نے اپنی اگلی سبیلی زہت کے سامنے دل کے پھچھو لے چھوڑے۔

ارے دافنی رضا بھائی ایسے ہیں؟ زہت جبران تھی خیر ایسے برے بھی نہیں ہیں رضا صحبت مجھ سے بہت کرتے ہیں بس اپنی اماں بہنوں سے ڈرتے ہیں میں جب شکایت کرتی ہوں تو بے چارے مجھے سامنے لگ جاتے ہیں۔ زہت کا لہجہ امبر کو اچھا نہیں لگا تو جلدی سے مہاں کا کولیا۔

اور تہارے سر؟  
میرے سر تو بہت ہی اچھے آدی ہیں نماز اور روزہ کس میں دو کام ہیں کبھی کسی معاملے میں نہیں ہوتے۔ اپنی بیٹیوں اور گھر میں فری نہیں کیا۔ بلکہ اکثر میری حمایت ہی کرتے ہیں امبر نے بچے دل سے سر کی تریف کی۔

چلو میری بہن خدا کا شکر ادا کرو کم از کم تمہارے سر تو اچھے ہیں یہاں سرال میں تو آؤ سے کاؤا ہی ڈوبا ہوا ہے۔ ایک سے بڑھ کر ایک تین بار خان ہے۔ زہت کا لہجہ سرال والوں کا ذکر کرتے

پھنکارے مار پھانقا۔ لیکن میں نے بھی ٹھیک کر دیا۔  
کیسے..... امبر کھٹک کر نہ بت کے  
قریب ہوگی۔

☆.....☆

اماں مجھے تو سخت چڑھتی ہے ان پھوہمیں  
سے کیسے ابا کو گھر سے بھیجی رہتی ہیں۔ اس نے آٹا  
گوشت دیاں سے کھینچے ہوئے اندر کرے میں ابا سے  
باتیں کرتی چھوٹی پھوہ کی گود بھینچے ہوئے زہرے  
لکھے ہیں کہا۔

میںوں چٹا چڑنے کی کیا بات ہے۔ تمہارے  
ابا بھائی ہیں ان کے سینے دو سینے بھی آتی ہیں۔  
دو چار لمبے بھائی کے پاس بیٹھ جاتی ہیں تو کیا ہوا۔  
تمہارے ابا ان کے سب سے بڑے بھائی ہیں  
سادری سینیں بہت محبت کرتی ہیں اپنے بھائی سے تم  
نے دیکھا تمہارے ابا کیسے خوش ہو رہے ہیں  
اماں نے پانی میں دونوں تھیلیاں کر کے آئے گئے  
کوٹھ سے میں ٹھہراتے ہوئے امبر بے ساختہ ابا  
کو بٹینے دیکھ کر جبین سے کہا۔

میںی تو میں کہہ رہی ہوں اماں ابا بھی ہمارے  
ساتھ چکر تو لڑا ایسے قہقہے نہیں لگاتے اب تو ہا کی ہسی  
ہی نہیں رک رہی۔ جبین کے لیے میں شکایات ہی  
شکایت تھی۔

ازہ میری بچی تم کو کیا ہو گیا ہے جو آدمی  
اپنے بہن بھائیوں سے اس قدر محبت کر رہا ہو وہ اپنے  
بچوں سے نہیں کرے گا کہ میری بچی ہر شے کی محبت  
کی کو محبت الگ ہوتی ہے وہ بہن بھائی ہیں جسے اماں  
باپ کو باپ کر دیتے ہیں تو مجھے جبین کو یاد کر کے  
بٹینے ہیں۔

کیا کبھی تمہارے ابا نے تم کو لوگوں کو مارا دیا  
ڈانڈا پٹا۔ ماتن تمہارے لیے ہوا کہ دودھ کرتے  
رہتے ہیں اگر کسی بات سے وہ خوش ہوتے ہیں تو تم

کو بھی دل بڑا کھٹا چاہیے۔ جہاں آ رہا ہے مجھ سے  
کو ڈانڈا۔ اور چلو اس طرح کی باتیں بند کر دو تم سے  
ماں کی تندی بڑداشت نہیں ہوتی کل اپنی ساس  
نندوں کے ساتھ کیا کر دو گی میں تو سوچ سوچ کر ہوتی  
ہوں۔ چلو جاؤ جا کر دسترخوان لگاؤ کئی دفعہ تمہارے  
ابا اشارہ کر چکے ہیں۔ جہاں آ رہا ہے کھانا کھانی  
ایسی باتوں کی امید نہیں تھی..... میں تو مجھے جو جیسا  
کرے گا اس کے ساتھ ویسا ہی کروں گی جبین کے  
لیجے میں بہت دھری بھی..... اس نے دسترخوان بچوں  
کا دھڑ بچھا اور دھڑ بچھتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی  
گئی اور جہاں آ رہا وہ بخود بیٹھی کے کمرے کے بند  
دروازے کو دیکھتی رہ گئیں۔

☆.....☆

جہاں آ رہا وہ کھیل احمد کی محبت کی شادی تھی۔  
کھیل احمد بچوں کے اکوٹے بھائی تھے ان کی  
اماں سخت مزاج عورت تھیں بیٹیوں کے ادا رہا تھے  
کہ بھائی کے لیے سارے جہاں میں خاک چھانٹنے  
کے بعد چائے پر دین سے دہن سے کرا تھیں۔

اگر کھیل احمد کو اپنے ساتھ کالج میں پڑھنے  
والی سیدی سادی ہی جہاں آ رہا ہے کی طرح شوق ہو گیا  
اور پھر اس کی طرح شوق کی دہی دہی آج تک جہاں آ رہا  
کی مصروفیت کو بھی سکا نہ تھی۔ گویا آجک دونوں  
طرف تھیں زیادہ اور کہیں کم لیکن بھی ہوتی تھی دونوں  
ایک دوسرے کے لیے دھڑک رہے تھے۔

ابا نہیں کھیل احمد کی خدمت کے آگے  
خاموش تو ہو گئیں گوکہ جہاں آ رہا کا اپنی خاندانی حسب  
و نسب اور مصروفیت ان کو بھی پسند آتا تھا لیکن دل میں  
ایک چائس ہی چھڑ گئی کہ بھائی کے لڑکی کو خود پسند  
کر لی اور پھر اس چائس کو کھانے کی کوشش میں جہاں  
آ رہا کی سادی کمری کر گئی۔

کئی سال جہاں آ رہا کے لیے سخت دہے

..... لیکن وہ محبت کی ٹپ سے گلدھی تھیں انہوں نے  
سادری سرال کو بدلنے کی کوشش نہیں کی کھیل احمد  
اور ان کے گھر والوں کے مزاج میں خود دخل نہیں۔  
نندوں نے ان کو بھادج بھادج بھادج نہیں انہوں  
نے بیٹھ بیٹھ ہی سمجھا۔ ساس ان کی ایک رواداری  
ساس ثابت ہوئیں لیکن انہوں نے بیٹھ ان کی  
کڑوی کھلی برداشت کو کہہ کر جہاں آ رہا ہے باپ  
کے گھر میں بہت لاڈوں سے ہیں جبین ان کی اماں  
نے بیٹھ ان کو پھولوں کے بستر پر سلا یا تھا لیکن  
سسرال ان کو رادری سسرال ہی ملی۔

لیکن کب تک ان کا حسن سلوک کو بھی برداشت  
نے آفر پھروں کو بھی بھلا دیا اور پھر ان کو بھی وہی  
بان اور محبت ملا جو کہیں چاہیے ہو کھانا ہے یہ الگ بات  
ہے کہ اس وقت تک ان کے سر میں چاندی چمکنے لگی  
اور ان کے سینے بڑے ہو گئے۔ اللہ نے ان کو دوڑنے  
اور ایک دینی سے نوازا تھا۔ دونوں بڑے بیٹے اپنی  
تعلیم کے لیے یادگیری میں تھے اور یہ سب سے چھوٹی  
بچی جبین کی بولی ایسی ہی کی حال تھی.....

کھیل احمد کی سادی نہیں پچاسی مٹی تھیں  
اور اماں باپ قبروں میں جا سوتے تھے سینے پتھر  
دن میں کوئی بہن چکر لگا رہی تو پھوہمیں کو دیکھ کر  
جبین کے ہاتھ پڑ جاتے۔ جہاں آ رہا تھان  
ہوئیں کر زندگی کے کون سے لمحے میں ان کی بیٹی کے  
دل میں اتنا زہر بھر گیا۔

ازہ میری بچی جس سے محبت ہوتی ہے  
اس کی تو بلی بھی چاندی ہوتی ہے تم کو باپ سے محبت  
ہے اور پھوہمیں تم کو برداشت نہیں ہوئیں یہ کسی  
محبت ہے ارے کون سی ہے پاپے رادری روز رادری ہیں  
اللہ خدا سلامت رہیں ماشاء اللہ چھ بچے نہیں  
پتھر نہ بعد بھی پتھر لگا یا تو دین سینے بعد ہار کی  
ہے اور ہار کی بچی کو یہ بات کبھی میں ہی نہیں آتی اللہ

جائے اتنا زہر کسے بھر گیا اس کے اندر۔ جہاں آ رہا  
چشم اپنے آپ سے سوال جواب میں اچھ لگ گیا۔  
وہ آٹا کھو سوتی تھیں کہ جبین کے اندر اتنا  
زہر کیسے بھر گیا وہ نہیں جانتی تھیں۔

کیا آپ جانتے ہیں..... اوہ!.....  
☆.....☆

آگنی میری بچی کتنے دلوں سے یاد کر  
وہی آگنی آتھنگ نے محبت سے جبین کو سینے سے  
لگاتے ہوئے کیا۔  
آٹھ بچہ جہاں آ رہا کی خالہ زاد بہن تھیں اور  
جبین کی بہت عزیز خالہ۔

بھئی دراصل جہاں آ رہا تو ہمیشہ سے ایسی ہے  
اللہ میاں کی گائے۔ سارا سارا دن سسرال میں کاموں  
میں لگی رہتی تھی تم چھوٹی تھیں تم کھانا لے یا چو لہا  
چوکی سنہا لے اور دن میں..... ننہی تھیں کوئی بیچہ کی  
تیاروں میں لگی ہوئی ہے تو کوئی اسکول کالج کی  
سکالوں سے اچھ رہی ہے تو کوئی کھلی لاڈلی نہ کر لاڈ  
انوار رہی ہے تو جس جب کام زیادہ ہوتا تو جہاں آ رہا  
تمہارا ایک باتیں اور میرے پاس کچھ نہیں اور میں  
تم کو سینے سے لگاتے لگاتے پھرتی۔

آٹھ بچہ کے بیٹھ کی طرح جبین کے کانوں  
میں زہر گھولا اور جبین کے دل میں جہاں دادی،  
اور پھوہمیں کے لیے نفرت کی بوٹی وہ ہیں ماں سے  
شکایت کی چائس بھی چھڑ گئی۔ کچھ لوگ دوتے ہیں؟  
..... لیکن کیوں؟

آخر کیوں آ رہا ہے کیا کر لی تھیں۔  
جبین نے کسی نہیں سوچا..... لیکن.....

☆.....☆

بہت اچھے لوگ ہیں ماشاء اللہ حسب و نسب  
والے مل اور دولت کی چیز کی نہیں اور ماشاء اللہ لڑکا  
بھی اتنا قابل اتنی بڑی پوسٹ پرش کو کبھی ہوں



آپ، ہم اللہ کریں۔ جہاں آ رہے ہیں جوش لکھ میں  
 کھیل احمد سے کہا۔ وقت کی تیزی سے گزر گیا۔ آج  
 ہم دونوں اپنے بچوں کی شادی کرنے جا رہے ہیں۔  
 کھیل احمد نے آنکھوں میں آنسو پائے پیار کینے  
 پر انہوں کی پرچائیوں میں کچھ دھوڑتے ہوئے  
 پیاری بیوی سے کہا جس نے زندگی کے کسی موڑ پر نہ  
 ان کو شرمندہ کیا اور نہ ہی تنہا چھوڑا۔  
 بس وقت ایسے ہی گزرتا ہے۔ لگتا ہے کل  
 کی بات ہے جب آپ بات لائے تھے اور آج  
 بچی کی بات کی تیار کی ہے۔ جہاں آ رہا حیاتیت  
 مسکرا رہی۔

کھیل احمد کے ایک مسجد کے سامنے جو ہر  
 جماعت میں ان کے ساتھ ہوتے تھے اپنے بڑے  
 بچے جو ایک ملٹی پٹیشنل کمپنی میں ایک اعلیٰ عہدے پر  
 فائز تھا کاشتہ ان کی لاڈلی اور اکلوتی بچی امبر جین  
 کے لیے لگا تھا امبر نے اسی کی ایس سی کے پیپرز  
 دے دیے تھے مناسب وقت پر ایک شاہدار دست جہاں  
 آ رہا تھو خوشی سے نہال ہو رہی تھیں لیکن جین

☆ ☆  
 نہیں سمجھتی کہ کون گئی؟ میں کسی ایسے  
 گھر میں شادی نہیں کروں گی جہاں ساس ننڈوں کی  
 فوج ہو، اماں اگر آپ نے ہاں کی تو میں میں نکاح  
 کے وقت انکار کروں گی جین نے اگلی اٹھا کر اس کو  
 دھکی دی۔

بھوکا بند کرو۔۔۔ تم ننڈ نہیں ہو کیا  
 تمہارے بھائیوں کی شادی نہیں ہوں گی خاندان  
 گھر بار شرافت کس چیز کی ہے جو تم غریبان فوت  
 کرو گی۔ جہاں آ رہا تھو کس نہیں چل رہا تھا کہ  
 تھپڑ مار کر بچی کا چہرہ سرخ کر دیں۔  
 بس ای ہی کسی انکو لڑے سے شادی  
 کروں گی۔ ان کو شے سے کاپٹے دیکھ کر جین نے

دیکھ لکھے میں کہا۔

اکھٹا۔۔۔ یہ اکھٹا کیا ہوتا ہے؟ ارے یہا  
 دکھ اور کھٹو تعصیوں میں ہوتے ہیں۔ بعض اوقات  
 مجھے ہے پڑے خاندانوں میں لڑکیاں لڑکوں کی طرح  
 رہتی ہیں اور بعض اوقات خالی ایک مرد ہی عورت  
 کوئی لگا دیتا ہے یہ تو تعصیوں کے کھیل ہیں۔ بس  
 اللہ تبار راغب اچھا کرے۔ جہاں آ رہا تھو نے  
 شہرہ شے کو کوہوش کرتے ہوئے مد اے لکھ میں جینی  
 کو سمجھانے کی کوشش کی۔ خیر میں یہاں تو شادی نہیں  
 کروں گی۔ امبر جین کے لیے میں ہمت دھر رہی تھی۔  
 تو کیا جیتا ہماری عزت خاک میں ملادو  
 گی۔ میں نکاح کے وقت انکار کروں گی۔ کھیل احمد نے  
 جانے کب سے کمرے دونوں ہاں بچی کی گفتگو سن  
 رہے تھے۔ بچی کے سر پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھتی تھی  
 بھرا ہوا ہوتی آواز میں بولے۔

جین نے ایک نظر باپ کی آنکھوں میں  
 جگمگاتے آنسو دیکھے۔ اور پھر نظریں جھکا لیں۔  
 اور جہاں آ رہا خاموش کمری سوچ رہی تھیں  
 یہ زہرینہ زہران کے دودھ میں شامل تھا یا

☆ ☆  
 کس قدر پسند تھو کھیل؟ میں نے تنہا  
 چاہا تھا کہ اس سے میری شادی ہو جائے مگر بہنوں کا  
 خور بھائی جب بھی ہمارے گھر آتا میرا دل چاہتا  
 اس کے قدموں میں دل رکھ دوں۔ کھیل میرا درجیالی  
 رشتہ دو تھا؟ اس کی اسی کو بھی میں پسند گی چالی کی  
 دلہیز پر پیر کتے سی میری آنکھوں میں کھیل کی  
 شگت کے خواب بھرنے لگے اور میرے خواب  
 میری اماں کی جہاں دیہ نظروں سے چھپے نہ ہو سکے  
 کھیل اماں کے ساتھ ساتھ آپ کو بھی پسند تھا لیکن  
 نہ جانے کیوں یہ جہاں آ رہا دریاں میں آگئی۔  
 میں نے ہمیشہ غلطیاں کی ہیں دوا جی خاص کر گڑا بج

جاری تھی میں نے زبردستی اس کو اکبر کیشن میں  
 ایڈیشن دلوا دیا میں جیتی تھی کہ وہ میرے اور کھیل کے  
 درمیان ایک اچھی رازداریت ہوگی۔ مجھے کیا پڑھا  
 کھیل اس کا دیوانہ ہو جائے گا اور مجھ سے بچھا  
 تیزی سے چلا کہ میں کچھ بھی نہ کر سکی۔ نہیں میں  
 نے بہت کچھ کیا۔ کھیل کی ماں بہنوں کو ہمیشہ جہاں  
 آ رہا کے خلاف بھڑکایا اور کالی عرصے جہاں آ رہا پر  
 زندگی کی خوشیاں اور آرام حرام کر دیا لیکن یہ سبھی  
 اسکا ہے ہر بات سہمی اور کیوں نہ تھی کھیل کی بے  
 وفایتی کا جھارا اس کے ساتھ تھا اور پھر ہر چیز اپنے  
 مرکز پر واپس آگئی۔ گوکہ ساری جوانی جہاں آ رہا کی  
 آزمائش میں گزری لیکن پھر جین میں جب بھی کھیل کو  
 اس کے ساتھ دیکھتی میرے دل میں اس کو دیکھنے لگتی  
 اور پھر جین جیسی بے وقف لڑکی میرے ہتھے چڑھ گئی  
 اور جہاں آ رہا جوہنے پر رہی ہو اچھی بھادج ابھی  
 یہو اور اچھی ماں کے میڈل بن جائے بھی رہتی ہے  
 جب اس کی بچی دکوں میں ڈرے ہر نے کسر سال جائے  
 گی اور پھر وہاں سے دھکے کھا کر واپس آئے گی تو  
 میرے دل کو تھکن آئے گا۔

☆ ☆  
 زبان رواڑ گئی اور بدگمان لڑکیوں کے گھر  
 نہیں بیٹے۔ چلو جہاں آرام نہیں تمہاری بچی بی بی سی  
 اسٹج پر کون کی امبر جین کو کھانا کے پیلوں میں بیٹھے دیکھ  
 کر دل ہی دل میں آئندہ یکے سے زور اور تہقہ بد گیا۔

☆ ☆  
 امبر جین جس کو سرال میں سب امبر کہتے  
 تھے کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اس کی سرال میں بہت ایکا  
 اور اتفاق تھا سب کی محبت اور اپنا تہیت امبر کے بدگمان  
 دل کو منت فٹ تھی۔ جو اس کا لگاوت کا اظہار  
 کرتا اس کو اس سے اتنی ہی ضد ہو جاتی۔ ساس ننڈ  
 اس کو زہر لگیں۔ وہ رات رات بھر رخصتا سے ان کی  
 جھولی بچی کھاتیں کرتی۔ رخصتا وہ بائیں خاموشی

سے اکیسے میں اپنی ماں بہنوں سے پوچھتا تو ان سب  
 کو شہرہ ڈیٹی دھوکا لگتا اور وہ اس کی ڈیٹی ٹھک نظری اور  
 چھوٹے پچا پر خاموشی سے ہو جاتے۔۔۔ اور پھر  
 آہستہ آہستہ گھر میں ایک ماسلوم ہی دیوار کمری ہوگی  
 سب لیے دے دے گئے تو امبر کو یہ بھی ملکتا،  
 رضا ای طرح اپنی ماں بہنوں کے ساتھ رخصتا بیٹھتا  
 کب شب لگتا لیکن اپنے پہلے کی طرح کوئی اس کو  
 آواز نہ کرکے بلانا کوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ  
 نہیں بیٹھا۔ وہ اکیسے میں بیچ و تاب کھاتی جب  
 لاؤ گئے تھے تھیں کی آواز آتی۔۔۔ اور۔۔۔

☆ ☆  
 تم فکر در کرا رہا۔۔۔ اتھے پرگ بگ ہیں؟ اسنے  
 پہنچے ہوئے تو کچھ سہرا کھینک کر بولے چائیں گے  
 زہمت نے آنکھیں بند کر کے ایک وجدی کیفیت  
 میں امبر کو بتایا۔

☆ ☆  
 اچھا۔۔۔ واقعی۔۔۔ امبر کا دل زور سے دھڑکا۔  
 اور کیا یاد۔۔۔ تم تو بچل ہو جو اپنا دل جلائی ہو  
 بلکہ میں تو بابا سے کہہ کر آیا تھو بیلوں کی کہ رضا بھائی  
 کا دل اتنا بدگمان ہو جائے گا کہ میرا دلوں کی طرف  
 سے وہ رخصتا لے لے الگ کر لے۔۔۔ لیکن کھر  
 میں تو پیش ہی اگک ہوئے۔۔۔ میری جان  
 زہمت نے اس میں عقل کا شوق کو بھڑکایا۔  
 "اگک کھر۔۔۔ امبر کی آنکھوں میں چٹو چٹکے لگے  
 پھر کب چٹیں۔۔۔ اس نے بے باتی سے پوچھا۔

کھل ہی چلو اب میں دو پھر تک تمہارے  
 گھر آ جاؤں گی اور پھر کوئی بھانا نہ کر دوں کل  
 چٹیں گے زہمت اس سے زیادہ ایک اسٹڈی  
 چلو پھر ٹھیک سے بچل کھٹے ہیں۔۔۔ ویسے ایک بات  
 بتا دوں۔ میں تو کسی کو اتنا تھکت نہیں کرانی کہ بہانہ  
 بنانا پڑے۔ میں تو بغیر پوچھے کھل جاتی ہوں۔ امبر  
 کے کچھ میں طمانیت بھرا غرور تھا۔۔۔ اور پھر نوں بند

کر کے وہ سوچنے لگی کہ اس کو بابا جی سے کس کس نوعیت کے تعویذ لینے ہیں۔

☆☆☆☆

پتہ ہے شرک کیا ہے؟ شرک ایسا ہے جیسی اندھیری رات میں سیاہ پیاز کی برکٹی سیاہ رنگ کی چوٹی پر رنگ رہی ہو۔ شرک بہت آسانی سے زندگی میں داخل ہوتا ہے کہ ہم کو اندازہ ہی نہیں ہوتا ہے کہ حضرت بابا بڑبھائی کا قہقہہ معلوم ہے کہ ان کی وفات کے بعد ان کی سنے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا مجھے یہ سوال ہوا تھا کہ ہمارے واسطے کیا پائے ہو۔ میں نے سوچا کہ اور اعمال تو میرے نام ہیں۔ ان کا تو کیا ہوں اللہ میں مسلمان ہوں اور احمد مہری توحید کا ہے اس کو جی کہ دونوں چنانچہ میں نے عرض کیا تو حیلہ لایا ہوں۔

ارشاد ہوا: ”وہ دہائی رات یاد بھی یاد نہیں رہی۔ یہ دراصل ایک واقعہ کی طرف اشارہ تھا کہ ایک رات حضرت بابا بڑبھائی نے دو دھ پتاقہ اس کے بعد پیٹ میں درد ہو گیا تو آپ کے منہ سے نکل گیا کہ ”دودھ پینے سے پیٹ میں درد ہو گیا۔ اس پر ان کی بکڑ ہوئی کہ تم نے درد کو درد کی طرف منسوب کیا؟ کیا یہی درد توحید ہے جس کو تم ہمارے واسطے لاتے ہو درد کو درد کی طرف نسبت کرتے ہو۔ حضرت بابا بڑبھائی نے ارشاد فرمایا کہ ارشاد ہوا کہ ہم تم کو ایسے عمل سے بچنے ہیں کہ تم ہمارا گمان بھی نہ تھا کہ اس سے تمہاری بخشش ہو جائے گی۔ چنانچہ میں شرک نہ کرنا۔ ہم تو بڑے گناہ گار لوگ ہیں آج ہمارے ارد گرد شرک کا بازار گرم ہے۔ ہم سفر پر نکلتے ہیں تو کہتے ہیں گاڑی اچھی ہے۔ پیچے پور ہے ہیں، بھول آ رام دہ ہے، اتیر پورٹ

پر رشتے دار ریسو کریں گے۔ کوئی فکر نہیں ہے اس ساری گفتگو میں اللہ کیا ہے؟ ہم گاڑی پر پیڑوں پر دوستوں پر بکیرے ہیں تو اللہ بھر بھر وہ کیوں نہیں کرتے ہم بیکار ہوتے ہیں تو کہتے ہیں غلام ڈاکٹر اچھا ہے غلام ہسپتال اچھا ہے ہم یہ کیوں نہیں سوچتے اللہ ہمیں شفا دے گا۔ اللہ کے حکم سے اگر ہم غلام ڈاکٹر کے پاس جا لیں گے تو اللہ اللہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ اللہ اللہ..... ماشاء اللہ..... الحمد للہ یہ لفظ اللہ پاک کی نعمتیں ہیں جو ہماری روزمرہ کی گفتگو میں اللہ کی رضا اور اللہ کی خوشنودی اور شکر کو شامل کرتے ہیں یہ الفاظ یسٹین کو بچان میں مبتلا کر دیتے ہیں لیکن یہ الفاظ آج ہماری زندگی سے نکل گئے ہیں۔ الحمد للہ کی جگہ Thanks اور اللہ کی جگہ I Think بولنے لگے ہیں ہمیری بچی ہم کون ہوتے ہیں سوچنے والے ہماری حال کیا ہے؟ مٹی سے بنے اور مٹی میں مل گئے ہیں۔ مٹی سے سوچا میں کروں گی میرا خیال ہے میں جاتی ہوں..... یہ لفظ ”میں“ سارا تکبر ہے۔ تکبر ہوا ہے۔ اور تکبر صرف اللہ پاک کو جتنا ہے۔ تکبر اللہ کی چادر ہے اور جو اللہ کی چادر کو کھینچنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ اس کو مٹی میں مل دیتا ہے..... اور تم جانتی ہو تکبر شرک کی پہلی بڑی ہے۔ ہم ایک سانس لیتے ہیں تو مسلمان دوسرا سانس لیتا تو اسلام سے خارج کیونکہ ہم انجانی طور دن میں نہ جانے کتنی مرتبہ شرک کرتے ہیں تکبر کرتے ہیں۔ تم کو یہ ہے کہ تم کیا ہے؟ کسی چیز سے انکار کفر ہے۔ مثلاً اللہ پاک کہتا ہے سچ بولا۔ ہم جو بھٹ بولتے ہیں تو ہم اس کے حکم کا انکار کرتے ہیں نا..... اور میں نے تم کو کیا بتایا..... انکار کا دوسرا نام کفر ہے..... اللہ پاک ہم کو کفر اور شرک سے محفوظ رکھے ہمارے اعمال میں اپنے لیے حاصل کر لے.....

جہاں آج ہم نے معمولی چند سالہ بزرگیوں کو سینے سے لگائے اس کے بالوں میں لٹکائی پھیرتے ہوئے آجستہ آجستہ دیکھیں ان بارکیاں سمجھیں۔ دینے تو جہاں آجستہ مصروف دیکھیں لیکن روزمرات کو سونے سے پہلے وہ بچی کے سر میں ضرور آجستہ اور پھر کچھ دیر اس کے ساتھ بھی بیٹھ کر اور مٹی لپٹ کر اس کے بدن کی رو داؤتیں۔ کچھ اپنی ہاتھیں..... مٹی اس کو سمجھائی۔ مٹی دیکھ چاہے امیر جمینی کو جتنا بھی غصہ آجستہ اور دھانی رشتوں سے اس کے دل میں کتنی ہی بدگلی ہو وہ بہت باادب رہتی کہ اس کی ماں کی تربیت ہر جگہ اس کے قدم رکھتی تھی اس کا ہاتھ پکڑ لیتی تھی اس کی زبان پر بتلا لگاؤ آج بھی جب روزانہ دیکھیں کہ جہاں آجستہ لاڈلی مٹی کے پاس آجستہ تو اس نے پوچھا..... اہی جب ہم قبر میں جا لیں گے تو فرشتے پوچھیں گے تمہارا دل کون ہے؟ تو یہ بہت آسان سوال ہے ہم آرام سے کہہ دیں گے کہ ہمارا دل اللہ پاک ہے۔ امیر نے معمولیت سے ماں سے کہا۔ کتنی جانا یہ آسان سوال نہیں ہے..... یہ بہت مشکل سوال ہے۔ اس وقت ہمارے منہ سے کیا نام نکلے گا جس کو ہم زندگی بھر اپنا مالک یا نارب سمجھتے رہے۔ جہاں آجستہ قبر کے ذکر پر خوفزدہ ہو گئیں۔ تو اہی ہمارا دل رب کے ممتی میں پالنے والا آج ہی کسی نے بتایا تھا۔ اللہ ہی تو ہے۔ آج ہم مسلمان ہیں ناں کہ انداز پر امیر جمینی کوئی حیران ہوئی..... جیسا الحمد للہ ہم مسلمان ہیں لیکن ہم مسلمانوں والی باتیں نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی موسیٰ اور سلمان ہونے کے قصوں کو پورا کر پاتے ہیں۔ پتہ ہے ہمارا اللہ کون ہے؟ اپنی پریشانی مصیبت اور ضرورت کے وقت جس کا خیال نہیں

میں سے پہلے آئے اور ہم اس کو اپنا مشکل کشا یا آسان لفظوں میں یہ کہیں کہ ہم سمجھتے ہیں یہ ہمارا کام کر دے گا؟ تو اس وقت اس سے وہ ہمارا رب ہوتا ہے میرا جی ہم کہتے ہیں گاڑی خراب ہوگئی میکینک ٹھیک کر دے گا؟ طبیعت خراب ہوگئی ڈاکٹر بہت اچھا ہے ایک دن کی دوا ہی میں ٹھیک کر دے گا۔ مگر جیانا ہے کوئی ٹھیک بات نہیں ہے ہماری مرضی کا کھرے گا؟ ہم نے کب کب اللہ مالک ہے اللہ ضرور کرے گا؟ اللہ سب کا سمجھنے والا ہے زندگی کے ان مرحلوں پر ہم نے میکینک ڈاکٹر اور پیسے کو نارب بنالیا..... ہم مسلمان ہیں ہم اس مٹی کی امت ہیں جو فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری جوتی کا کسمیری ٹوٹ جائے تو اللہ سے امیر ضرور اسی سے دعا کرو۔ جس جانا زندگی بھر اس بات کا خیال رکھنا ہے کہ ہم شرک کی دلیز پر نہ کھڑے ہوں انسان ساری زندگی حاصل اور لا حاصل کے درمیان گھومتا رہتا ہے جو حاصل ہے اس پر شکر لکھیں کہ تالا جولا حاصل ہے اس پر بھی شکر کرتا۔ اللہ کی رضا پر راضی نہ ہوں دراصل سارے مسائل کی جڑ ہے۔ میں تو کتنی ہوں جو باغ جولا مل گیا تو اللہ کا بیکد شکر ادا کر دوں گا۔ وہ دے دے یا جو تم نے چاہا اور جو تم نے مانگا وہ نہیں ملے گا۔ اللہ کا اور یادہ شکر ادا کر دو کہ تم کو دے گا جو اللہ کی مرضی ہوگا۔ جہاں آجستہ ہم کا تم کرتے کرتے اس کے ہنسنے پر سو گئیں اور ہم معمولیت سے سارا دل مٹی کی باری نہ تھا دل مان کے حوروں پر کھل چھل کر خود می ان سے لپٹ کر سو گئی لیکن اس کا دماغ جوں کی توں پلٹ کر دکھائی کہ گردان کر دے گا۔

☆☆☆☆

”ارے داد بھائی جان جیسی خوبصورت می لڑکی اب رضا کے لیے دھوئیں دھیں ماشاء اللہ

لہٰذا اس سے بڑھ کر خوبصورت ہے۔"

تجلی عری میں اس کو پھولوں سے سجائی مطر سے مکانی خاتون نے خوش دلی سے خوشی سے نہال اس کی ساس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں الحمد للہ۔۔۔ لیکن یقین کر دو لہٰذا سے زیادہ میں نے لہٰذا کی ماں کو دیکھا ماشاء اللہ پوری زندگی بھری پری سرسراں میں رہیں چھ چھ تندول کو بھمایا کجا کھڑا اور کسی کی پھٹی سلائی کی ساس سرسرو پلٹ کر جواب نہیں دیا۔ میں نے جب اپنی اچھایاں بہن جہاں آرا میں دیکھیں تو مجھے اپنی ماں کی ایک بات یاد آئی کہ کسی لڑکی کو دیکھنا ہے تو اس کی ماں کو دیکھو" رضا کی خوش دلی سے کہا۔

ہاں۔۔۔ بھابی جان! آپ سچ کہہ رہی ہیں اچھی ماؤں کے پیٹ سے اچھی بیٹیاں ہوتی ہیں اور وہ ایسے جوڑائی سرسراں میں اچھے برے دن خوش اسلوبی سے گزارتی ہیں ان کو شاید لگتا ہو کہ ان کی خوشیاں برباد ہو رہی ہیں یا ان کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے جبکہ ایسا نہیں ہوتا اور دوبار کے بھی اکٹھے کان ہوتے ہیں۔ دنیا کو نظر آ رہا ہوتا ہے وہ عورتوں کو کھل نہیں کھاتیں کھکے کے بیچ چوری ہوئی ہیں جس فصل کو وہ ساری زندگی کرتا رہی ہیں وہ ان کی اولاد میں کاٹتی ہیں۔

اب دیکھیے ماشاء اللہ رضا کے لیے کتنے بڑے بڑے نامور گھرانے اپنے منہ سے کہہ رہے تھے لیکن جہاں آرا میں ان کی خوشیاں آپ کو ان کے گھر لے گئیں۔ بس دعا ہے۔۔۔ ان کی بیٹی بھی ان جیسی ہو۔ خاتون نے گھر سے نکلے ہوئے کہا۔

"اوپنہ۔۔۔ انہیں۔۔۔" امیر بھین کے منہ میں کڑواہٹ کی مٹی لگی۔

☆ ☆

بس بیٹا۔ ساری زندگی اللہ کی ری کو منہ پوٹ

سے تھامے رکھنا ماں باپ ہمیشہ ساتھ نہیں رہتے۔ زندگی میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جب ہم اپنی زندگی کے فیصلے خود کرتے ہیں۔ ایک وقت بھی اپنی زندگی کے فیصلے خود کر سکتی۔ اور جب زندگی میں وہ وقت آئے جب تم خود فیصلہ کرنے کے قابل ہو جاؤ تو تباہ کن سب باتوں کو یاد رکھنا۔۔۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ سوچیں کتنے نور میں ڈوبتی بھرتی امیر بیٹی کی نیند کوسوں دور تھی۔ اضطراب۔۔۔ بچے بیٹھی۔۔۔ نہ جانے کیا تھا۔ ماں کی تربیت۔۔۔ ماں کے دودھ کا اثر روکتا تو آتم زندگی کا جس میں اس کی پیٹھ چھتیا تھیں اس کو فیصلہ کرنا تھا۔ لیکن کیا؟

☆ ☆

تمہیں پتہ ہے بیٹی جانی ہے کہ اس کو دودھ کون دے گا اور میں۔۔۔ میں امیر بھین اشرف المخلوق۔۔۔ میں۔۔۔ میں بھول گئی اپنے خالق کو۔۔۔ اپنے مالک کو۔

میں بھول گئی ہمارے دین میں اخلاق کی کتنی حیثیت ہے! ہمارے نئے پاک اخلاق کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز تھو اور میں نے خدا خدائی کی انتہا کر دی تھی اپنے باپ کے گھر کے ماحول اور پھوسمیں اس کی محبت اور ماں کے اعلیٰ اخلاق کو نہ سمجھ سکی۔ میں اپنی سرسراں والوں کی عزت اور محبت کی قدر نہ کر سکی۔

میں نے شکاری کی اور تم جانتی ہو شکاری کیا ہے۔۔۔ شکاری کی طرح ہے۔

اف۔۔۔ میں نے گھر کیا ہے! نہیں۔۔۔ خربت نہیں۔۔۔ الحمد للہ میرا اللہ بہت مہربان ہے۔۔۔ اس نے مجھے ہدایت دے دی بدگمانی اور بد زبانی بڑے سے بڑے لوگوں

کے ذوال کاسب بن جاتی ہے۔

میری پیاری خربت تمھی تو کر دو اور بائیں۔۔۔ میرے لیے بھی دعا کرو۔۔۔ امیر نے اکیسا غمزہ سی خربت کو جس نے دو پہر کا پروگرام نکلم کرنے کے لیے کال کی تھی۔۔۔ بچے تھے لیجے میں کہا اور اس کی بات سننے بغیر فون کی لائن کاٹ دی۔

☆ ☆

"اچھی ماؤں کے پیٹ بیٹھی کی طرح ہوتے ہیں جہاں کنڈن بیٹی بیٹیاں پیدا ہوتی ہیں تمہاری ماں ایک اچھی خاتون ہیں اور تم میری بیٹی ہو تمہاری روں میں میرا خون دوڑ رہا ہے بیٹا ہمارے خاندان میں بیٹی باپ کے گھر سے ڈولی میں رخصت ہوتی ہے اور پھر سرسراں سے اس کا جنازہ ہی اٹھتا ہے۔ میں نہیں اپنے دوست کے گھر ایک خوشگوار مناسبت کے طور پر بیچ رہا ہوں تم ان کے گھر میں محبت کو ضرب دینا بھی نہیں نہیں کرنا۔

محبت تقسیم ہوتی۔۔۔ اور جو لوگ مجھتوں کو تقسیم کرتے ہیں ان کے ہاتھ ہمیشہ خالی رہتے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ تمہارے ہاتھ اور گود ہمیشہ بھری رہے تمہارے سر پر دعاؤں کی چادر رہے اور تم پر ہمیشہ اللہ کی رحمت رہے۔۔۔ کوئی بھی بات کوئی پریشانی ہو تو اس سے ڈر کر نہ کرنے کا دل نہ چاہے تو جائے نماز گنجائش رکھ کر دے ہر بات کر لینا وہ دنوں کو سکون دینے والا اور بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ فیصلوں کا اختیار صرف اللہ پاک کی ذات کے لیے نہیں جب ہم اس بات پر راضی ہو جاتے ہیں کہ ہوا تو وہی جو اللہ نے چاہا ہے لیکن ہمارے سینے پر سعادت مندی اور فرماں برداری کا ایک ایسا تھمہ بھگائے لگتا ہے جس سے ہمارے ساتھ ساتھ ہماری آنے والی باتیں بھی فیض اعلیٰ ہیں۔ بس تجوید بہت اور توجہ بڑا کر لے کر رہنا۔۔۔ فضیل احمد نے کہا تھا کہ لکھنے میں کمال کے بعد

اکیلے کرے میں بیٹی کو کھانا اور دوشن جانتے تھے کہ ان کے ان جملوں کی بہت جلدان کی لاڈلی کو ضرورت پڑنے والی ہے۔۔۔ کیا قادی؟

☆ ☆

السلام علیک ای جان!

امیر نے انار کا جوس حیران سی ساس کے ہاتھ میں تھا تھے ہوئے محبت گھر سے لے کر بیٹھی کہا۔

وہم السلام۔۔۔ جتنی رو۔۔۔ سدا سدا سن رو! لہٰذا کہاں جاری ہوڈو دایرے پاس آؤ! امیر بھین کی ساس اس کے لیے پر نہال ہوتے ہوئے بوس۔۔۔ بس ابھی آئی۔۔۔ اس نے دامن روم میں قدم رکھتے ہوئے پلٹ کر کہا۔

اس کو ضرور کا تھا۔ وہ شرک کی جس عیڑھی پر اٹھانے میں جا کھڑی ہوئی تھی وہاں سے واپسی کے لیے تجوید ایمان ضروری تھا۔

لا اِلهَ اِلَّا اللہ محمد الرسول اللہ۔۔۔ اس نے وضو کر کے صدف دل سے پڑھا اور جائے نماز بچا دی استغفار کے نفل کے بعد اس کو اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے اور اللہ کی رضا میں راضی رہنے کے عہد پر ثابت قدمی کے لیے اپنے اللہ سے مدد طلب کر لی تھی۔

اور اللہ تعالیٰ کو بڑی شرم آتی ہے جب اس کا کوئی بندہ اس کے آگے ہاتھ پھیلائے اور وہ اس کو خالی ہاتھ لوٹا دے۔۔۔

اس کو یقین تھا کہ اس کا اللہ جب ایک بی بی کو ایمان پر عمل رکھتا ہے تو اس کا دامن بھی ایمان اور بھروسے سے بھر دے گا۔۔۔

اور یہ تو مجھے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اللہ اپنے بندے سے اس کی سوچ کے مطابق معاملہ رکھتا ہے۔ نا!



## دشتِ ظلمت میں

بے حس رویوں پر لکھیے بے انتہا حساس تحریر..... جو آپ کو

آئینہ دکھا جائے گی.....

بے حس رویوں پر لکھیے بے انتہا حساس تحریر..... جو آپ کو

”بہت پیاری لگ رہی ہو آج۔“  
داعیہ برآمد گرم سوٹ میں لمبوں اس کے پیش  
اپنی چیر پر بیٹھ کر ڈارک براؤن اور آف  
سراپے کو نظروں کی گرفت میں لیتے ہوئے اس نے



”ہاں..... نہیں..... ہائے دی وے تم کب  
آئیں؟“ وہ صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ  
درجے کا ادارہ بھی تھا۔

”ابھی جب تم فائل میں گم تھے وہاں سے  
خبر تھی۔ خیر نہیں کیا کوئی آئے کوئی جائے تم اپنی زندگی  
میں مست رہو.....“ کاغذات کا پلندہ اس کے سامنے  
رکھتے ہوئے اس نے شکوہ کیا پھر توقف کے بعد بولی۔  
”معظم تمہاری اتنی بے خبری کی زندگی کا  
روگ بین کتنی ہے۔“ وہ اس کے جذباتی لہجے اور  
اس کی بڑی بڑی آنکھیں خود پر بھی دیکھ کر گڑبڑا گیا۔  
زربیش کے اس کی طرف جھکاؤ کے بارے  
میں تقریباً سب ہی جانتے تھے کیونکہ زربیش نے اس  
بات کو چھپانے کی کوشش کی نہ صرف محسوس کی تھی  
بلکہ سچے انداز میں وہ آتے جاتے کوئی نہ کوئی ذہنی  
جملہ اس کی طرف اچھال جاتی اور وہ دیر تک کوفت  
میں جھلا رہتا کیونکہ اس کی سلطنت دل کی مکمل زمین  
ملک تھی یہ اور بات تھی کہ زمین کے نزدیک محبت و دلت  
کا خیال تھا اس کی زندگی کا مقصد اس کا Passion  
بیزار محبت شادی نہیں بلکہ اس کا پرفیکشن تھا اور زمین  
اپنے اور اپنے پروٹیکشن کے درمیان شادی کی کوئی  
دیواری الوقت کھڑی نہیں کرنا جانتی تھی

”زربیش آجائے بیو کی پیچھے کاہنٹ لیتے ہوئے  
اس نے معظم کی حالت سے بحر پر لطف لیا تھا۔  
معظم نے جارحانہ انداز میں اسے گھورا۔  
جائے کی آفر کا مطلب تھا کہ مجھ سے زربیش دو کی  
بجائے چار کھٹے تک میگزین سیکشن کو روکنے نہیں گی۔  
وہ جھلا کر رہ گیا۔  
”ہاں ہاں..... کیوں نہیں جائے کے ساتھ اگر  
کچھ خستہ کرادہ بھی ہو جائے تو مزہ ہی آ جائے گا۔“ وہ  
کسی پر مزید جھیل گئی۔  
”اوکے میں دو منٹ میں ہوائی صاحب کو یہ

حسب معمول بڑے جذب سے کہا تھا۔  
”یہ تو کم روز ہی کہتے ہو کوئی نئی بات کرو“ ماتھے  
پر آئی بالوں کی ایک آوارہ لٹ کو اس نے کان کے  
پچھے اڑسا۔ انگلیاں مسلسل کی بوز پر حرکت کر رہی  
تھیں اور نظریں ہنوز ڈیپٹر سکرین پر جمی تھیں۔  
”اب تم روز ہی اچھی لگی ہو۔ بندہ کیا کرے۔“  
”اچھا جی ابے حد شکر ہے۔“ بہت مصروف  
انداز میں اس نے تیزی سے انگلیاں چلاتے ہوئے  
کہا پھر ہر دم کے جذبات سے غاری تھا۔  
”تم تو لازمی سرد مزاج ہو“ معظم بد مزہ سا  
ہو کر رہ گیا۔  
”جناب وہ سنا تو ہو گا آپ نے کہ اور بھی غم  
ہیں زمانے میں.....“

بات ابھوری چھوڑ کر وہ زربیش مسکرائی اور  
لوہیہ کے لیے نظروں کا زاویہ معظم کی طرف چھلایا اور  
اگلے ہی لمحہ دوبارہ ٹیکنیک کی طرف متوجہ ہو گئی۔  
”ہیلو گاڑ واٹس اب“ نیوز سیکشن کی زربیش  
کاغذوں کا پلندہ اٹھائے اندر داخل ہوئی۔ اپنے  
بہت سارے آرٹیکلز کو وہ معظم کی مدد سے ہی قابل  
اشاعت بناتی تھی۔ معظم نے بڑی بھرتی سے سامنے  
پڑی فائل اٹھائی اور ایک دم ہی بہت مصروف نظر  
آئے لگا۔ زمین کے چہرے پر بے ساختہ شوخ سی  
مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”آؤ زربیش..... کسی ہو؟“ زمین نے  
آگے بڑھ کر احتیاطات نبھائی۔ وہ اپنے پیچ کی  
ٹائپنگ تقریباً مکمل کر چکی تھی۔ معظم ہنوز فائل میں گم  
تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اب زربیش کم از کم دو دن تک اس  
کا سرخوردہ رکھائے گی۔

”ہائے معظم مصروف ہو گیا؟“ وہ اپنی شوخ و  
چٹکل شخصیت کے ساتھ بین اس کے سامنے بیٹھی  
بڑی معمولیت سے پوچھ رہی تھی۔

دے کر آئی، نرین نے کہہ کر پرنٹ آؤٹ کو سنبھالو اور اخبار کے بیچ اے بیٹر کے کمرے کی طرف بڑھ گئی وہ نرین کو دل میں صلاؤ میں سنانے لگا۔

☆☆☆☆

”یہ تم نے کیا لکھا ہے؟“ وہ آفس آئی تو معظم نے کچھ کاغذ اس کے سامنے پٹے۔  
”تجربہ سارے پاس کیا کر رہے ہیں“ ہینڈ بیک میز پر رکھ کر کھانا کھاتے ہوئے وہ بے اختیار گویا ہوئی۔

”بھائی صاحب دے کر مجھے ہیں کانی فیسے میں تھے۔ تم جاتی ہو کہ پہلے کیا تجربہ سارے ایک آرنیکل کے شائع ہونے پر وہ کس قدر برہم ہوئے تھے اور پتہ نہیں کس کس سے انہیں معذرت کرنی پڑی تھی۔“  
”ایسا کچھ غلط نہیں لکھا میں نے؟“ اس نے اپنے آرنیکل کے صفحات کو الٹ پلٹ کر دیکھا جا تھا سرچین استعمال کیا گیا تھا۔ ہر وہ بات کاٹ دی گئی تھی جو حقیقت کا شکار کر رہی تھی کیسی حقیقت۔  
”اگر تجھارے والدہ بھائی صاحب کے دوست ہوتے تو یقیناً بانو وہ دب کے تجھیں فارغ کر چکے ہوتے۔“

”اگر حق بات کہنا جرم ہے تو ٹھیک ہے میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں مجرم ہوں۔“  
”وہ سن لکھے میں ہوں۔“

”ہاں جرم ہے اس معاشرے میں اس ملک میں حق بات کہنا جرم ہی ہے“ اس نے دوبارہ جواب دیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کس مصیبت میں گرفتار ہو گیا اسے حق بات کہنے کا شہیاد مہکتا پڑے۔

”تو کیا جو کچھ غلط ہو رہا ہے وہ ہونے دیا جائے اور کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے بیٹھ جائیں؟ ہمارے بیٹرس مسائل تو صرف ظلم اور انصافی کے خلاف آواز نہ اٹھانے اور چپ سادھے رہنے کی

جس سے سپر سٹریٹ معظم“  
”تو کیا تم سمجھتی ہو؟ تم اس طرح کے آرٹیکل لکھ کر معاشرے کے سارے مسائل حل کر دو گی معاشرہ سدھار دو گی؟“

”میں نے اس بات کا دعویٰ ہرگز نہیں کیا مگر اپنی طرح جو میں کر سکتی ہوں وہ کروں گی۔“  
”ہنں تو پھر جاری روزی روٹی کا خدا ہی حافظ؟ اس نے دعا پڑھا میں اچھا اٹھانے۔“

”اب یہ آرٹیکل ہی دیکھ لو کہ انہیں کوئی اور موضوع نہیں ملتا؟ جس طرح تم نے میرے سسٹم کے سلفے کیے ہیں اور جن لوگوں کو تم نے ملک کی معاشی و معاشرتی بد حالی کا ذمہ دار قرار دیا ہے جاتی ہو اگر یہ آرٹیکل ہوئی کئی شائع ہو جاتا تو کیا ہوتا؟ نہ صرف اخبار کا بند ہو جاتا مگر سنی تا بلکسا اس سے جڑے لوگوں کا روزگار بھی ختم واصل ہو جاتا۔“

”اور اس سب کا ذمہ دار کون ہوتا؟ میں؟ یا پھر یہ سسٹم اس نے نکات دار لیے ہیں اشتہار کیا۔“  
”اگر تم جانتی ہو کیوں نہیں ہوگی۔“ معظم کو

اس پر غصے کے ساتھ چہرہ پر آ رہا تھا وہ جانتا تھا کہ غلط ہے اور نہ ہی اس کا ٹکڑا کر دہا اسے سمجھا تا کہ آزادی میڈیا کے نعروں کے پیچھے جو قید وہ کٹ رہے ہیں جن میں ان کی بیوی بچوں میں وہ جکڑے ہوئے ہیں ان سے لی الوقت کچھ کارکن نظر نہیں آتا۔

”میں سمجھتی ہوں اور اس کے لیے پتہ براشتہار بھی کرتی ہوں“ مگر تم اور تم جیسے بیٹر لوگ کچھ کر سکتی انجان بنے بیٹھے ہیں۔۔۔۔۔ اپنے اپنے مفادات کی خاطر۔“

”مفادات نہیں ڈیئر مجبور یاں“ اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر کرسی کی پشت سے سر اٹھایا۔

”مجبور یاں کب مفادات اور مفادات کیسے مجبور یوں میں تبدیل ہوتے ہیں یہ تم بھی جانتے ہو

اور میں بھی۔“ اس نے استہزا یہ انداز میں سر جھکا۔ معظم لہجہ جواب تھا۔

☆☆☆☆

گاڑی مال روڈ پر تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ وہ تیزوں پر بس کلب میں ہونے والے ایک ایونٹ کی کورنگ کر کے واپس جا رہے تھے رات دھنسنے کے ساتھ تو وند بھی بد قسمتی جاری تھی۔ مال روڈ کے اطراف میں گئے گئے تھے اور درخت وند میں لپٹے عجیب پر اسراریت پھیلا رہے تھے۔

”کیا حاصل حصول ایسے ایونس سے تراپیے اور وقت کا ضیاع۔“ یہی جیسا کہ۔۔۔۔۔

”جیلز نرین کوئی کچھ اشتاد کر کے موڈ مت خراب کرنا۔“ مجھے تو اشتاد ہونے لگا ہے تمہارے نظریات سن کر۔۔۔۔۔ چل کر پارڈر میں لپے لاپے ردا سے جیٹوگ چاہتے ہوئے اس کی کالی کالی توہ کھول کر رہ گئی۔ معظم کے چہرے پہ بے اختیار کھراہٹ دوڑ گئی۔

”تم دھیان مت دو میرے نیچر پر۔۔۔۔۔“

تمہارے نچلے ہونٹ کے بائیں کونے سے لب اشک خاص پھیل چکی ہے۔ شاید تم نے کھانا کھانے میں کافی بے احتیاسی سے کام لیا۔“ نرین نے کہاں حساب رکھنے والی تھی صحت بات اس کے منہ پر دے ماری دفعتاً معظم کا قبضہ بے ساختہ ختم۔

ڈیئر جی جیسے میک اپ کے بارے میں خاصی کوشش کی۔ فوراً سنے کے لیے ہینڈ بیک سے آئینہ نکال کر بخور جا تڑھ لی گئی۔

”ہم کہاں جا رہے ہیں۔“ اس نے گاڑی آفس کی بجائے دوسرے راستے پر ڈال دیے اختیار ہو چھا۔

”جہاں تم کو۔۔۔۔۔“ ڈیئر جی نے بازو جو دیکھ وہ نہ کہہ سکا جانتا تھا کہ کوئی جاکر جواب دے لے گا۔ ”آج کس کریم کھانے۔“ اسٹیئرنگ پر ہاتھ

جمائے اس نے ایک بھر پور نگاہ اس پر ڈالی اور پھر سامنے دیکھنے لگا اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی کچھ سیٹ پر ٹھکی زربش خوشی سے اچھل پڑی۔ میک اپ درست کرنے کے بعد اس کا اعتماد بحال ہو چکا تھا۔

”ہائے اللہ! معظم تجھیں کیسے پتا کہ کچھ پر سردیوں میں آکس کریم کتنا اہمیت ہے۔“ وہ حسب خواہش چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی غصہ مٹا اپنے ساتھ تھکی کر لیا کسی بھی اور وہ کس کر رہا جاتا۔ اس وقت بھی وہ منہ بنا کر چپ ڈرا نیگ کر کے لپٹے گاڑی کی ہلکی ہلکی وند کو چہرلی فوڈ اسٹریٹ پر جا رہی۔

☆☆☆☆

دکھ موسم کے پیش نظر انہوں نے اندر کی بجائے باہر بیٹھے کوچ دی گئی تھی۔ اس کے سامنے اس کی پسندیدہ چاکلیٹ اینڈ وٹلا آکس کریم دھیرے دھیرے چھلکی جاری تھی جس کی نظریں ایک تک اس پانچ فٹ چار انچ کے ہاتھوں و دو پر مرکوز تھیں جو کافی دیر سے سامنے والی میز سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی جہاں ایک خوش پوش ٹیلی کھاٹا کھانے میں مصروف تھی۔ میز پر موجود طرح طرح کے پکوانوں سے بھر پور انصاف کرتے ہوئے نہ سخت سے اس کی کچلی جیت عورت کو دیکھنے اور پھر سے کھانے میں مگن ہو جاتے تھے۔ دینے والے دھن دار اسے کھڑی کھڑی سنا کر وہاں سے بھاگتا مگر کچھ ہی لمحوں میں وہ پھر وہاں آکھڑی ہوتی تھی۔

اس کے چان پر جو پولیاس نہ صرف اپنی اصلی رنگت کو چھپاتا تھا بلکہ اسے خون چھد کرنے والی سردی سے بچانے میں مکمل طور پر ناکام ہو چکا تھا۔ نرین نے دکھ سے اسے دیکھا دل میں ایک بیس کی تھی تھی۔ ”ایئر ایئر تو ہوتے جا رہے ہیں اور غریب غریب تر۔“

[illegible]

جیسے ہی وہ چمکی کھانا کھا کر بچوں سمیت اپنی نشستوں سے اٹھی، پہلے چیکٹ کے سامنے لباس میں لمبوس وہ عورت برق رفتاری سے آگے بڑھی مبادا دیگر کھانے کے برتن اٹھالے جائے۔

اس نے اپنی بعل میں دبا ہوا سیدہ سنا ایک شاپر  
نکالا اور پھرتی سے بچا کچھا کھانا شاپر میں بھرنے لگی  
انتظار ختم ہو گیا تھا امید برآئی تھی۔

پہلی ہوئی دونی کے بہت سے ٹکڑے کڑا می  
میں پڑی کروں گی نہ چھوٹی چھوٹی بیویاں مری کے  
لیگ جیسے ہے چکا تھوڑا سا شہرت اور بچا ہوا سلام  
اس کے جلدی جلدی شاہ میں غلام اور ذرا سہریت  
کے ایک نیم کارہ کوشے میں بیٹھے اپنے بچوں کی  
طرف بڑھتی ہیں کے چروں پر ماں کے ہاتھ میں  
کھاد کر کے روٹی چھوٹی پڑی گئی۔ اس کی سرکس اس  
کے حلق میں گویا کے طرح پھنس کر روٹی کی منظم  
اور زلیں اس کی حالت سے ہے خبر نہ آئے اور  
فیروز کے بارے میں اس کی فکر نہ تھی۔

”کیا میں بہت زیادہ حساس ہوں یا یہ لوگ بے حس ہیں۔“ اس نے سوچا۔  
وہ نے تو مجھے تہاویں قابلیت پر کوئی شک نہیں مگر تم نے لاسٹ ویک جو پتھر کھینچا اسے بڑھ کر تو میں بھی تہاویں فین ہو گئی ہوں۔“ زریں نے منہ میں آنکھ مچھرتے ہوئے پرجوش انداز میں کہا۔  
”کون سا؟ وہ میرا دل کیسا بڑا والا،“ معظم

نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا  
 ”ہاں۔۔۔ ہاں وہی۔۔۔ کمال کر دیا کرتے تھے  
 ۔۔۔ حال میں ہی جو بیڑا اس نے تجربہ ہوا ہے اس کے  
 ارے میں تمہاری معلومات حیرت انگیز ہیں یار۔۔۔  
 تمہارا جو اکثر بہت پر اڈا ٹل جاتا ہے کہ ہمارے پاس  
 یہی بیڑا کھینچا لوں گی کہ جسٹرمہماک صرف اس  
 کے بارے میں سوچ ہی سکتے ہیں۔“

☆.....☆  
 پر جوش انداز میں گفتگو کرتے ہوئے زور لیں  
 ایک اور آنکسکریم کہیں کا آ رہو دے چکی تھی۔

”بی بی جی روئی“ وہ خود کو کپڑوں کرنے کی  
 کا کام کو پیش کر رہی تھی۔ جب ایک تنگ دھڑنگ  
 بچے نے اس کی گرم شال کا پلو پکڑ کر کھینچا اس نے  
 دیکھا ایک جھوٹا سا ہاتھ جس کی پشت سردی کے  
 باعث خشک اور پھٹی ہوئی تھی اس کی گرم اور قیمتی شال  
 کا پلو پکڑے کھڑا تھا۔

زمین نے سچا اقرار اپنے نرم گرم اور صاف  
 سترے گداز باغوں کو دیکھا  
 "لوہی ایک تو یہاں بڑی مصیبت ہے  
 فقیروں کی ایک پوری فوج فقر و موع ہے یہاں  
 ایک کے بعد دوسرا خیر اور چھوٹا جب تک بیٹھے  
 ہوں ان کی کٹی رتی ہے میں تو آئی ہوں سے بہت کم  
 کی ہوں اس کو فدا و اسطر میں۔ "زمین نے سچے  
 دیکھا تو سب کو فدا میں۔ "مطمئن خاص خاص تھا زمین  
 نے پہلے تو کہ سے زمین کو دیکھا پھر اس پانچ سالہ  
 بچے کو جس کی حالت نہ نکلتی بہت سی

”الہیہ“  
”عے خنی“  
”زیریں دوا رہہ معقم کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔“  
”آج کل کس موضوع پر لکھ رہے ہو۔“  
”دفاعی شعبے کی ترقی پر“ دوا بی آئی اسکریپٹ ختم

کر چکا تھا۔  
 ”روٹی!“ ایک معصوم آواز نے فضا میں  
 ارتعاش پیدا کیا۔

”او! ازبردست آلی تو“ یہ تمہارے پسندیدہ موضوعات ہیں۔“ اس کی نظر میں سناٹا نہیں لہجے میں وہی والہانہ پن تھا جو مظہم کی موجودگی میں عموماً اُٹھتا۔ زمین سناکت تھی۔

”بی بی روئی!..... بھوک لگی ہے۔“

وحدہ مجری فضا میں بڑی اپنل بھی ہوئی تھی۔  
کناٹ کی تسلسل سے آئی آوازیں، باربی کیوں  
بہک چکن کڑھی، منن کڑھی، چائیزہ جائے، قہوہ  
اُس کریم فالوڈہ، قلنی پوری کی پوری خود اسٹریٹ  
دیکھی بدیسی کھاؤں سے بہک رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں مرچیں سی بھرنی تھیں۔  
 بے فکری سے موج سستی کرتے طالب علم اپنے  
 کلاس فیملیز، قہقہے، رنگ دبو سب کچھ آنکھوں سے  
 دھسل دھسل ہو گیا تھا۔

اسے لگایا منظر سائیکھ رہے ہیں۔ ہر طرف بھوک کے ہیبت ناک سائے منزلدار ہے تھے بھوک جو اندھی ہوئی ہے جو انسان کو کفر تک لے جاسکتی ہے۔

پوری فوڈ اسٹریٹ میں اسے صرف ایک آواز  
سنائی دے رہی تھی۔

”روٹی کراتی، تین کرتی آواز۔“  
”شام غربیاں کا آخری نوحہ۔“  
”روٹی..... روٹی“

”نرمین..... نمی..... آریو او کے؟“ معظم  
اور زریں کی آوازیں کسی پاتال سے آتی محسوس  
ہو رہی تھیں.....  
دھندلتی بڑھتی تھی کہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

غفر

خورشید اقبال حیدر

تہیں بھلانے میں اب تک نہ کامیاب ہوئے  
پچھڑ کے تم سے مرے روز و شب عذاب ہوئے

محبتوں میں وہی چاہتوں کے باب ہوئے  
تمہارے ہجر میں لکھے جو غم کتاب ہوئے

تمہارے قرب میں گزرے جو لمحے یاد بنے  
تمہارے ساتھ گزارے جو دن وہ خواب ہوئے

غزل میں تم سے ہی رہتی ہے گفتگو میری  
جو زخم تم نے دیے تھے وہی گلاب ہوئے

جنہوں نے راہِ وفا میں مٹا دیا خود کو  
نصابِ وقت کا وہ لوگ اقتساب ہوئے

دو جن پہ ساتھ گزارے تھے رات دن ہم نے  
قدم قدم پہ وہی راستے عذاب جوئے

یہ چاند تارے یونہی ہیں رداں دواں خورشید  
ہم ایسے لوگ تو پانی پہ بس حباب ہوئے  
☆☆

”معافی چاہتی ہوں۔ زارا کی طرف سے..... اصل میں اکھوتی ہے..... شادی کے دس برس بعد پیدا ہوئی ہے۔ اُس کے ڈیڈی کے بے انتہا باڈی پارے صدی اور خود رس بنایا ہے۔ کوئی بات بھی نہیں ہے۔ تے اُس کی۔ ادھر اُس نے منہ سے بات

وہ بھی اپنے والدین کی لاڈلی اکوٹی میں بیٹھ گیا۔  
 وہ اپنا آپس پر چاٹ بچھا دکر تھے۔ اُسے دیکھ کر  
 بیٹھے تھے۔ اُس کی ہر جائزہ نامہ زخاں خواں پوری کی  
 جان لیا کرتا تو یہ کیا نہ تھا۔ ایسی صورت حال نے  
 شہزادی خورشید اور وزیر ہاشم کو بھی بہت ناگوار  
 محسوس کی تو ان کی طرف نظر نہ پڑا۔ لیکن ہاشم اپنا اپنا  
 کسے پر بھی نہیں لڑی کیسے باب اور شہزادی کو بائیں  
 پہنچانے کے جرات میں نہ رہا تھا وہ خود کو دنیا کی حسین  
 ترین لڑکی سمجھنے کی بے شک انکھوں، حساب جسم،  
 محنتی رنگت اور دل و دماغ پر لباس نے اُس کی شخصیت کو  
 چار چاند لگا دیے تھے۔ ایسے میں کون جی ایک ایک بار  
 اُس کی شکل کے رنگ کے اُسے بکھا۔

”تم بہائی ہو کتنی لڑکیاں لاشن میں ہیں..... میری ایک نظر کمر میں گھسے..... اگر تم دھس مٹ  
اور نہ آتے تو میں کس کی اور کو بلانے والا تھا۔ وہ شوگر کو کرکے مجھے تپ کر برس آ گیا۔ تمہیں اس  
مال دولت کی زیادہ ضرورت ہے۔ وہ لڑکی تو ادنیٰ ملک اس سے تعلق رکھتی ہے صرف.....

آج سز صدیقی ارفع کی طرف آئیں تو ساتھ  
 زارا بھی تھی۔ کچھ چڑی ادرستی لگ رہی  
 تھی۔ ارفع نے کچھ نگر بندی سے دس سالہ زارا کی  
 طرف دیکھا۔





”جہیں تو ماؤں ہونا چاہیے تھا۔“

”کیوں؟“ وہ بڑے باز سے بولی۔

”تم خوبصورت ہو، پال خوبصورت ہے اور پھر مذہبی خوبصورت ہے۔ یہ ساری خصوصیات جب ایک لڑکی بھی جمع ہو جائیں تو اسے ماؤں ہی ہونا چاہیے۔ پھر جہیں لباس پہننے کا جلتی ہے۔ بلکہ تم خود اپنے لباس ڈیزائن کرتی ہو۔ نیچرل ٹیلنٹ ہے تمہارے پاس۔“

”مگر اگر وہ تصور میں ریپ پر کیٹ واک کرتی یا ڈانکو دیکھتی رہی۔۔۔ لی وہی پرکشی بارشور دیکھے تھے۔ اب ذرا زیادہ توجہ سے دیکھنے لگی۔ بریڈ ہنسوات کے موٹے موٹے میگزین پر گھرائی اور گھنٹوں ڈانکو کی تصویر دیکھیں۔ پھر اس نے خود کو اس روپ میں دیکھنا شروع کر دیا۔ کئی ریپ پر بڑے خوبصورت انداز میں چلتا، کئی میگزین کے لیے خوبصورت لباس، میجر اسٹائل اور میک اپ میں فوٹوشٹ کرانا، ہر طرف سے تعریف کے پھول برستے تو اس کی آنکھوں میں غرور اور گراں گھرائیاں پلٹ اور خواب دیکھتے دیکھتے کب یہ اس کے دل کی سب سے بڑی آرزو بن گئی اسے خبر نہ ہوئی۔ اسٹریٹس گنگنا کر وہ اس لینڈ میں نہ آئی تو اس کی سانس ٹپک جائے گی۔

”اما۔۔۔ میں ڈانک کی دنیا میں قدم رکھنا چاہتی ہوں۔“ ایک روز تیشے کی میز پر اس نے جیسے لاما اور پاپا کے سروں پر ہم کر دیا۔ اما کے ہاتھ سے چائے کا کپ کر کرنا اور کمر چاٹنے سے بازو جھٹنے پر سی کی آواز انہوں نے ہونٹوں میں ہی ڈالی۔ پاپا کا منہ کی طرف جاتا ہاتھ درمیان میں ہی کب کیا۔

”کیا ہوا۔۔۔؟ اس کی آنکھوں میں ہانپوری آ رہی تھی۔ آپ لوگوں کو صاب کیوں سمجھ گئی۔ میں

نے کسی ان ہونے کا نام تو نہیں لیا۔“

”ماؤں۔۔۔“ پاپا نے آج الگ ہی نظروں سے

اُسے دیکھا۔ ”تم جانتی ہو کسی دنیا ہے یہ ڈانک کی دنیا۔ جہیں اس کی چمک دیکھ نظر آتی ہے پینا۔۔۔ لیکن اس کے اندر کیا ہوتا ہے تم نہیں جانتی ہو۔ تم ابھی بچی ہو۔ تم نے دنیا نہیں دیکھی۔“

”اول تو میں بچی نہیں ہوں۔“ وہ الفاظ چپا چپا کر بولی۔ ”اور یہی دنیا کی بات تو وہ آپ لوگ مجھے دیکھنے دیں گے تو دیکھوں گی نا۔۔۔ کب تک کسی چیز نے کی طرح پردوں میں چھپائے رکھیں گے۔“ ڈیڑی سیٹھ شور سے اُسے دیکھنے لگے۔ لاما تو اس صدمہ سے چپ بھئی۔

”ہم نے کبھی تمہاری کوئی بات مانی ہے۔۔۔ ہمیشہ تمہاری خواہشات پوری کی ہیں۔“ ”اپ تو جال رہے ہیں نا۔۔۔ میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش کے آگے دیوار بننا چاہتے ہیں آپ دونوں۔۔۔ اگر ایسے ہی کرنا تھا تو کیوں میری ہر بات مانی۔ کیوں مجھے اتنی آزادی دی۔ مجھے سات پردوں میں چھپا کر رکھے۔ مجھے کبھی انکا بھی کرنے، مجھے بات تو نہ ہوتی اپنی بات سنوانے کی۔ میرے دل میں خواہشات تو پیراٹھ ہوتیں۔“

دور نہ لگی۔ پاپا بڑبڑا رہے ہوئے۔ ”جیسے ہم تمہاری بھلائی کے لیے کہہ رہے ہیں۔ تم نہیں جانتی یہ دنیا کتنی ہے پاک اور۔۔۔“ ”آپ خود اچھے ہوں تو کوئی بری چیز آپ پر اثر نہیں کر سکتی۔“ ہادی تو ہم تو تو عدت سے ہر چیز کو بدنام کرنے کی۔ ہر بات پر کھچڑا چھالنے کی۔ ”اور لیچ چپ ہو جائی۔“ پاپا چلی رہی تھی سے

بولے۔ ”میں جہیں ہرگز جہازت نہیں دے سکے۔“

”میں آپ کو بتا رہی ہو پاپا۔۔۔“ وہ سخت لہجے

میں بولی۔ ”جہازت نہیں دے سکتی۔“ پاپا صدمہ سے سے کچھ دیر تک بول ہی نہ سکے۔ اما سانس پھٹی اُسے یوں دھکتی رہیں۔ جیسے پتھر کے جیسے میں تبدیل ہو گئی ہوں۔ پاپا سے کہنا چاہتے تھے کہ اگر تم نے اپنا فیصلہ نہ بدلا تو اس کمر میں نہیں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ لیکن کچھ کہنے کی ہمت نہ کر سکے۔ شاک اتنا بڑا تھا اور یہ بات شاید انہوں نے آخری حرجے کے طور پر بجا کر رکھی تھی۔ اصل میں انہیں یقین ہی نہیں تھا کہ وہ خود سے کوئی اتنا بڑا قدم اٹھا سکتی ہے۔ لیکن یہ اس کی خوش فہمی تھی۔

انہوں نے خود ہی اُسے اس مقام تک پہنچایا تھا۔ اس کی ہر جائز ناجائز خواہش پوری کر کے اُسے آزاد نغماؤں میں اُڑنے کا اختیار دیا تھا۔ پاپا کام پر چلے گئے تو مائے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور اپنی نظروں سے اُسے دیکھا۔

”ہماری عزت کا خیال رکھنا۔۔۔“ ”اور وہ کوا۔۔۔؟“ اُس نے مجھے سے ہاتھ پر ہاتھ ”مڈل کلاس گھرانے اپنا کو ہر وقت اپنی عزت کی فکر کیوں پڑی رہتی ہے؟“ ”اس لیے بیٹا کہ ان کے پاس عزت کے سوا کیا ہوتا ہے؟“

”ہاں! داوے عزت آخر ہوئی کیا بیلا ہے۔۔۔ جو ہر وقت جرات میں اس کا دھندلے روپا چاٹتا ہے؟“ ”عزت مڈل کلاس تعلیم کے لیے سب سے قیمتی چیز ہوتی ہے۔“ ”جتنی چیز میں میں لاکروں کی ماما۔ میں

ہوں آپ کی سب سے قیمتی چیز۔“ ”جی ہاں! سب سے زیادہ قیمتی چیز ہو۔ ہماری عزت ہو، اس کی حفاظت کرنا اور نہ تمہارے پاپا کیس کے نہیں روکیں گے تم انہیں بہت عزیز ہو تمہارے بھائیوں روکیں گے وہ۔“ لاما روئے نکلیں تو وہ دھڑکی۔ ”میں کیس میں تو نہیں رہی ماما۔ کہ وہ میرے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔“

”تم نہیں سمجھ سکتیں۔ میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔“ لاما نے دہنے سے اپنے آسوپہ اٹھتے ہوئے کیسے اندر چلی گئی آج تو خوب تیار ہو کر اسے فوٹوشٹ کر دیا تھا۔ کسی جھگڑے تو گوراف سے وقت لے لے رکھا تھا۔ اتنے ہی پتہ تھے ہی اُس کے پاس۔

ان دنوں ڈانک کی دنیا میں اسنے زیادہ روشن ستارے نہیں تھے۔ ایک فردا کی گھنٹی تھی جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ جس لوگ کو چاہے آسمان پر پہنچا سکتا ہے۔ دوسری کئی ارسلان احمد کی۔ اور وہ اُس دور کی سب سے خوبصورت اور کامیاب ماؤں تھی۔ مادہ کو ڈانک میں متعارف کروانے کا کامیاب ارسلان احمد کے گھر تھوڑا سا دن ڈانک کی دنیا کے آسمان پر روشن ستارہ بن کر پھری آج و تب کے ساتھ چلی گئی۔ پھر مادہ نے ارسلان احمد سے شادی کر لی۔ ڈانک وہاں آگئی رتی تھی۔ اور اب کئی کئی کامیاب تھی۔

فردا کی گھنٹی میں کی مشہور ڈانک تھیں۔ فرماؤ خود بھی چند کمزور دروازہ ڈانک تھا۔ اُس میں بھی ماؤں بننے کی پوری صلاحیت تھی۔ لیکن اُس نے ماؤں تیار کرنے اور دنیا کے سامنے پیش کر کے شہرت اور دولت بنوڑے تو زیادہ اہمیت دی۔ اور ایک دروازہ فتح اپنی تدبیر سے کفر ہانکے پاس پہنچ گئی۔ وہ اپنی لینڈ

میں زیادہ کامیاب تھا۔ کسی پکڑیگے نہ لے سکے بعد اسے  
 طاقت کا سامنہ ملا۔ فریاد نے سر سے پاؤں تک  
 اپنی آنکھوں کی ایک سرے میں سے اس کا جائزہ لیا  
 اور پھر لاہر والی سے تصویروں کی طرف متوجہ ہو گیا  
 ایک نظر دیکھا اور سائیز پر ڈال دیا۔ جیب سے  
 سگریٹ نکال کر کایا اور پھر اس کی طرف دیکھا۔  
 ”کی شہادت سے خواہش مند ہو کر ڈال بنے  
 کی۔“

”نہیں سر۔“ کوشش نہیں۔ مجھے مائل بننا  
 ہے اور ضرور بننا ہے۔ ہر قیمت پر بننا ہے۔“ وہ  
 بڑے ارادی سے ہیرے کو کیاں نہ کر کے دیکھنے کی۔ تو  
 فریاد کا دل اطمینان ہو گیا۔  
 ”ہر قیمت پر۔؟“ فریاد کی آنکھوں میں  
 عجیب کی چمک نکلی۔  
 ”ہاں ہر قیمت پر۔“ وہ استقامت بھری  
 آواز میں بولی۔

”سربہ میرے دل کی اور کین خواہش ہے۔ مجھے  
جنون سے ڈانٹنا۔“  
”کوئی کچھ ہے، ڈانٹ کا۔“  
”خیر تو آپ سبوح ورس تو حاصل ہوگا  
تا۔“ اربنہ دیکھ کر ہنستے ہوئی۔  
”جس نے سربہ کو کھنسا لیا اور پھر  
اُسے دیکھا۔“

دیں گے؟ یہیں جہانپاتی ہو کر؟“

”جلواری فائل اٹھاؤ اور چل جاؤ۔ تم بھی ماڈل نہیں بن سکتیں۔ تم اگر دات سات بجے گھر سے نہیں نکل سکتیں تو ماڈل کیسے بن جاؤ گی؟ ہماری زیادہ تر حکومت دات میں ہی ہوئی ہیں۔“

”آئی ایم سواری سر۔۔۔ آپ معاف کر دیں مجھے۔ میں تھک جاؤں گی۔“

”میں تمہیں ایک اور چانس دیتا ہوں..... لیکن اگر تم نے ایک اور بار یہ الفاظ دہرائے کہ تم لٹاؤ دقت نہیں آسکتیں تو پھر کبھی مجھے اپنی شکل نہ دکھانا..... اپنے خواب کو سینے کے اندر ہی دیا جائے گا، یا پھر خواب دیکھنا بند کر دو۔“ وہ ہے انتہا سخت سے بولا۔

اور فحش و فحشاء سے دیکھتے ہوئے  
 ”اب کیا دیکھ رہی ہو؟“  
 ”سورجی سر۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔“

☆.....☆.....☆

وہ صابری رات اُس نے آنکھوں میں بھی گئی۔ سسکی  
بھی صدفی خود سر اور آواز خیال بھی گئی تو وہ ایک  
لاڑکی..... لانا پاپا سے محبت کرنے والی..... دل و  
دماغ میں جنگ ہوئی ہی اور درات کے جانے کو  
سے بہرہ ورانے والی کو شکست دے دی۔ یہ  
میری زندگی ہے۔ اس پر سب سے زیادہ میرا حق  
ہے۔ آخر میری بھی کوئی ساری ہے۔ میں ان کی بھی  
ضرور ہوں، جاگیر اور زمین ہوں۔ میری بھی کئی  
خواہشات ہیں۔ ارمان ہیں، میرے بھی کتنے یہ  
سچی خواب ہیں جن کو یہ بھی پڑا نہیں کر سکتے اور اگر  
نہیں کر سکتے تو کیا مجھے جن نہیں ہے کہ میں خود خوش  
کروں۔ ہاں میں ماؤں ہوں گی۔ ماما اور پاپا  
محبت کرتے ہیں مجھ سے، بخود ہی پڑا نہیں  
لائی ہیں اور مجھ سے محبت زندگی کی اتنی ساری  
نعمتیں اور بوکھڑے جو میں انہیں مہیا کروں گی تو وہ  
خوش ہی ہوں گے۔ کب تک ناراض رہ سکیں گے۔  
میں سب سے بہت عزت ہوتی ہے۔ وہ مطمئن ہو کر  
سوئی۔ سام چہچہے لانا کو تانے لپٹے چپکے سے گل کی  
اور پورے بعد وہ دروازے آفس میں گئی۔  
"چھ پرے سے میں خدمت ہوں۔" "فرمادے  
انا۔" "شور مٹی میں آئے تو پورے پڑا تھا۔  
"میری اصل میں تو ٹیکے پڑا ہوں۔"  
"فرم جاتی ہو کتنی لڑکیاں تانیں گی ہیں  
میری ایک ٹیکہ کر ہی شکر اگر تم جتن دست اور  
آئیں تو میں اس اور کو تانے والا تھا۔ وہ تو شکر کر کہ  
مجھے تم پر ترس آ گیا۔" "میں اس مال دولت کی زیادہ  
ضرورت ہے۔ وہ لڑکی تو ابھی کون سے تعلق جس  
بے صرفہ شمع کی خاطر اس لیلہ سے آ کر جاتی  
ہے۔" "میں اس کے رنج و جزب سے کہ تو کہہ کر  
.....

تے تعلق رکھتی ہو۔ جنہیں ضرورت بھی زیادہ اور تم  
محبت بھی زیادہ کر لو اور خیر سے کم..... بلکہ خیر کے تو  
میں بالکل برداشت نہیں کروں گا۔“

”جھینک باغ سر.....“ اربح کو بار بار اسے مل  
کاٹنے کا طعنہ دیا چوتھی تو نہیں لگا لیکن اسے اپنی جگہ  
بائی کی۔ پھر وہ فرما دیسے خداؤں سے بعد میں منٹ  
کتنی تھی۔

”چلو اُھر اسٹوڈیو میں۔“ میں ابھی آتا ہوں۔“ وہ جلدی کے اس دروازے کو کھول کر اندر آئی۔“ میرے اس لئے اشارہ تو تھا۔“ اندر آتے ہی اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ انتہائی خوبصورتی کے سماں پر جس کی سمجھوت کے مزے تھے۔ ایک سائیڈ پر وہ سائبرہ اور فوٹو گرافی کے لیے دھڑکھڑام اشیا۔ دواؤں پر خوبصورت بیگ کر اوٹنڈر اور دوسری طرف جہاز کی سازگاری۔ جسم پر سادی کی نیکی اشیا بچھیں۔ پچھلاں بیڈکامیوں کیا کا؟ وہ سوچنے کی نہی کی کہ دروازہ کھلا اور باختر اندر آیا۔ اُس نے بیڈ کی طرف دیکھتے یا تو جلدی کے بولا۔

”میں! میں فرصت کے وقت آرام کرتا ہوں۔“

”اوسے اب کام کی بات ہو جائے۔ دیکھو  
 لڑکی اگر تم چاہو تو میں تمہیں راتوں رات آسمان  
 کی بلند بلندی تک لے جا سکتا ہوں۔ تمہیں جھک کر  
 سب سے نیچے ڈال دے سکتا ہوں۔“

پلنگھو نے کہا  
 میں تمہارے لیے چھپے ہوں گے۔ لوگ تمہاری بات  
 کرنے کے لیے لڑکھوں روئے تمہاری جھولی میں  
 ڈالیں گے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ تم مجھے اس کی کیا  
 قیمت دے سکتی ہو؟“

”قیمت“ اُس نے اپنی بڑی بڑی  
آکھیں کھولیں۔  
”میں کہاؤں گی کتنی بڑی ہوں۔۔۔۔۔ میرے پاس تو

کچھ بھی نہیں۔ صرف وہ ہزار روپے ہیں میرے  
پرس میں۔

"تم خوبصورت ہی نہیں بے وقف بھی  
ہو۔ جنہیں کیا لگتا ہے۔ مجھے پیسے چاہیے؟  
اسے میرے بنگ میں کروڑوں روپے ہیں، میں  
جو پے خرچہ کر سکتا ہوں۔ کوئی چیز میری بچھڑے سے باہر  
نہیں ہے۔"

"تو کچھ۔۔۔"  
"نہیں کچھ؟ اب بھی نہیں کچھ۔" وہ عجیب  
سے انکار میں مسکرایا۔

"تجربہ دار اور کا حصہ بالکل غلطی ہے۔ جنہیں  
پتہ ہی نہیں کہ میں تم سے تمہاری شہرت کی کیا قیمت  
مطالبہ رہا ہوں؟"  
"نہیں سر۔ مجھے کوئی آئیڈیل نہیں۔" وہ  
بگڑائی۔

"تو پھر سنو۔ میں تم سے اپنے ساتھ  
گزرانے سے لیے ایک رات مانگا ہوں۔ یہ ہے  
وہ قیمت جو میں شہرت کی بلندہ یوں پر لے پ سکتی  
ہے۔ دولت و کمنداری ہانکی ہو سکتی ہے۔" اور  
اربع پوری آدھیں کھوئے اُسے دیکھتی ہوئی۔

☆ ☆ ☆  
چوہے دو بیٹے گئے اُسے فائدہ کرنے میں  
یہ دونوں بیٹے اذیت تک۔ وہ پہاڑ کی انکی  
چوٹی پر کھڑی تھی۔ جس کے ایک طرف خوبصورت  
محل نظر آ رہے تھے تو دوسری طرف ذلت بھری  
کھانیاں۔ اپنی اقدار سناہ زندگی کا ہر گز اُس  
نے ان چند روپوں میں سوچ لیا۔ ماما اور باپ کی  
محبت ان کا انحصار جو وہ کرنے جا رہی تھی اپنی  
قیمتی متاع جو وہ کھوئے جا رہی تھی۔ اور دولت اور  
شہرت کی تیسری پر یاں جن کے پروں پر بیٹھ کر وہ  
اڑے جا سکتی تھی۔ یہ ہے اگر وہ چھوٹی سی قربانی دے

دے۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا اور جب وہ دہری  
ماڈل بنے جائے گا۔ شہرت حاصل کرنے کی وہ  
شاہد خود بھی بھول جائے گی۔ جائے محل کا اس  
بیٹے نے عزت کو اتنا بڑا مسئلہ کیوں بنایا ہوا ہے۔  
کچھ بھی نہیں ہوگا۔ اور فیصلہ ہو گیا۔ ارشد نے وہ  
قیمت ادا کر دی اور وہ راتوں رات شہرت کی  
بلند یوں پر پہنچ گئی۔

فریاد نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ لیکن جس دن  
ٹی وی پر اُس کے پروگرام لاہور میں ہوئے، باپا کو  
پارٹ ایک ہوا اور وہ یہ وعدہ منہ نہا سکتے۔ وہ کچھ  
عصر صاف نہ ہوئی، تو قیمت صرف اُس نے اپنی  
عزت کی ادا نہ کی تھی۔ دنیا کی جان کی بھی قیمت  
دینا پڑی۔ ماہ سے جدائی کی قیمت بھی ادا کرنی  
پڑی کہ اب وہ اُس کی شکل دیکھنے کی روداد نہ  
تھیں۔ وہ دیکھنے سے سر پھوڑ کر جانے کہاں پہنچی تھی  
تھیں کہ اب کھڑے داروں کی نظریں سہنا، رشتہ  
داروں کے بیٹے سنا ان کی برداشت سے باہر تھا۔  
اگر ارشد کے دل میں کوئی طوفان اٹھ بھی تو اُس  
نے خود کو کام کے طوفان میں غرق کر کے دل میں  
انہیے والے طوفان سے من موزوں بنے۔

☆ ☆ ☆  
اُس نے سوچا تھا کہ اب کچھ دیر اپنی سب قیمتی  
چیزیں لاپرواہی میں ہے تو کچھ اور دنانے دینی نہیں رہے  
گا۔ زندگی بھلوت سے گزرتی رہے گی۔ چند ماہ  
میں اُس نے اپنی دولت اٹھنی کر لی تھی کہ  
خوبصورت سرخ ریشہ کر کے کتنی سمان سے آراستہ  
کر لیا تھا۔ بنگ میں ایک روپہ تھا۔ اُس کا ستارہ  
آسمان پر پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔  
جانک اُس کا آتش کو نوکر افر تھا۔ اپنی تعلیم یافتہ تھا  
میں جاب نہ ملنے کی وجہ سے فریاد کے ساتھ کام  
کرنے لگی۔ اُس کا کام ایسا اعلیٰ اور پر قیمت تھا کہ

فریاد اور حادث لازم و ملزوم ہو گئے۔ ارشد کی  
کامیابی میں زیادہ یا کچھ اس کا تھا وہ ایسے زرا دیوں  
سے اور اس کی خوبصورتی سے اُس کی فوٹو شوٹ کرتا  
تھا کہ بعض اوقات ارشد خود دیران ہو جاتی کہ کیا وہ  
انہی اتنی خوبصورت ہے۔ یہ اُس نے حادث کی  
آنکھوں میں پسندیدگی بھی دیکھی اور وہ خاص پیغام  
بھی جو جوت ہوئے کے ٹائٹل سے اُس نے فوراً پہچان  
لیا تھا۔ لیکن اُس کے لیے بھلا اُن افس کے لیے  
وقت کہاں تھا۔ اُسے تو ابھی بہت کام کرنا تھا۔  
بہت سی منزلیں طے کرنی تھیں۔ کامیابی کی کئی  
چوٹیاں سر کرنی تھیں۔ یہ پناہ دولت مالی تھی کہ  
ماڈل کے پاس اتنے سال ہیں ہوئے۔ اس کا  
ارادہ تھا کہ ڈانٹ کو خیر باد کہنے کا وقت آئے گا تو  
وہ تیش ڈیرا ٹینگ شروع کر دے گی۔ اُس میں  
اُس کے لیے بے پناہ ٹینٹ تھا۔ لیکن بہت زیادہ  
روپہ بھی چاہیے تھا۔ سو وہ وقت صاف نہیں کرنا  
چاہتی تھی۔ لیکن انسان جو سوچتا ہے ہمیشہ وہ نہیں  
ہوتا۔ اُس کے سارے ارادوں سے یہت کی دیوار  
ٹاٹت ہوئے۔ اب بنگ اُس سے چھوٹا تھا کہ اُس  
کو کچھ نہیں بچا۔ اُسے اور کوئی قیمت ادا نہیں کر سکتی  
پارے گی۔ تو اُس پر ایک نیا انکشاف ہوا۔ اُسے  
اُس قیمت کی قیمت چکانی تھی جو فریاد کا پیش کرنا  
چلی آ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆  
"تم ہاں بنے والی ہو۔" بیڈی ڈاکٹر نے  
سے خبر لی تو اُس نے سر اٹھا کر اُسے یوں دیکھا  
کہ وہ باہر ہو گئی ہو۔  
"کیا کو اس ہے۔ میں یہاں یہ چاہتی ہے۔"  
بیڈی ڈاکٹر نے اُس کی کھانسی کیوں رہتی ہوئی تھی  
کہ کیوں نہیں کھتی اور تم مجھے کئی بات سنانے  
لگا۔"

"حقیقت ہے ارشد تم ہاں بنے والی ہو۔"  
"لیکن ڈاکٹر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تو مجھے  
کبھی پتہ نہیں آئے ہیں۔ یہی افسانہ آتی ہیں۔  
میری طبیعت بھی اُس طرح خراب نہیں ہوگی۔  
پھر میرے ہو سکتا ہے۔"  
"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے میڈم۔ کچھ خوش  
قسمت عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ یہ طبیعتی کے  
دوران اُن کی طبیعت خراب نہیں ہوتی۔ تم ان میں  
سے ایک ہو۔۔۔ لیکن تین دن رات جو جھٹکتی ہو  
اُس کی بچہ سے ممکن کا شکار رہتی ہو۔ تم خوش  
قسمت ہو کہ تجہا راجہ محفوظ رہا۔ ورنہ کوئی نقصان  
جی ہو سکتا تھا۔ وہ ہر اسان ہوگی۔"  
"مجھے یہ کچھ نہیں چاہیے ڈاکٹر۔ پیڑ پیری  
مدد کرو۔ میں اس سے چھٹکارا چاہتی ہوں  
پیڑ۔ پیڑ ڈاکٹر۔"

"سوئی میڈم۔ وقت زیادہ گزر چکا ہے۔  
کام نقصان وہ ہو سکتا ہے آپ کی زندگی کے لیے  
اور یوں بھی میرے کام نہیں کرتے۔"

☆ ☆ ☆  
کتنی دیر وہ سوچنے پر بے ممداء، محال اور  
غیر ذہنی رہی۔ ابھی تو اُس کے کیرئیر کا آغاز  
ہوا تھا۔ ابھی تو اُسے بہت دور تک جانا تھا۔ اُس  
نے کیا کیا منصوبے بنائے تھے۔ اب کیا  
ہوگا۔ اُن سب منصوبوں کا کیا ہوگا۔ اور۔۔۔  
اور میں لوگوں کو کیا مت دکھاؤں گی۔ کیا تباہ  
کی؟

"تمہارے ماہ بپا نے کیسے منہ دکھا ہوا۔  
کیا بتایا ہوگا؟" دل کے اندر سے آواز اُٹھی تو وہ  
بھوت بھوت کر رونے لگی۔ سچی ملازمہ نے نارودہ  
اور ارسلان احمد کے آنے کی اطلاع دی۔ نارودہ  
سے اُس کی ابھی خاصی دیر تھی ہو گئی۔ وہ دل کی



ان آنکھوں میں..... پائی دا دسے پایا کہاں ہیں..... آپ کو اتنی دیر تک اکیلا کیسے چھوڑ دیا انہوں نے.....

”پاپا آج کسی دوست سے ملے گئے ہیں۔“  
”کیا دوست آپ سے زیادہ اہم ہو گئے آج آنے دیں انہیں..... میں اس طرح خبر لوں گی..... کیا تمہارے کما سے انہوں نے میری مالٹا کو خرما؟“  
ولا ولا سے بولی تو وہ مسکرا دی۔

”اچھا تمہیں کیا ہوا آپ کو..... کس دکانے ٹولا آیا آپ کو؟“  
”ارے مجھے کیا دکھ ہوا میری جان.....“

ارلنگ نے پیار سے اپنی ایکس سالہ بیٹی دیا کو گلے سے لگایا..... جس ماں کی عمر تیس بیسری اور فرما ہوا داری جی ہوا سے کیا دکھ ہو سکا ہے۔ تم میری زندگی کی روٹی ہو..... میں نے اور تمہارے پاپا نے بہت محنت سے تمہاری پرورش کی ہے۔ تم ہماری ریا متوں کا خر ہو..... بہر تو تمہیں دیکھ کر جیتے ہیں..... میں کوئی دکھ نہیں ہے بیٹی.....  
”پپے آپ کہتی ہیں تو مان لیتی ہوں۔“ وہ شائدا عمار سے بولی۔

”آپ بتائیں آپ نے کھا نا؟“  
”نہیں تو..... تمہارا انتظار کر رہی گی۔ تم جانتی ہو تمہارے پاپا نہیں ہیں اور میں اکیلی کھا نا نہیں کھا“۔

”اور مجھے سخت جھوک لگی ہے۔ آپ جلدی سے کھا نا لگا دیجئے میں کپڑے بدل کر فریج پر ہو کر آتی ہوں۔“ وہ اندر بھاگ گئی تو ارلنگ نے صغریٰ کو آواز دی۔  
”غصہ دیر میں ہی دیا دھلا دھلا معصوم چہرہ لیے آگئی۔ اس نے کاشی کے چھو لہار اسیلے ڈھالے کپڑے پہن رکھے تھے۔“

”اوہہ کون سے..... بچن ملاؤ اور کھائے آلو۔“ دیا چلتی آنکھوں سے چلتی ہوئی بولی۔

”واہ وا آج تو خراجا آ جائے گا..... صغریٰ کافی کے لیے پانی رکھ دو۔“

”اچھا یہ تو بتاؤ..... تمہارے بنائے ہوئے ڈیزائن پسند کئے گئے۔ آج تو بہت اہم دن تھا تمہارے لیے..... تمہارے ہاں کا کیا خیال ہے ان کے بارے میں۔“

”بہت نیک خیال ہے۔ کہنے لگے تمہارے ماما اور پاپا کا پتا برس ہے۔ وہ اتنے مشہور ڈیزائنرز ہیں..... تمہاری ماما بھی پچھل ٹینٹ ہے درمیں ڈیزائننگ کا..... پھر ہمیں اپنے ڈیزائن لے کر ہمارے پاس آنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔“

”ٹھیک ہی کہتے ہیں۔“ ارلنگ بولی۔  
”تمہارے پاپا ہمیں اپنا ذاتی برس شروع کر کے دینا چاہتے تھے۔ اپنی دنی سے تم نے کیا جواب دیا۔“

”کہنا کیا تھا..... میں نے کہا میں اپنی کامیابیوں کا سفر کسی سہارے کے بغیر شروع کرنا چاہتی ہوں۔ اپنی محنت اور ٹینٹ کے بل بوتے پر اپنا الگ مقام بنانا چاہتی ہوں۔ آخر کو میں ارلنگ

حادث کی بیٹی ہوں۔ اور مجھے یہ ٹینٹ و راحت میں ملا ہے۔“  
کالی کا کپ ہاتھ میں لیے وہ دونوں صوفے پر آ بیٹیں۔ دیرانے کی وی آن کیا۔  
”واہ وا یہ تو مشہور ڈیزائنر شرم کا انڈو ہر ہے۔ مغرب میں اپنی کامیابی کے سجدے گاڑنے کے بعد وہ پاکستان واپس آ گئے ہیں۔ ان کے کئی پاپا بھی ساتھ ہیں۔“

”سرم فرم ہے۔ مغرب کی اتنی بڑی اور اتنی مستند مارکنٹ چھوڑ کر پاکستان کیوں آئے ہیں۔ کیا

آپ کو یقین ہے کہ کامیابی یہاں بھی آپ کے قدم چومے گی؟“

”کیوں نہیں چومے گی؟“ وہ سناٹھی سے بولا۔

”محنت اور ایمان داری سے کسی بھی دیان میں کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اور یہ ملک میں یہاں پیدا نہیں ہوا لیکن میرے باپ کا وطن کوئی نہیں ہے۔ میرا بھی وطن ہے اور اس پر میرا بھی حق ہے۔ بلکہ اس ملک کی منی کا قرض ادا کرنا میری دیرینہ خواہش ہے۔“

”ابھی آپ کو آئے تو زرا ہی وقت ہوا ہے۔ آپ کے خیال میں کتنے عرصے تک آپ اپنا گھر حاصل کر سکیں گے۔“ وہ اس کے انگلیش زہد اردو لہجے پر ٹھٹھا بولی ہوئی۔

”بہت جلد۔ جہاں بہت ٹینٹ ہے۔ اور مجھے خاص طور پر رنگ ٹینٹ کی ضرورت ہے۔ میں چاہتا ہوں رنگ ٹینٹ کے ساتھ مل کر فیشن انڈسٹری کو ایک نئی سمت دوں۔ اسے دنیا کی مشہور انڈسٹری کے مت بلے پر لے آؤں۔“

”بہت ہی نیک ارادہ ہے آپ کے مسز شرم..... میں نے سنا ہے کہ آپ ماسی کی مشہور ڈال کا تاجہ اور اسی ٹینٹ سے فسلنگ ارسلان احمد کے ساتھ جڑا دے ہیں۔ پھر آپ پینڈر میں روزانہ قدمیں بھر آئے۔ ماؤنگ کو چھوڑ کر ڈرائیون ڈیزائننگ کے میدان میں قدم رکھنے کو تکیوں ترجیح دی؟“

”یہ تو میں نہیں جانتا..... ضروری نہیں کہ ایک ڈال کا بیٹا مال ہی ہے۔ ڈرائیون ڈیزائننگ سے مجھے عشق ہے۔ اور میں اسی ٹینٹ میں کروڑوں کی پلے لایوں کو چھوٹا چاہتا ہوں۔ وہ پورے ٹاڈے آپ کو پتہ نہیں میں باہر کچھ عرصہ ڈالنگ بھی کر چکا ہوں۔“

میرا کام پچھو ہی کیا تھا۔ لیکن میرا اصل پیشہ ڈرائیون ڈیزائننگ ہے اور میں اسی ٹینٹ میں رہنا چاہتا ہوں۔“

”آخر چنا کس کا ہے۔“ ارلنگ جرات سے بلا سے انکشاف پر دم بخود اور شہر ہونے کے بعد خود پر قابو پا چکی تھی۔ وہ لی دل میں خیر سے بولی۔  
”میں آج سے ٹینٹ ہنٹ شروع کر رہا ہوں۔ اور ایک چارٹریشن سے رنگ سٹ کرتا ہوں کہ وہ اپنا کام لے کر میرے پاس آئیں۔ میں انہیں واپس نہیں کر دوں گا۔“

ارلنگ ایک ٹکٹ اس کے خوبصورت چہرے اور شائستہ لہجے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا جسم خوش اور خوش ہے ہونے والے کاپر دیا تھا۔ آنکھیں غم و ہمت تھیں۔ کتنے سماں بعد شش صدیوں کے گزیر جانے کے بعد اس نے آج اسے دیکھا تھا جس کے بارے میں کچھ سوچا تھا۔ اسے دیکھ کر اچانکی سی خوشی ہو رہی تھی۔ لیکن ساتھ ساتھ ڈیزائننگ بھی کر دواتے ٹینٹ جیسے کی ماں ہے لیکن شرم فرم جی یہ ہے کہ وہ اسے اپنا جانتی نہیں۔ یہی نہیں کہہ سکتے گی۔ یہیت تو اسے اور اتنی تھی۔  
انڈو خوش ہوا تو اس نے دیا کی طرف دیکھا۔

”جوتے نہ من سوچ میں رہی تھی۔“  
”ایا تم نے دیکھا کرو۔“ سنا ہوا ہوا اور ٹینٹ ڈیزائننگ کے لیے۔ لیکن ضرورت ہو تو وہیں اس کی ٹھہرت میں۔ کسی اچھی ماں کی اولاد لگتا ہے۔ اتنی انکسار ہے اس میں۔۔۔ کتنی شائستہ لہجہ ہے اس کا۔ بہت اچھا لاکا معلوم ہوتا ہے۔ ہے؟“

”وہ انجانے میں ہی اس کی جگہ چاہتی تھی۔“  
”ہونہر۔“ دیا نے خیر سے ہکا با ہکا۔  
”دیا نے کھانے کے اور پتے ہیں ماما اور دکھانے کے اور۔۔۔ ہر چھٹی چیز سونا نہیں

# وہ اک شام جو خواب کی تعبیر بنی

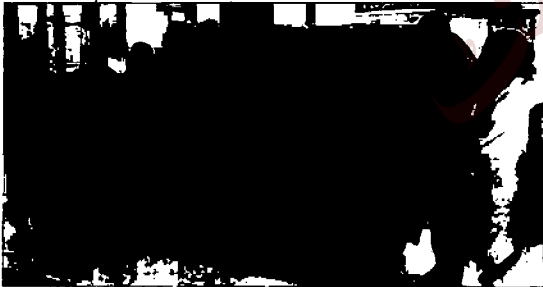
~~~~~

لاہور میں دوشیزہ کے مصنفین کے ساتھ ایک شام

زمزمیہ کے قلم سے آنکھوں دیکھا حال

~~~~~

خلوص، چاہ و محبت کی نئی تصویر بنی  
کیا رنگ و نور کی نفاذی بڑا حسین منظر  
بہار چہروں پر دائم مسرتوں کی تدبیر بنی  
ہمارے دعدوں ارادوں کی اک زنجیر بنی  
**زمزمیہ اجڑ**  
کئی سال گزرے اک دعدہ ہوا تھا کہ اک



گلابی شام ہمارے شہر لاہور میں بھی اترے گی ہے۔ انتظار تو بہت دیر سے تھا کہ وہ دن وہ

ہوتی۔ یہ سب دکھا دے۔  
”کیا...؟ یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟“  
”میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ماما...“ دیا سنجیدگی  
سے بولی۔

”آپ نے شاید آج اس کا انٹرویو سنا ہے  
لیکن میں تو اسے دو ماہ سے جانتی ہوں۔“  
”مطلب؟“ وہ اسی قدر کہہ سکی۔

”مطلب یہ کہ میں آپ کو کبھی نہیں کرتا چاہتی  
تھی اور نہ ہی اپنی طرف سے تو، مندی کا شکار  
ہونے دینا چاہتی تھی۔ لیکن مصنفیت یہی ہے کہ شکر  
انجیٹی گندے ذہن کا مالک ہے۔ میں ایک بار  
اپنے ذہن پر اس کے کراس کے پاس کی تھی۔ اُسے  
”معلوم نہیں تھا کہ میں بھی مشہور ماڈل اور ڈریس  
ڈیزائنر بنی ہوں۔“ کہنے لگا۔ میں راتوں رات  
جھینٹیں شہرت کی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہوں۔ لیکن  
اُس کی ایک قیمت ہے۔ جھینٹیں میری ایک بات  
مانی ہوگی۔ آپ تو عورت ہیں ماما۔ اب آپ کو  
کیا بتاؤں اُس نے کیا... وہی جو ایک مرد  
اڑنی سے عورت سے ہر چیز سے زیادہ لینا چاہتا  
ہے۔ ہر اختیار آدمی ایک عورت کو بے اختیار  
جان کر کرنا تھا کرتا ہے؟“ ادرغ کے تمام  
اعصاب جیسے سن ہو گئے۔

”آخر بیٹا کس کا ہے؟“ اُس نے غرت سے  
سوچا۔ تمام جسم میں ایک بار پھر لرزہ سی ہونے  
لگی۔ لیکن اب اس لرزہ میں غصہ شامل تھا۔  
”لیکن آپ تو جانتی ہیں آپ کی بیٹی اتنی  
کمزور نہیں ہے۔“ دیا سناست سے بولی۔  
”میں نے اُس کے منہ پر ایسا طمانچہ مارا ہے  
کہ تمام عمر یاد رکھے گا۔ میں نے بہادری سے اُس  
کی آنکھوں میں دیکھا اور کہا۔  
”تم ضرور کسی گندے خون کی پیدوار ہو جو

دیا کو بتانا ناگزیر ہو گیا تھا۔ یہ حقیقت اُسے  
بتا دی ہوگی کہ شہر چور بھائی ہے۔ چاہے دیا کے  
دل میں ادرغ کی عظمت کا بت و حرام سے نیچے  
گر جائے۔ چور چور ہو جائے۔ تو کیا اب اُسے دیا  
کو کھونے کی قیمت بھی ادا کرنی ہے۔ اپنی بے بسی  
پر محبت محبت کر رونے لگی۔ قیمت ادا کرتے  
گرتے تھک کر بیٹھی۔ لیکن جانتی تھی کہ بعض گناہ  
ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ساری زندگی قیمت ادا  
کرنے پر بھی اُن کی قیمتیں ختم نہیں ہوتیں... پکار  
سود چڑھتا جاتا ہے۔

بھٹو... بھٹو... بھٹو...

کھڑی مقرر ہوگی جب خواہشیں بازیاں ہوں گی اور خواب حقیقت کا رنگ جما کر تعبیر میں داخل جائیں گے۔ وہ انتظار دسمبر 2017ء کے ایک



کے اور اسی پر جانے کی سہی کرتی ہیں۔

31 دسمبر 2017ء کی صبح منظرہ سہام کے صبح سے احساس دو چند ہو گیا کہ سب سے پہلے کی گھڑیاں قریب تر ہیں۔ پیغام تھا ”یکم جنوری شام چار بجے پی ٹی سی کے ”مارکولو“ ہال میں ہائی کی کے ساتھ وہ ہماری منتظر ہوں گی۔“ تو وہاں پہنچ کر ایسا ہی محسوس ہوا۔ وہاں جانے سے پہلے ایک دوسرے سے کوئی رابطہ نہ ہو پایا اس لیے یہ محسوس حال پر مدد حسرت کا تمام پر چلتا بھی تھا اور حیل پرواز خود کو ان سب کے درمیان ہونے کا احساس بھی دلاتی تھی اور اب پھر وہیں محفل کی ادنیٰ اڑان بھرتا پھر رہا ہے کہ کون کون مغل دو شیرہ میں رونق افروز ہو گا کی نام لکھی چہرے (جنہیں میں مل چکی ہوں) نگاہ مشرق میں ابھر کر آئے اور دل مزید شادمان ہوا کہ سبھی ساتھیوں سے ملاقات کا شوق دار مان تو دل میں رہتا ہے:

عجب حال ہیں ہمارے دوستو  
ایک ہی شہر میں ہم مل نہیں پاتے  
یہ کمال ہماری دو شیرہ کی روح رواں کا ہے

ستارے دو شیرہ کے آگن میں جکتے ہیں۔ یہ ان سے مل کر اندازہ ہوا۔ حبیبہ بھیر بھی اپنی شخصیت میں بحر رکھتی ہیں۔ ان کی سادگی ہی ان کی اصل خوبصورتی ہے۔ وہ بھی اپنے چھوٹے بچے کو چھوڑ کر آئی تھیں۔ بچوں کا یہ سلسلہ کیسا پیارا لگتا ہے کہ ایک دوسرے کے لیے صنعت و ہاؤس بالکل نہیں تھا۔ ڈاکٹر کسی رخ کی آمد میرے لیے کسی سربراہ سے کم نہ تھی بہت دیر بعد ان سے ملاقات ہوئی ایسا لگا کہ ہم ملتے ہی رہتے ہیں۔ نیم نیازی کو کسی وجہ سے آنے میں تاخیر ہوئی... میں بار بار انٹریس پر نگاہ ڈالی اور پھر منظرہ یا ساسی راہز سے بات چیت شروع کر دیتی وقت تیزی سے گزر رہا تھا ملتے کی خوشی کے ساتھ نمونے کا مدح کا بھی لگ جاتا ہے۔ سو بھلی حال قہیکہ صدف کی دھم ڈسکہ سے آمد ہو چکی تھی مگر فریب کے اثر و محام میں جھنسن کر وہ بھی خاموشی سے نہیں۔ اس سے



ہے۔

مارکولو پولو ہال کی مخصوص نفاذی اور باؤں سے مل بیٹھنے کی تنہا لیے میں ہال میں داخل ہوئی تو مجھ سے پہلے ہی دو شیرہ کی ایک اور بینر گزرا منظرہ شائے سہمنان اپنی پرکشش شخصیت کے ساتھ جلوہ نما تھیں۔ ان سے تعارف ہوا تو مزید اچھا لگا۔ رفتہ رفتہ بزم دو شیرہ بچنے لگی۔ جیٹا عالیہ اپنے سویر انداز میں اپنی کزن کے ساتھ آئیں تو منظرہ نے کھلے دل سے پزیرائی کی۔ یہ وہاں سہمان ہو کر میر ہائی کر رہی تھیں۔ کچھ اچھا بھی نہیں لگ رہا تھا مگر ان کی بات بھی درست تھی کہ باری باری سب سے ملتے کے بجائے سب کے ساتھ مل بیٹھنا زیادہ مزہ دیتا ہے۔ سو ایسا ہی ہوا۔ زرافشاں فرخین کا بھابہ انداز میں بزم آرا ہوئیں تو ان کی باتوں نے منظرہ متاثر کیا۔ دو شیرہ سے بندھے کیسے کیسے انمول



پہلے ولادت باسعید آئی۔ اچکی تھیں اور نیم نیازی بھی۔ دونوں ہی میری پیادری دوست ہیں۔ اللہ عجبت کے ریشے قائم و دائم رکھے۔ آمین۔





ہائی ٹی کے لوازمات سے لطف اندوز تو کیا ہوتا تھا ہم تو ایک دوسرے کو مزید جاننے اور اپنی اپنی کہانیتیں سن سکر انہیں بھی کے چہروں پر مزین ہیں۔ اظہار خیال اور تبادلہ خیال چاہئے ہے ہوئے ہوتا ہوا دوشیزہ کے معیار کو مزید بلند کرنے کا عہد لیا اور دیا گیا۔ منظر نے بہت سادگی کے ساتھ اپنے بچپن کی خوشگوار یادیں ہم سے شیئر کیں ہیں ان کی شخصیت سے پہلے ہی متاثر ہوں اور اسی لیے ان کے وقار و جمکنت کے لیے دعا کرتا رہے (آمین) اس دوران دانیال بھی بزم دوشیزہ کا حصہ بنے کہ آخر دوشیزہ کی باگ ڈور مستقبل قریب میں وہی سنبھالیں گے (انشاء اللہ) وقت جیسے جیسے گزر رہا تھا۔ کئی بھی بڑھ رہی تھی۔ سبھی سے باتیں تو ہو رہی تھیں مگر سیر حاصل نہیں۔ سب سے پہلے زرافشاں رخصت ہوئیں تو



احساس ہوا کہ کٹن کی گھڑیاں سنسنے والی ہیں۔ اس اظہار کے بعد منظر نے مزہ سنایا کہ وہ دوشیزہ رائنڈ ایلوارڈ کی تقریب لاہور میں کرنے کا ارادہ

رکھتی ہیں۔ سبکی رخ کی خوشی بے ساختہ تھی۔ کیونکہ وہ اپنی مصروفیات کے باعث اپنا ایوارڈ خود لینے نہ دے پاتی تھیں۔ اس کے بعد دشا نے بھی ایک نوید دہی کہ فردوس میں وہ اپنی اور گہمت سیم کی کتابوں کی روٹھائی کی تقریب پر مدعو کریں گی منظرہ بھی کو تو انہوں نے باقاعدہ مدعو بھی کیا اور ان سے آئے کا وعدہ بھی لے لیا۔

باتوں کے دوران سیلفی بھی لی گئیں اور فون نمبرز کا تبادلہ بھی کیا گیا اس امید کے ساتھ کہ کبھی رابطے میں رہیں گے۔ انشاء اللہ دشا دیشم چونکہ آئس سے سیدھی آئی تھیں تو انہوں نے واپسی کے لیے بھی کی طرف دیکھا کہ اب رسم رخصت بھائی جانی جائے۔ دل کو تو کسی کا بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ ہال سے نکل کر قریب اور کو بیڈروم میں بھی ایک دوسرے کی تصویریں اتار تے باتیں کرتے مزید

د وقت دامن یاد میں لپیٹا گیا۔ دشا کی محبت ہے کہ انہوں نے مجھے ڈراپ کرنے کی آفر بھی کی لیکن ہم ناپاڑی نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ مجھے کھر تک چھوڑ دے گی اور ہمیشہ ایسے موقع پر وہ بھی یہ ذمہ داری اپنے سر لے لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے ہمیشہ آسانیاں اور زندگی کے ہر معاملے میں سرخرو کرے (آمین)

میں تیس کے عشرہ اختر بھائی کی بھی ممنون ہوں کہ وہ مجھے بھائیوں کی طرح احساس دلاتے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ بھی محبت و زندگی تندرستی بھی نعمتوں سے مالا مال رہیں۔ آمین



منظرہ بھی کے ساتھ ایک شام نسیم سکیپنہ صدف آبرو نے صحافت آبرو نے سخن اور محمد حاضر کے معروف ادبی رسالہ کچی کہانیاں دوشیزہ کی مدد اعلیٰ منظرہ جی سے پی سی ہوئی لاہور کی اس تقریب پر ہم بدیہہ تحریک چین کرنے میں شرف ملاقات بخشا (ادب کی نگاہ کے لیے ادیبوں کے

گی کیونکہ میں جانتی ہوں لفظ جس کی فنکار کے کلم سے لکھ کا تو وہ موتی روئے گا۔ لوگ کہتے ہیں اس دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر آئے اس سب کے نام کسی کو معلوم نہیں اسی طرح منظرہ سہام مرزا ایک لاکھ چوبیس ہزار مہمانی اور ادیبوں میں آئی ہیں ہو سکتا ہے کل نکالں کو کوئی منظرہ سہام مرزا کا نام بھی نہ جانے مگر

دو شیئرہ اور کچی کھانیاں پڑھنے والوں کے لیے یہ احساس ہی بڑا قیمتی ہے کہ کل آنے والا ہے۔

### تسليم نيازي

کراچی میں اکثر دو شیئرہ رانٹرز کے ساتھ پچھلے چند سالوں سے مل بیٹنے کے پروگرام بن رہے ہوئے ہیں مگر ان ماہناموں میں ان خوبصورت شاموں کا احوال ہمارا دل چلانے کو کافی تھا رانٹرز کے خیالات 'سوج مسٹی کی باتیں پڑھ پڑھ کر جی تو ہمارا بھی خوب چمکا تھا مگر دوری اور مجبوری کے ہاتھوں بے بس تھے۔

ہی پتہ چلا کہ فرسٹ جنوری کو لی سی کے ہال میں رانٹرز کے ساتھ دو شیئرہ کی طرف سے ایک شام منائی جا رہی ہے سو ہم نے فٹ کارچی منترہ کو فون لایا اور بھلا ہو اچھی منترہ کا کہ اس نے بھی اسی وقت ہمیں بھی آنے کی دعوت دے ڈالی۔ ہم پر جوش ہوئے مگر آدھا دسبر ہم بسز سنبھالے رہے اور ڈرتا کہ ہمارا جوش کہیں ہماری بیماری کی نذر نہ ہو جائے مگر است مردان مدد خدا ہم نے ٹھان لی تھی وہ الگ بات ہے کہ 31 دسبر کو سارا دن منترہ کے سچ کر انتظار کرتے رہے اور



ساتھ ساتھ ان کے گھر پر بار بار کال کر کے رابطے کی کوشش کی۔

دل کہا تھا کہ چل پڑو دنیا کہتی تھی رک جاؤ سو فرسٹ جنوری کی صبح اسی نکلتی تھی مگر ہمیں بھر حال لیکن مجھے دل کے بہت اسکاٹے پڑ چیا کہ بات دے کر تیار کی مگر اصل ملے گئے کہ یہاں ہی بھی کوئی خاص دلچسپی نہیں دکھا رہے تھے۔ میں تیار ہو کر ساڑھے تین بجے پڑوس میں جا بیٹھی اور چار بجے جیسا کہ موڈ بھی بن گیا۔ سو ہم سوا چار بجے لی سی کی طرف روانہ ہوئے اور چار چالیس پر لی سی مارگو پولو ہال کے

پھر پچھلے دو ڈھائی سال سے میرا بھی خطوط اور لکھنے لکھانے کا سلسلہ دم توڑ چکا تھا۔ دیکھ کچھ عرصے سے کن رہے تھے کہ دو شیئرہ کی ایوارڈ کی تقریب لاہور میں ہونے جا رہی ہے تو جہاں خوشی بھی وہاں ڈر بھی تھا کہ میں آج کل ان باتوں میں پڑنے نہیں بلادو آتا ہے یا نہیں۔ خیر زمر زندہ باد میں نے اس کے سنگ پیچ ہی جاتا تھا۔

مگر اس سے پہلے ہی ایک سہانی شام بھی نصیب ہو گئی یہ وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اس کے لیے بھی زمر زندہ باد کہ زمر کی زبانی

پڑا تھی

اور ہمارے دل سے دعا نکلی رہی تھی اللہ کرے وہ ہمیشہ ہر سال اک شام ہم لاہور والوں کے ساتھ بھی منایا کریں۔

روشنائے سیمین ماشار اللہ دلکش لک رہی تھیں



میں چونکہ ٹیوٹوریلٹ چچی مکی سوچنا عالیہ ان کی بہت اچھی کرن روشنائے سیمین زمر نسیم ڈاکٹرز کی دو نقاب پوش لڑکیوں جیسی زرافشان فرحین اور دوسری کا نام ذہن میں نہیں آ رہا ہے ملاقات ہوئی تو ٹیوٹوری دیر بعد ولسٹا نسیم بھی آئی دکھائی دیا۔

منترہ حسب معمول پری لگ رہی تھی۔ لائن پک نیٹ کے ڈریس میں چمک رہی تھی۔ مگر ان کے لبوں کی مسکراہٹ اور آنکھوں کی سرشاری بتا رہی تھی کہ لاہور میں بھی ایک شام منانے کا خواب جو انہوں نے دیکھا تھا وہ پورا نہ کچھ کہ وہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں اور یہ خوشی ان کے لبوں کے چہرے ان کی آنکھوں سے چمکی

ڈاکٹر مکی کو میں نے ہمیشہ دو شیئرہ میں پڑھا ہے اور پہلی ملاقات میں وہ بہت فرینڈلی طبیعت کی دکھائی دیں بہت عرصے سے میری طرح دو شیئرہ سے غائب ہیں۔ انہوں نے اس ملاقات میں دو شیئرہ دوبارہ لکھنے بلکہ دل لکھنے کا وعدہ کر لیا۔ میری طرح کی شوقین سیکینہ صدف نسیم بھی دسکے سے دیر سے کبھی پہنچ گئیں اور پہنچ کر بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں رانٹرز کا بھی کوئی شہر نہیں ہوتا جب جہاں مل بیٹھیں تو یوں لگتا ہے برسوں کی شناسائی ہے، نہ اجنبیت محسوس ہوتی ہے نہ ہی جھگ، ملا تھکے باتوں کا سلسلہ جیسے برسوں پہر کی سہیلیاں ایک جگہ مل بھی ہوں۔

سکندر صدف اور دانشم پرل کوئی نہیں کے ہاں میں روٹی افر دیتے تھے اور یہ کھل دوتاں پر کھلف چائے مزہ سہام کی مرہون منت تھی۔ بھتیوں کے تارالے ہی نہیں انہم حساس درد دل بھی شیر ہوئے۔ مزہ آپ کی سادگی، خلوص اور بے حاشہ اپنائیت نے آپ کا کردیدہ کر لیا ہے ایک شعر آپ کے لیے جو اس روز نہیں سنا کی۔

چمن تم سے عبارت بہار ہی تم سے زندہ  
تہارے سامنے پھولوں سے شریا نہیں جاتا  
زمرہم اور چٹائی کی پر مغز گفتگو، چیبہ عیسر کی  
سادگی بھائی ڈاکٹر سہی کی محبت لانی لگا ہیں  
روشنائی کی آخری لمحوں میں چائے کی پیکش کیا  
خوبصورت لمے ہیں جو ہاتھ آئے ہیں تو اب سال



تو کے تاب تھے کی صورت دوشیزہ لاہور انٹرنز کی قسمت ہیں شکر ہے مزہ سہام شکر ہے دوشیزہ ☆☆☆



زیادہ باعث خوشی تھا اور پھر اب پر خلوص دعوت لگا کہ اعزاز سے کم نہیں۔ ان کے لیے گفت کا انتخاب کیا ہو؟ گلاب بھی سہی کے لیے گلاب ہی سوٹ کرتے ہیں بس فیصلہ ہو گیا۔ بڑے اشنایان سے پرل کو کھینچل لاہور کے پر سکون ماحول میں دیکھتے چہرے اور پر خلوص مسکراہٹ کے ساتھ استقبال کرتے ہوئے مزہ جی دل کے بہت قریب محسوس ہوئیں اور پھر رنگ ہی رنگ چہار اطراف..... کہتے ہیں محبت کا اثر خوب ہوتا ہے بیاد مغز، حساس دل سادگی کا بیکر قلکار بڑے معروف نام چٹائی روشنائے ڈاکٹر سہی، چیبہ عیسر نسیم نیاز کی، زمرہم ڈسکہ سے آنے والی بہن نسیم



سرشاری خوشیاں بھی کے چہروں پر دمیں آئے گا۔  
گرہری کی۔  
لی کی پر کھلف چائے اور خرابوں سا ماحول  
من پسند بستیوں کا ساتھ مانوں دنوں یادہ جانے  
والے لمے تھے جو سال کے پہلے دن میرا آگئے  
اور دل نے اس لمحہ بھی دعا کہ سال کا ہر لمحہ اسی  
سرشاری کے عالم میں اسی خوبصورت ماحول میں  
گزرے۔ آئیں غمہ آئیں  
پر کھلف ہائی کے بعد بھی باتوں کا سلسلہ چلا  
اور پر تک چلا۔  
پھر ساتھ ساتھ دانیال تصویریں بھی بناتے  
رہے۔ ماشاء اللہ دانیال کی اٹھان ایک ہی جگہ ہی مزہ  
کے بھائی دکھائی دے رہے تھے اب ہے اپوار کی  
تقریب کا انتظار اور یہ یلین کہ مزہ کا بلا د بھی

زوافشان فوہمین  
سال کے پہلے دن اگر کسی کے لیے انتہائی  
معصومیت کے ہار جو گلاب کے پھولوں کا گلہ ست  
بنوانے کا احساس آپ کو پریشان کرے اور آپ  
پھولوں کی تلاش میں گاڑی تھا رہے ہوں تو یقیناً  
دو ہستی آپ کے دل میں مزہ بڑ اور محترم ہونے کا  
استحقاق حاصل کر چکی ہے مگر یہ کمال ہر کسی کو  
حاصل نہیں ہوتا کچھ خاص لوگ ہوتے ہیں ایک  
دفعہ ملتے ہیں اور دل میں جگہ بنا لیتے ہیں۔  
2015ء میں پرنسٹن ملاقات ہوئی تو صرف  
سلا اور مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا اجوارا دھنٹے سے

## نیا سورج

پہلی قسط

~~~~~

فار یہ بے شناخت نہ تھی مگر بے کس تھی ان سوالوں کے سامنے جو اس کو بے چین رکھتے تھے.... ایک ایسی لڑکی کی کہانی جو محبت کا پامل پن کر بیٹھی...

خون جگر سے کھمی تحریر جو پڑھنے والوں کو بہت دنوں تک یاد رہے گی

~~~~~

"زندگی کیا ہے؟" "محسن نقوی کی "زنجب ستر" پڑھتے ہوئے اس نے ذرا سا رٹھا کر استفسار کیا۔  
"Struggle" مختصر جواب آیا۔  
"اور محبت؟" اب کی بار وہ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھی جو اپنی اذنی بے نیازی سے لپ ٹاپ پر تیزی سے کچھ ٹائپ کرنے میں مصروف تھا۔  
"کتنی خوبصورت لکھیاں ہیں اس کی! "فار یہ تبسم بے اختیار اس کے ہاتھوں کی طرف دیکھے گئی۔  
"اپنی ہنسی، اپنی ذات کو بھول کر کسی دوسرے کی ذات میں سمجھ جانے کا نام محبت ہے۔" وہ یوں بولا،  
گو یادہ ایک چھوٹی سی نادان بچی ہے، اور وہ اس کا استاد جزا سے لطف محبت سمجھا رہا ہو۔  
"اور عشق؟" عشق کیا ہے؟..... وہ اسی کوئے کوئے انداز میں مستغرق تھی۔ کچھ میں کی کرب بول رہے تھے۔  
"ہیرے کی چمکنی آنکھیں محبت کے عذاب سے تھکی چکی ہے حال گری نہیں۔  
واقف باری اپنے سارے کام چھوڑ کر ان چمکنی آنکھوں کی گہرائی میں گھونٹے گا۔  
نڈھال طر حال ہی آنکھوں کا کرب ہے! اپنی روح میں اترا تا محسوس ہوا۔  
"بولو ناں باری؟..... کیا ہے یہ عشق؟.....؟"



آواز میں اشکوں کی نمی سمیٹی ہوئی تھی

”فاریہ.....“ باری نے اس کا ہویاں ملانا چاہا لیکن وہ ہنوز اسی کیفیت میں تھی بکھری بکھری..... ٹوٹی سی.....

”یہ عشق تو ایسا ہے، سچ! جان کا تو ایسا..... عذاب ہے..... آرزوؤں کا عذاب.....!!“ کھمرے کھمرے لہجے میں بولتی وہ اس کے دل میں لکی درددل گئی۔

”فاریہ.....“ وہ ہلک چڑی صو نے پر اس کے قریب آ بیٹھا۔

”اے قریب ہوتے ہوئے بھی وہ ایک دوسرے سے کوسوں دور تھے۔

رب جانے کیسے لاٹھائی کا سامنے تھے، جڑت ہی نہیں رہ تھے۔

بھڑکی ایک تلخ آنکھ کے درمیان حال کی تھی۔

تا حد تک جدا ہیں کہ سمندر اور ان میں غرقاب دو بے بس نفوس۔

”بھئی، بھئی اور بہت سہولت مشکل ہو جاتا ہے باری.....“ وہ ایک دم بھوٹ بھوٹ کر رو دی۔ دائق باری بے

بہن نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”فاریہ تم کسی بھی کیمرال چاہتا ہے جیسے اس زور سے سینے سے لگاؤں کہ تمہارے سارے زور دیر سے

سینے میں اتر جائیں۔ اس کی آواز گھر کوئی سے زیادہ نہ تھی۔

وہ جواب پنے جذبول میں متاثرہ دواؤں کا عادی تھا آج بچوں نے اختیار ہو گیا تھا۔

اس کی جرات پر قادر بنانا وہ بھول کر ایک بسکٹ بال کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ نظریں چرا گیا۔

فاریہ نے تھک کے صوفے کی پشت سے ٹیک لگالی۔

صدیوں سے بوسے بل میں خاموشیوں کی نذر ہو گئے۔

”فاریہ!“ اس نے خاموشی کی تیش سمیٹ لی تنگ پھیلا تو ایک لمحے جیسے ٹھکانوں کا ارد گرد ٹوٹ گیا۔

فاریہ نے کھنکھناتے ہونے لگی۔

”فاریہ.....“ کتنا بھلا لگتا تھا، اس کے لبوں سے یہ نام..... اس کی آنکھوں میں حسرتیں کوک رہی تھیں۔

یہ حسرتیں دائق جیسے مضبوط آدنی کوکھوں میں توڑ گئیں۔ اس نے بے ساختہ فاریہ سے نیم کا تھانچہ اپنی آستنی

گرفت میں لے لیا۔ گویا بھی اسی لمحہ اس کے کھوجا جانے کا ذریعہ ہو۔

”ذرا سمجھے.....“ سیات اور بے تاثر لہجہ دائق باری کو یاد کر رہا تھا کہ وہ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ

سے، اس کی آواز کے زبردست سے، اس کی ایک ایک ہنسی سے اس کے گامدنگ اترنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

وہ اس کی شدتوں پر دھوکہ دہ کیا۔

”تم بات بات پر دوئے کیوں گیتی ہو؟“ وہ اس کے سوال کو یکسر نظر انداز کر گیا۔

”بس یونہی.....“ رخ موڑ کر وہ بھی راز دل کو چھپا گئی۔

”میں یونہی.....“ دائق باری نے جیسے تصدیق چاہی۔

وہ دل میں اٹھنے والی دین کو دبائے کے لیے نظر جو گا گئی کہ دائق باری بھی تو صرف ایک بل میں اس کے

اندھ کے موسم کو جان لیتا تھا۔

”فاریہ! آنکھوں کو غسل دینا ضروری تھا۔ ہے ناں؟“ وہ اس کی طرف جھک کر گداز لہجے میں بولا.....

ہاں ناں.....“ وہ بھی بے ساختگی میں کہنے لگی۔

نظریں جھکا کے زمین پر جانے دو کیا کھوج رہی تھی۔

وراز دیکھی تھکی چلیں دیکھ کے دائق باری کے دل میں انہیں انگلیوں کی نرم پھروں سے چھونے کی انوکھی

خواہش جا گئی، جسے اس نے ہمیشہ کی طرح خوردار پایا۔

”پچھلی.....“ وہ زبردست مسکرایا۔

”اور پچھلی.....“ اس نے بھی حساب پورا کیا۔

”ہاں.....“ ہم دونوں پاگل..... پیار کے دیپ جلانے والے کچھ کچھ پاگل ہوتے ہیں.....“ وہ ہونے

ہونے لگتا یا تو فاریہ دیر سے اس سے فہم دیتی۔

”لاہور اور اس کے گرد و قریب میں مغرب کا وقت ہوا چاہتا ہے.....“ وہ شرارت سے اس کی طرف دیکھ کر

ہنسا۔

”نواز پڑھتی چاہیے.....“ آنکھوں کا وضو ہو گیا ناں۔ اب خود بھی وضو کر کے نماز ادا کرو۔ چلو شاہنشاہ!

تمہارے دل کو بہت سکون ملے گا.....“ وہ بہت نرمی اور پائنت سے اسے بچوں کی طرح چپک چپک رہا تھا۔

”کیوں جتنا ہے پرائی پائنت، کیوں کرتا ہے بری اگلی گھر، کس کی محبت کو ایک لمحے کے لیے بھی دل

سے بھلا ہٹا مشکل ہو جائے.....“ وہ مچھر سے رنجیدہ خاطر ہو گئی۔

وہ بخور اس کے چہرے کے بدلے نثارا ت دیکھ رہا تھا۔

”کیا بولا فاریہ؟“

”میں تم سے نفرت کرتی ہوں..... بہت نفرت.....“ وہ اس کی چاہت میں جب بھی بے بس ہونے لگتی۔ دل

پر اختیار رکھنے لگتی۔ چاہتوں کی شدتیں جب جب اسے بے صوت مارنے لگتیں..... جب تب وہ اس سے بڑھا

نفرت کا اظہار کرتی۔

”ہاں.....“ سچ میں نفرت کرتی ہوں میں تم سے.....“ سنا رہے.....“ وہ چلا کر بولی۔

دائق باری چند قدم آگے بڑھا اور اس کے دم مقابل کھڑا ہو گیا جو اس کے عشق میں بڑھال ہی بہت ہے

بس اور بھڑکی ہوئی کہ رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں اتنی بات، اتنی دیوانگی، اتنا پاگل پن تھا کہ دائق باری بے اختیار نظریں چرا گیا۔

”بزدل.....“ وہ بڑبڑائی۔

”ہاں بزدل ہوں میں.....“ اس نے جیسے اعتراف کیا..... شاید وہ دیا سے، روایات سے، بنیادوں کا حوصلہ تھا

اس میں.....

”اسی لیے.....“ صرف اسی لیے میں تم سے نفرت کرتی ہوں.....“ شدتہ نفرت.....“ فاریہ نے اپنے باقوتی

لب سکیڑے۔

”ہاں لیکن میں بھر بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔ شہیدیت۔“ اندر زخمی ہوا لیے ہوئے تھا۔  
 فارہ تبسم ایک دم سے گم ہو گئی۔

کیسا ظالم تھا وہ..... اپنے ہونے اور نہ ہونے کے بیچ لٹکا رکھا تھا۔ نہ جینے دیتا ہے۔ نہ مرنے دیتا ہے۔

بچھڑنا تھا۔ تو بچھڑنا تھا..... یا بھر مصل اس کا مقصد کر دیتا۔

اس نے خاموش لٹکا ہوں سے اسے دیکھا۔ جو اس کی زندگی تھا لیکن زندگی کی کہیں بھی شامل نہ تھا۔  
 اب وہاں نہ کمال تھا نہ قہر، وہ لے لے چنے مسافر کی طرح واپس اپنے گھر کو لٹا آئی۔

واقعہ باری کھٹکے سا درجہ تک وہیں کھڑا رہا۔

دلوراش نے چھڑائیوں کے عذاب سے بڑھ کر حال سکس سکس کے روئے گئے اور محبت..... محبت روایات کی تادیب و زنجیروں میں پکڑی ہے کسی سے مگر ارحم ہی۔

کبھی کہا ہی تھی.....؟ کیسا فسانہ تھا؟

عورت کی بے لوث محبت کی بے قیاس تھی..... یا مرد کا وہ دارمعیار محبت!

خدا رہے گا تھا؟ یا نہیں کرے گا جو فارہ تبسم کا تھا؟

پرغم ہوا ان کی سوال اپنی موت آپ مر گئے۔

بے نام لادایاں دے پاؤں گھر کے ہاں دور سے ہوتی جیسے ہر ایف میں سرایت کر گئیں۔

بے موم کی بارش تھی..... وہ لاؤنچ کی گھاس وال سے ناک لگائے لان میں بیٹھنے سے ایک قطار میں ایسا تادہ منور کے درختوں کو کھیر رہی تھی۔

تیر ہوا سے ان کے رنگ برنگے پھول لان کی ہری پھلیں گھاس پر یوں گر رہے تھے جیسے درود میں سے آئی کسی شہزادی کے سواک سے لیے اس کے چروں کی دھول بننے کو تیار رہیں۔

دھنسا دے تیرا ہوتی..... ”بڑی امانی درخت بھی روتے ہیں ناں۔“

”بٹ بٹ گئیں گی“ وہ جو ناک کی جھک سے پیشہ لگائے پلازا پر انڈیا پاک بیچ دیکھنے میں مشغول تھیں  
 محویت بننے پر بدمزہ یوں ہو کر بولیں۔

”دیکھیں نہ بڑی امانی منور اور امتاس ل کر رہے ہیں۔“ وہ ہنوز وال سے ناک چپکے درختوں کے چوں سے قوتی ہوندوں کو کھٹکے ہوئے معطر ہی بولی۔

بڑے بابا کو پھول پرودوں سے بے حد لگاؤ تھا سواں کالان انواع اقسام کے پردوں اور درختوں سے بھرا پڑا تھا۔

دو کمال کس بڑے سے گھر میں وہ بڑے لیا اور بڑی امانی کے ساتھ تیار رہتی تھی۔

”آئے ہائے فاری میرا بچہ! تیرے پاس کرنے کو کوئی کام نہیں ہے آج۔“ انہیں جیسے فارہ تبسم کی عملی پرستاف ہوا۔  
 بڑی امانی چائے اور فروٹ ٹیک کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے دتی بھر بھی اس کی جانب متوجہ نہ تھیں۔

لیکن ان کی طرف سے ٹولٹ کا پروردہ کچھ کر بھی اس سے بہت نہ ہا رہی۔

”آپ میری سوتیلی ماں ہیں بڑی امانی.....“ اس کی نظر ایک لمحہ کے لیے بھی اسکرین سے ہٹنے کو انکار ہی تھی۔ تنجان کی واحد امانی تفریح تھی جس کے لیے وہ اپنی لاڈلی کو کبھی خاطر میں نہ لاتی تھیں۔

”آئے ہائے..... بڑا مرن..... بتاتا ہاں یہ شاید آخری ہی ہمیشہ پہلے رن پر ہی کیوں آؤٹ ہو جاتا ہے۔“ پاکستان کی چوٹی وکٹ بھی کر چکی تھی انہیں اس کا اوجھڑا حال ہوا۔

فارہ کی کسی بات کو بھی اتنی اہمیت نہ دیا خود غنا نہیں جانا تو اس کی آدھی جان حمل کر رہی تھی۔ وہ ساقانہ نظروں سے انہیں دیکھنے کی گین لیکن وہ اس کی جانب متوجہ ہی نہ تھیں۔

بڑی امانی کی بے نیازی پر وہ اپنا سامنے نہ کر رہیں۔ اسی اثنا میں ایک جھٹکے سے ٹکرائی کا بھاری متعلق دروازہ کھلا تو اندر آئے والی بستی کو دیکھ کر وہ خواہ مخواہ نظریں چڑا کر گئیں وہ اپنی معتابی نظروں سے اسے لیر لیر کرتی بڑی امانی کی طرف بڑھ گئیں۔

”گھاسی جان آج کمرشیں درود شریف کی محفل ہے مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے، اور آپ یہاں بیچ دیکھ رہی ہیں۔ حد سے بچتی۔“ انہوں نے بڑی امانی کی تندر لیٹھے میں ان کی کتابیں کا احساس دلایا۔

وہ ہمیشہ سے ایسی ہی تھیں، آتش فشاں مزاج رکھنے والی..... جبکہ بڑی امانی سدا کی شلم مزاج اور نرم خو۔ سوز مزاج کے واضح تفاوت کے باوجود دیواری دنیا میں کاغذی محفل تھی۔

”اوسے کشور خاتون ذرا چھری تلے دم لو۔ میں تمہاری طرف ہی آ رہی تھی۔“ بڑی امانی غفلت منانے کو جلدی سے بولیں۔ ”تو نہ چاہتے ہوئے بھی کشور آرا کے بول پر زم دھوب سے مسکراہٹ چھٹی ایک لمحے کو فارہ تبسم کو لگا جیسے ٹکلیں سے بھرے گنگن میں کی گلاب ایک ساتھ چٹختے ہوں لیکن یہ کیا۔ دوسرے ہی لمحے ان کے چہرے کے تعلقات بھرے تن گئے۔

اس کی موجودگی میں ہمیشہ چٹانوں کی قہقہہ کشورہ راکے چہرے پر میرا کیے لگتی تھی۔

”لیکن کیوں؟“ اس سوال کا جواب اسے آج تک نہیں مل سکا۔ وہ اس سے شہید غفلت کرتی تھیں۔ اگر چہ انہوں نے بھی بڑا اس کا اظہار نہیں کیا تھا، لیکن ان کی آنکھوں سے لینے غفلت کے شرارے لے گویا جلا کر رکھ کر دیتے، بھر گیوں، ان کے چہرے میں اسے اپنی صورت نظر آتی۔ لے لکنا، وہ آئینے سے منکھام ہو رہی ہے۔ اسے دیکھ کر وہ اپنی سر دھری کر مٹا ہوا کرش کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ پر جم کر رہ جاتی پھر کیوں انہیں دیکھ کر ایک عجیب سی اپنا بیت بھری خوشبو اس کے اندر دھکیل کر دیتی تھی؟

”وہ امتاس اور صورتور بھولی کر اس کھلی کو لٹھانے کی کوشش کرنے لگی جب بڑی امانی نے اسے اونچے مردوں میں پکارتے ہوئے سوچوں کی بھول بیلیوں سے ابھرا لیا۔

”فارہ بیچے اپنی چائی کے لیے چائے کافی چمکتو آئے۔“

”جی بڑی امانی..... چائی آپ چائے نہیں کی یا کافی؟“ اس نے قریب آ کر ہولے سے استفسار کیا۔  
 ”نہیں، چمکتیں انہوں نے اہمیت سے کہتے ہوئے اسے سر نظر انداز کر دیا اور دوسرے تختن پھر سے بڑی امانی کی طرف کر لیا۔

وہ لاکھ میں بڑی جنگاری کی طرح جھگڑ رہی تھی۔

”فاریہ! شام کو سلا دینا میں پسینے کے لیے میرا بڑے کا آف وائٹ سوٹ استری کر دو۔“ انہوں نے اس کی خدمت ملانے کے لیے بیسے سے منظر سے ہٹا دیا تھا۔

”جی ہاں!“ وہ سرے سرے تختوں سے بڑی ادا کے پندرہم کی طرف بڑھ گئی۔

باقی اس خاتون کے ایک ملازمی ٹاکہ کشور آرا پر ڈالی ہو گیا انہیں فاریہ کے ساتھ ان کے باردا سلوک کا احساس دلانا چاہو رہی ہوں اور کشور آرا ہیوٹھ کی طرح نظریں چراتھیں۔

”کشور آرا! وہ بہت نیک اور معصوم بچی ہے۔ چوبیس سال سے تم ایک ان دیکھی آگ میں سلگ رہی ہو اور اسے بھی جلداری ہو۔“ وہ زردہ خاطر ہو کر بولیں۔

”کشور آرا کو انہوں نے ہمیشہ چھوٹی بہن سمجھ کر بے حد شفقت اور محبت سے نوازا تھا لیکن فاریہ بھی ان کے دل کا ٹکڑا تھی۔ اپنی اولاد کی دل آزاری انہیں گوارا نہ تھی۔

”بھائی! خدا کو اچھے میں سے ہمیشہ آپ کو اپنی ماں کا رتبہ دیا ہے۔ اگرچہ آپ نے بھی میرا مان رکھا ہے لیکن آپ سے یہ بات چینی نہیں ہے کہ اس لڑکی کو میں بھی اس گھر کی جتنی خدمت نہیں کر سکتی۔ اسے دیکھ کر میرے زخم اوجھڑنے لگتے ہیں۔ میں ایک کرب مکمل میں مبتلا ہوں۔ یہ لڑکی گناہ کی پیداوار ہے۔ یہ میری بچی پر ہونے والے ظلم اور جبر کی نشانی ہے۔“ ان کے سر دائرے پر پلک نیچے کی خندنگ بڑی ادا کو اپنی ہڈیوں میں اتارتی محسوس ہوئی۔

”انہوں میں ان کی آنکھیں لال ہوئی ہوئی تھیں، اور دھیرے پروردگی چھاپ اتنی کبریٰ تھی کہ بڑی ادا کو لگا جیسے وہ تینے صحران میں نکلے پاؤں کھڑی ہیں۔

”خوش! خدا کے لیے چپے ہو جاؤ کشور آرا۔“ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں اگر فاریہ کو پتہ چل گیا کہ وہ۔۔۔ تو وہ بھی جیتے جی مرجائے گی۔“ وہ مراسیمہ سی ہو کر فوڑا انہیں ٹوک گئیں۔

”بھائی! میں جانے میری بلا سے وہ۔۔۔ تنفر سے ان کے سینہ ضدو حال بگڑنے لگے۔

بڑی ادا کے دل کو جیسے کسی نے تھپی میں سلایا۔

”مت ہو جاؤ کشور آرا کہ وہ میری اور نقد قی پاری کی انگوٹی بیٹی ہے ہمارے جگر کا ٹکڑا۔“ ان کا انداز احد درجہ سخت اور قطعی تھا۔

ایک لمحہ کشور آرا گڑباز آئیں اگرچہ وہ فطرتاً حیر مزاج کی تھیں لیکن ابھی گھر کی بڑی تھیں جن کا وہ دل سے احترام کرتی تھیں انہیں ناظر کا کرنے کا وہ سوچ بھی نہیں آتی تھیں۔

”میں نے ہمیشہ آپ کا اپنا راز رکھا ہے بھائی! اس کے سامنے کسی نہیں کہا۔“

”کیا تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت پڑتی ہے کشور آرا؟“ انہوں نے اپنی فطرت کے برخلاف جیسے جنایا۔ کشور آرا نے ان کے گلے پر ہاتھ ڈالنا تھا، یہاں بات ان کی بچی کی تھا کی تھی۔

”بھائی! آپ میرا درد نہیں سمجھتیں۔“ وہ خشک کھانں نظروں سے انہیں دیکھنے لگیں۔

”وہ سامنے۔ میری بچی کی بیٹیوں۔ اس کی اچھا نہیں۔ اس کا رانا مان آوازوں کی بازگشت آج بھی میری

سامانوں میں گونجتی ہے تو مجھے لگتا ہے میں پاگل ہو جاؤں گی۔۔۔ اور۔۔۔ اور پھر اس کی کسیری کی موت۔۔۔ میرے گھاؤ۔۔۔ میرا گھروں میں بادل آپ کو نظر نہیں آتا۔۔۔ وہ میری ماں جانی کی بھالی۔۔۔ میری بہن کی دوسراں نصیب۔۔۔ ان کی آواز بھرا تھی اور انہوں سے انہوں کا نہ رکے والا یہ لگا تھا۔۔۔ تپنے کی طرح ان کی آنکھوں میں بھرنے لگی۔

بھائی کی کرناک پاؤں انہیں آج بھی رلاتی تھیں۔ انہیں یوں ٹوٹنے گھرنے دیکھ کر بڑی ادا کی دلخیزاں پڑ گئیں۔

”کشور آرا! وہ سامنے سب کی یادداشت میں آج بھی تازہ ہے۔ وہ کاری ضرب جو اس گھر کی بنیادیں ہلائی، ہم میں سے کوئی نہیں بھولا۔ وہ جادو اس خاندان کا عظیم شہسوار تھا۔ بچی صرف تمہاری بہن نہیں تھی اس خاندان کی سب سے لادنی اور قیمتی بہن تھی۔“ بڑی ادا نے ٹھوکر کچھ میں کہتے ہوئے کشور آرا کو گلے لگایا آوازوں کی آنکھوں کے گوشوں پر جیسے ہم کہے۔

”کشور آرا! ان کے کتو سے ہر سرے سے بچی سے رودیں۔

”بھائی! چوبیس سال ہو گئے، میں وہ سب بھول نہیں پا رہی۔“ پت جھڑ کے موسموں کی ساری اداسی جیسے ان کے پور پور میں سرائت کر گئی تھی۔

”تمہارا درد مجھ سے چھپا نہیں ہے کشور۔ لیکن اس سب میں اس بچی کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ ان کی پیدائش، اس کا وجود خود ایک کین کن کر رہ گیا ہے تو پھر اس پر الزام دھرنے اسے کون سے کیا حاصل؟ وہ بے قصور ہو کر یہ سب نفرتیں کیوں ہے؟

اللہ کی طرف سے آنے والی ہر درد پاک ہے کشور۔۔۔ اسے اچھا یا برا ہم خود دیا والے بناتے ہیں۔“ وہ نامتناہی انداز میں انہیں سمجھادی تھیں۔

”کشور آرا! مصلحت چپ ہو گئیں، وہ اس مومن پر ٹھکڑو کرنے سے ہمیشہ پہلو بچی کی تھیں، جانے کیسے آج فوت یہاں تک پہنچ گئی تھی۔

انہیں خاموشی دیکھ کر بڑی ادا پھر سے گویا ہوئیں۔

”نفرت ایک لالہ ہے کشور۔۔۔ جو انسان کو اندر ہی اندر ایک زدہ اور ٹھوٹھا کر دیتی ہے۔ فاریہ سے نفرت۔ صرف اسے ہی نہیں تمہیں بھی براہ راست نقصان دے رہی ہے۔“

وہ ابر محبت بن کر قلعہ و قلعہ پر رہی تھیں۔

”کشور آرا! ان کی چھائی کی دل سے محترف تھیں لیکن حقیقت یہی تھی کہ وہ اس نفرت کو دل سے کبھی نکال نہیں سکتی تھیں۔

”میں آپ کے جتنا برا ہوں نہیں دیکھتی بھائی۔ لیکن میری کوشش ہوگی کہ میری وجہ سے کسی کی بھی دل آزاری نہ ہو۔“ انہوں نے حجاب کے موٹے کی پشت سے ٹیک لگائی اور کمرے سے سانس لینے لگیں جیسے صدمہ یوں کی سانس لینے کے آئی ہوں۔

اور بڑی ادا کی کٹھنی کے لیے اتھائی کا تھا، انہوں نے محبت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھا۔



”ہوی ای آپ کے کپڑے آئرن کر کے چمک کر دیے ہیں۔“ دفعتاً فاریہ لاؤنچ میں داخل ہوئی تو ماحول میں ان کو کھانا ڈھکوس کر کے اس کا دل خراخرا کر اٹھانے لگا۔

”کسٹور چاچی کی آنکھیں اسے جھٹکے اور وہ کسی گلیں جبکہ بڑی کسی بھی پر غلطی ہی تھیں۔

”ہاں ٹھیک ہے چٹا۔۔۔ انہوں نے قطعاً اسے نظر انداز کیا۔  
”کسٹور کیز نو برائی اور زرد سے کی دیکوں کے علاوہ تو کہہ کر آؤ رہی دیا ہے ناں۔“ انہوں نے سرعت سے گفتگو کا رخ بدل دیا۔

”جی بھائی پانچ بجے تک سب ریڈی ہوگا، کالونی کے سب گھروں میں پیام بھجوا دیا تھا، خواتین آتی ہی ہوں گی۔ آپ بھی تیار ہو کر جلدگی سے آ جائیے۔“ انہوں نے بھی کمال مہارت سے خود پر کا پوچھا تھا۔  
فاریہ بھونچو گئی اس عجیب و غریب صورت حال کو دیکھ رہی تھی۔

دونوں خواتین کے لیے اس کا جوڑ جیسے ہے مٹی ہو گیا تھا۔  
وہ صلابہ دہنے کے لیے ڈاکٹر شرف کو نہ کیا۔“ انہوں نے چچی کو یاد دہانی کرانی ضروری سمجھی۔  
”جی بھائی اور اب آپ بھی تیار ہو کر جلدگی سے آ جائیے میں چچی ہوں گا کام پڑے ہیں۔“ انہوں نے غور کو بے حد مصروف ظاہر کیا۔

”چھوٹی اسی! میں کچھ پیپ کراؤں آپ کے ساتھ؟“ اس نے ڈرتے ڈرتے جیسے اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔  
کسٹور آرام کے ہستے قدم وچیں رک گئے۔ ”چھوٹی اسی! وہ بڑا نہیں۔

بڑی اسی کے چہرے پر بھی ٹھنکری پر بدلیاں منزلانے لگیں۔  
”ہاں آ جاؤ۔“ مڑے بغیر مختصر جواب آیا۔  
بڑی اسی کے سینے سے اطمینان بھری سانس خارج ہوئی۔

فاریہ کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔  
شاردہ لینے کے بعد اس نے الماری کھولی تو کئی دیدہ و زیب لباس اس کی نگاہ التفات سے بختر کھتے ہوئے

میں پڑی۔ لباس کا انتخاب اس کے لیے ہمیشہ سے ایک مشکل مرحلہ تھا۔ وہ فطرتاً سادہ مزاج تھی جبکہ اس کے برعکس بڑی اسی بے حد اعلیٰ اور سچی لباس پہننے کی عادی تھیں۔ ان کی خوش لباسی ان کے اعلیٰ ذوق اور کھلے دماغ کا واضح عکاس تھی فاریہ کے لیے بھی وہ ایک سے بڑھ کر ایک قیمتی جوڑے سلوا تھیں۔ لیکن فاریہ زیادہ ترجیحاً اور

وہیلے ڈھالے کرتوں میں شگرت نہیں کرتی، بڑی اسی کی اس حالت سے ہمیشہ بیزار رہتیں۔ اس کا زیادہ تر وقت لندن میں گزارنا تھا۔ شلو اور سوٹ پہننا اور بڑے بڑے دوپٹے اوڑھنا اسے دنیا کا مشکل ترین کام لگتا۔

بڑے ایوٹورزم اینڈ ڈیزائننگ کارپوریشن آف پاکستان (ڈی ڈی سی پی) میں ڈائریکٹر تھے۔ ان کا گھر انڈیا شہر کے متروک گھرانوں میں شمار ہوتا۔ بڑے ایوٹورم میں تین سو ملچ اور دو لاکھ لکڑی انسان تھے۔ ان کے گھر کے ذاتی کتب خانے میں دنیا کی ہر زبان کا لکڑ پتہ تھا۔ فنون لطیفہ اور ادب کے ڈک و ان کی بھی کتابیں تھیں۔ اردو، انگریزی، فارسی، عربی، اور فرنگ زبان وہ روانی سے بولتے تھے۔ اپنے والدی طرح فاریہ کو بھی بیک وقت کئی

زبانوں پر عبور تھا، وہ جو بہو بڑے ایوٹورم کی تھی۔ خاموش طبعی، بلا کی ذہن، رنجوں، کتاہوں سے محبت کرنے والی، موسیقی کی روح میں اترنے والی۔۔۔

بڑے ایوٹورم اپنی ذات کا کوئی ٹیچر اصرار نہ کرتی۔ وہ بھی امی کی نسبت۔ بڑے ایوٹورم زیادہ قریب تھی، انہوں نے اپنے سارے حقوق اس کے اندر یوں منتقل کیے کہ وہ اس کی ذات کا خاصہ بن گئے۔ وہ در پر رنجیتوں میں گم تھی ہوئی تھی۔ اگرچہ وہ اس بات سے بے خبر نہیں تھی کہ وہ اپنے والدین کی لے پاگ بنی ہے۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ وہ کون ہے؟ اس کی کیا بات تھی؟ وہ اپنے والے والدین کو نہ تھے؟

اسے پرورش دینے والے ہی اس کی کل کا پختا تھے۔ وہی اس کی بچپان اور شناخت تھے ہوش منہا تھے ہی اس نے صرف بڑے ایوٹورم کو دیکھا تھا۔ ہی کی زبانی اسے معلوم ہوا تھا کہ اس کے اصل والدین یہ تھے کہ وہ باری کے دور بار کے بچپان اور بھائی کے فارسیان کی پہلوئی کی اولاد تھی۔ وہ صرف دو ماہ کی تھی جب اس کے والدین کی روڈ ایکسڈنٹ میں موت ہو گئی تھی انہوں نے موقع پر ہی دم توڑ دیا تھا۔ جب تصدیق باری نے اسے لکھی ایلچا پت کر لیا تھا۔

یوں ان کے زیر تربیت چلنے لگی۔ تصدیق باری اولاد کی نوت سے عزم تھے فاریہ نے ان کی زندگی میں اولاد کی کمی یوں پوری کی کہ انہیں بے اولاد ہونے کی کوئی ٹھنک نہ رہی۔ شادی کے اوّلین سالوں میں خاندان برادری میں جب بڑی اسی کو احساس دلایا گیا کہ وہ انہیں اس کی بچپان میں انہوں نے تصدیق باری سے دوسری شادی کے لیے جیسا اصرار کیا لیکن انہوں نے سختی سے ان کی اس خواہش کو رد کر دیا۔ شریک حیات سے ان کی محبت کسی سے دھکی چھپی نہ تھی پھر فارسیان کی زندگی میں آئی تو وہ انہیں اپنی کھکھی جنم اولاد سے بڑھ کر ہو گئی۔ لیکن انہوں نے اس حقیقت کو چھپا یا نہ حساب خیال نہیں کیا۔ سوچیں شادی میں قدم رکھتے ہی بڑی اسی نے اسے اصل حقیقت سے روشناس کر دیا۔ یہ آگئی، کہ وہ ان کی سچی اولاد نہیں ہے، اسے تو پانچ ماہ اسے لگا کہ وہ جن کی تبتی دوپہر میں تارکوں کی سڑک پر ہر بند پاسن کر رہی ہے۔ وہ درجہ حساس تھی۔ خاموشی زیادہ ذیہ اس کے اندر اترنے کی خواہش نے اس کے وجود میں نیچے پرے ڈال لیے بڑے ایوٹورم کی دیگر کون حالت پر سراپا احتجاج تھے لیکن بڑی اسی ایک مضبوطی اعصاب کی ایک حوصلہ مند رہتیں تھیں۔

”تصدیق صاحب فاریہ ہماری جان سے لگن سوچے ڈرا۔ اگر کسی غیر کے منہ سے اسے اس حقیقت کا اور اک ہوتا تو اسے دکھ کے ساتھ ساتھ دھوکے کا بھی گمان ہوتا۔“ وہ گہری سوچ میں مستغرق کھکی کھکی ہی بولیں۔

میاں صاحب ان کی راور اندیشی سے قائل ہو گئے۔  
”کیا یہ نہیں کہ ہم اپنی بیٹی کو انہیں دھوکے کے خودی سارا جیتا ہوں۔“ وہ پر سوچ نظروں سے شوہر کو دیکھتے ہوئے مختصر تھیں۔

”سارا جی؟“ کرب ان کے چہرے سے عجیب تھا۔ سورج جیسے سائیز سے پر آن ٹھہرا ہو۔ چشم ہی چشم تھی۔ ان کی کشادہ پیشانی پر سینے کی کھکی کھکی یوں ہی ٹھہر گئی۔  
بڑی اسی کے سینے میں جیسے تیرے گریزاں تھا۔



کراس کے نصیب میں ایسی فزقوں کے کھانے کیوں کھلے ہوئے تھے۔

اس دن کے بعد واقعہ باری سے اس کا سامنا ایک بار بھی نہیں ہوا تھا۔ کبھی وہ اس بجا کر گزر جاتی تو کبھی وہ نظر بچا کر رادہ دل لیتا، چہ بے ملی کا میل تھا۔ لیکن آج وہ اپنے قدموں کو روک نہیں پائی، اور مذہبی وہ اس کے سہمے روپ سے نظر نہ ہوا۔

شاید وہ آٹس سے ابھی گھر لوٹا تھا، گاڑی سے اترتے ہوئے بلا ارادہ ہی اس کی نظر گیسٹ سے داخل ہوئی فار تیسرے کمرے پر آئی اور وہ نگاہ جیسے پتھر کی، دو گئی۔ وہ گم سم گم گیا۔ تیسرے قدمے ساکت ہو گئے۔  
”مکن اس سے بڑھ کر بھی نہیں ہوگا۔؟“ سہمہ روپ۔۔۔ اونی چمک۔۔۔!! اس سے واقعہ باری کو وہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق لگی۔

”شاید یہ پانچ گھر سے آئی ہے۔۔۔“ اک کو کو واقعہ باری کو گمان ہوا۔

اتنا روپ اب تک کہاں چھپا ہوا تھا۔۔۔؟ آخر اس کے ہونٹوں نے چپ کی ہلک بھلی تھی۔

وہ جرات سے اسے دونوں بعد بیا کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی، ہر خوش فہم بات پر ہنسنے لگی۔

واقعہ باری کی ہنسنے خاموش رہے، والی آنکھیں سرکشی پر آ رہی تھیں، وہ جو اس کی شدتوں سے خائف رہتا تھا اس وقت دشت بھرے جنوں کے ذریعہ زور ہوا تھا۔

عشق آنکھوں سے چمک چمک جا رہا تھا۔ فضاؤں میں جیسے ساز بجنے لگے تھے۔ ہوائیں دھن دھن کر رہی تھیں۔۔۔

وقت جیسے رک گیا تھا۔ گرد و شیں تھر تھر تھیں۔

کائنات کے ہر گوشے میں ایک ہی آواز کی بازگشت دھماکا تھی۔ عشق۔ عشق۔ عشق۔۔۔!! قادیہ تنہم نہم بخود تھی۔

”چپ کیوں ہو۔۔۔؟“ بولی کیوں نہیں۔۔۔؟“ واقعہ باری کے ساکت قدموں نے وہ لاٹھیاں قاسلے گھولیں میں ملے کیے تھے۔

کلائی پہنچ کر اسے خود سے قریب کیا۔۔۔ اور گرد کی مطلق پروا نہ تھی۔۔۔ پورے خالی تھا۔ شاید سب مہمان اندر جا چکے تھے۔۔۔ وہ سرخاڑی کبھی چلی آئی۔

”کہاں پھنسا رہا تھا روپ۔۔۔؟“ نور کے ہالے میں لپٹا ہوا وجود۔۔۔؟“ گرد و دیت گردو ہے تو اب تک آشکار کیوں نہیں ہوا تھا۔۔۔؟ کیا میری محبت کو ایک لمحہ زور دے رہا تھا۔؟

پانچہاڑی شدتیں رنگ لاری ہی۔۔۔؟

تہہ راجنوں تہہ راجنوں سے ہوتا ہوا میرے خون کے دروں میں کیوں شامل ہو رہا ہے؟

میری محبت جنوں ہو رہی ہے۔ عشق کا کوئی کلیہ نہیں۔۔۔ محبت کسی فارموسے کو نہیں مانتی۔۔۔ مکن ایک لمحہ۔۔۔ دل اک لمحے کو اسیر ہو جاتا ہے۔ شاید وہ مجھ پر دارودا ہے۔

قادیہ تیسرے اعتباراً عشق پر میرے دل کے گھٹنوں پر نازل ہو رہا ہے۔۔۔ وہ جو اپنے جذباتوں کو نہایت نہایت کر کے کاغذی تھا آج کتاب عشق کا باب اس کے سامنے کھول کر رکھ رہا تھا۔

اک لمحہ کو قادیہ تیسرے کمرے کا دل چاہا، کاش وہ ابھی نہ جاتے۔۔۔ صدیوں سے اس کی ساعین جھونکنے کی تمنا تھیں۔ آج وہ خود اس دیرینہ پوری ہو گئی۔ وہ جیسے کی زبانی بھی تھی۔ گم سم۔۔۔ خاموش۔۔۔

”بولی کیوں نہیں ہوتی۔۔۔؟“

یہ چپ کیوں۔۔۔؟

”عزت جرم کر رہا ہوں۔۔۔ نہیں جی پاؤں کا تیرے بنا۔۔۔ میرے لیے بٹی ہو تم۔ میری ہو۔۔۔ میری بن جاؤ۔۔۔“ دوسرا تھم بھی اس کی گرفت میں آ گیا تھا۔

وہ اسے سفیانہ لہری کی ادب میں ہو گیا۔

وہ کسی معمول کی طرح اس کے کھٹے میں تھی۔ گویا وہ ملی جتنی کا باہر تھا، جو اس پر تھوکی عمل کر رہا تھا۔

وہ مکمل طور پر اس کی سی کے عام میں تھی۔ قوت کو پائی جیسے سب ہو گئی تھی۔

واقعہ باری کا پاگل بن کر بڑھ رہا تھا۔!!

وہ اپنی ہی دیوانگی میں۔۔۔!!

خدا یا۔۔۔! جیسے قیامت نازل ہوئی تھی۔ اس کے گمان کے ہزاروں حصے میں بھی نہ تھا کہ واقعہ باری کا عشق اس پر یوں شکست ہو گا۔ پوری شدتوں سے۔۔۔ پوری حدتوں سے۔۔۔!!

باہر دل بہتا ہوا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ بے آواز رو رہی۔۔۔!!

اس وقت کی سیاحت میں جھٹکتے ہو کی دنیاؤں کا سفر طے کر گئی تھی۔

”بہت برے ہو تم۔ بہت برے۔۔۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔ بہت زیادہ۔۔۔“ خدا خدا کر کے کھڑو ہوا تھا۔

”میں تم سے بہت نفرت کرتی ہوں باری۔۔۔“ اس نے تھک کر اس کے شانے پر سر رکھ دیا۔ انگلیوں کا ایک سیلاب تھا جو بہہ نکلا تھا۔

واقعہ باری کے لبوں کے ساتھ ساتھ تورم آنکھیں بھی سکڑا دیں۔

وہ اس کی محبت میں جب جب سے کسی ہوئی، یوں ہی فزقوں کا اظہار کرتی۔۔۔!!

بچپن کا کٹھن تھا، اس کی ہر ادا سے ابھی رکھتا تھا۔

”اور۔۔۔“ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ بہت زیادہ محبت۔۔۔!! باری نے اس کے منہ پر چھو کے ہاتھوں کے پیالے میں تمام کر حساب برابر کیا۔

”پاگل۔۔۔“ حواسوں میں آتی ہے اس کی دھڑکنوں کا ساز قریب سے سنا تو پٹپٹا کر اسے پرے دھکیلا۔۔۔ رشادوں پر وقت سے سرفرنگ ہو گئی تھی۔

”خدا یا۔۔۔ یہ کسی بے اختیار دیوانگی تھی۔“ اس نے دل میں خود کو کوسا۔

”اور یہ تم جی۔۔۔ اور۔۔۔ اور ظالم تھی۔۔۔“ واقعہ باری نے اسے گھورا۔۔۔ قادیہ کا خوشبودار آنچل ابھی بھی اس کے پاؤں میں جھک رہا تھا۔

”واقعہ باری کو لگا، وہ اس وقت دنیا کے سب سے پرسکون گوشے میں تھم ہے۔ آخر محبت کی جیت

دوشنبه ۱۱۴

دوشنبه ۱۱۵

کو دیکھتے ہوئے تاسف سے سر ہلایا۔

فاریہ تبسم کے ساتھ ان کا نارادیہ کسی سے چھپا نہ تھا، لیکن جنت آباد کی منہ پھٹ تھیں وہ سارے لحاظ بالائے حقائق کھکھریاں کے درد و ہوجا تھیں، موکشور اور اجنبی سے قدرے خائف رہیں اور اس کے سامنے قاریہ کو برا بھلا کہنے لگیں مگر بزرگ تھیں، دل میں پنپاں نفرت چرے سے بے چنگک ہی جاتی۔

”بیچنے کرتے ہوئے تھوڑی دیر ہو گئی تھی بڑی امی“ اس نے آہستہ سے بتایا۔

بڑی امی نے ایک گہری جاکھن نکاھ اس کے چہرے پر ڈالی۔ شاید کچھ انتہائی ہوئی تھی اس کی آنکھوں میں غجب الوہی چمک رہی تھی اور گلوں کی لالی لکڑن ہو رہی تھی لیکن چہرے پر ایسا کی گہری جاہت بھی تھی۔ وہ متضاد کیفیات کا شکار رنگ رہی تھی۔

جیسے امیر اور تاسیہ کی صورت میں گہری ہو۔ ہاں کی چمکی حس اولاد کے معاملے میں بہت چیز ہوتی ہے قاریہ ہاں کی نظروں کا فوس خود پر محسوس کر کے چوکی ہو گئی۔

اس کا دل چاہا وہ دور نہیں چاہیے۔ اور اگھار کے اس لئے کو بھی دور جنگل میں پڑھنے پر گم کے تھے کھنکھ چھپا دے، جہاں کسی ڈی شہور کا گڈرنک نہ ہو۔ وہ کیا سوچتی ہے؟ کیا جانتی ہے؟ اس کا دل وصل کی کن سامتوں کا غنائی ہے۔ اس کی رگوں میں کس سے خواب لبوں کا درد ہے ہیں۔؟ کاش کسی کو اس کی خبر تک نہ ہو۔ اس کے ہاتھ تو بازو جیسے کوئی خزانہ گم گیا تھا۔!!

فی الوقت وہ خود سے بھی چھپ رہی تھی۔ ابھی تو خود کو یقین دلانا تھا کہ وہ زندگی کی بساط پر سب سے بڑی بازی جیت آئی تھی، کچھ گرمیاں تھیں، کچھ حسرتیں تھیں، جواز لوں سے ہر کام پر ساتھ رہی تھیں، اب، ان کو اولاد کا کہنا تھا۔!!

اس کے غضب کا نارو اب بچنے والا تھا، لیکن چاہتوں کے کچھ مٹانے تھے۔ ابھی کچھ بچی رکھنا تھا۔ راز دل کسی سے نہ کہتا تھا۔ اس سے کسی نہیں۔ لیکن شاید ماں سے کچھ چھپانا ناگزیر تھا، لا شعوری طور پر اس نے رخ موڑ لیا۔ گویا ان کی نظروں سے چھپنا چادر ہی ہو۔

بڑی امی کے چہرے پر اس کی اس بے ساختہ بچکانہ حرکت نے سکرابت بکسیر دی۔ فی الحال انہوں نے کسی قسم کی دخل در معقولات کو مناسب نہ جانا، اور خاموشی سے ڈاکٹر نمبر کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

تین گھنٹے بعد درد و شرف کی مٹل آہیں افسانہ مآب ہو گئیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ہوں دعا کرانی کہ سناں بندھ گیا۔ اللہ کے محبوب کی محبت میں ہر آن کچھ جیسے اگھار گیا۔ قاریہ نے انتہائی افسانہ گ سے انہیں سن رہی تھی۔ دونوں ہاتھ اٹھائے بندھ انھوں سے دعا گواہی میں وہ پورے جذب سے فریاد کر رہی تھی۔

آج اس کے انداز ہی نرا لے تھے۔ وہ گم کرد و نوح سے بالکل بے نیاز کر رہی تھی۔ اس کی محبت پر کشور اور امی ٹھک تھیں۔ وہ ان کا تو کچھ نہیں۔ ان سے بے حد مشابہت لیے ہوئے

!!

”خدا یا۔ یہ کس قدر تکلیف دہ ہے۔“ انہوں نے ہنوار سے دیکھتے ہوئے اذیت سے سوچا، جس کے ہونہر دھیرے دھیرے مل رہے تھے ایک لمبی کواٹھیں یوں لگا، گویا وہ کسی مقدس جگہ سے مضبوط احصار میں

ہے۔ اس کا چہرہ درخشینوں کے ہالے میں تھا۔

کون سی کشش تھی جو انہیں اس کی طرف کھینچ رہی تھی؟

کیا وہ اس کی دعاؤں میں شامل ہو رہی تھیں؟

انہما نے خیالوں نے انہیں خوفزدہ کر دیا۔

دوسرے ہی لمبے کی دلدرد تھیں ان کے پردہ حامت پر پتھر برساتے لگیں، تو نفرت سے ان کی رگیں تن گئیں۔

”یہ معنوں لڑکی کسی صورت میرے دل میں جگہ نہیں پا سکتی۔“ اپنے خیالات پر نفرت بھیجتے ہوئے انہوں نے سر دھری سے اسے دیکھا جس کی دعا میں شاید ہمارا مالوت آئی ہیں۔!!

راشقی باری کے لیے وہ ایک جانفزا احساس تھی، موکشور مارا کے لیے وہ ایک اذیت ناک سفاک حقیقت تھے قبول کرنے سے وہ ہمیشہ منکر رہی تھیں۔

☆.....☆

جنت آباد کے ساتھ کھانا سرو کروانے کے بعد وہ بہران میں چلی آئی۔ موسم بدل رہا تھا۔ ہواؤں میں خشکی سی تھی۔ شام دس بج چکی تھی۔ اس نے تازہ ہوا میں ایک گہرا سانس لیا، اور بید کی آراہہ گرمی کی بہت سے لک لکائی۔

کچھ لمبے یونیفرم گئے۔ دفعتاً آہت پر اس نے نرم و آگھوں سے دیکھا تو عقب میں جنت آباد کو پایا

”یہاں کیوں چلی آئیں۔“ اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے وہ محبت آہیر نظر سے بولیں۔

”بہن یونیفرم ٹھک چکی تھی۔“ ان کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے وہ آہستہ سے بولی۔

”مم۔“ مجھے تو دل میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔“ ذہنی انداز میں کہتے ہوئے وہ اس کے قریب پڑی

چیز پر برا بھلا ہوتے ہوئے بولیں۔

”نہیں آ پالیا کچھ نہیں ہے۔“ وہ بھیجی سے بولی۔

”اب اپنی آپا سے بھی چھپاؤ گی۔“ وہ دھکا ہوئیں کچھ کہتے ہیں جس کی پردہ داری ہے۔“ انہوں نے

ہنوار سے دیکھا۔

”توہ میں رہنا ان کی عادت نہ تھی، لیکن شاید کچھ ملنے تھے، جس کی انہیں خبر نہ تھی، جو شاید قاریہ تبسم کے

ساتھ باری کو بھی کسی شخص میں ڈال سکتے تھے، اسی لیے ان کے اندر ایک کھد ہو گئی تھی۔

قاریہ کو آپا کے ظلموں اور ان کی محبت پر کوئی شک نہ تھا لیکن فی الوقت وہ اپنے جہ بولوں کو خود پر تکلف

کرنے سے بھی قاصر تھی۔

ان کے درمیان خاموشی کا ایک پردہ حائل ہو گیا۔

آپا نہایت اطمینان سے چائے کے کپ لیے رہی تھیں۔ شاید وہ بھی اس وقت دنیا جا رہی تھیں۔

”آپا کو کشور چاہی مجھ سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں؟“ چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے خاموشی کا

پردہ چاک کیا۔

مدد در پیا

مادر دنیا کا اسم Ages Gonex Bojachlu تھا۔ وہ مقدونیہ میں پیدا ہوئی اس کا خاندان سلاویہ سے آ کر کہاں آباد ہوا تھا۔ وہ بارہ برس کی تھی کہ اسے خدا کی طرف سیما پر درود سدا رہا اس کا القا ہوا اسے یونانی قصا روہنک کی محبت کو عام کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے اس نے اظہار ہر س کی مرض میں اپنے والدین کا گھر چھوڑا اور آئر لینڈ سے نقل مکانی والوں کی ایک کیتھولک Sister Loreto میں شامل ہوئی اس کی شاخص انڈیا میں بھی تھیں۔ یوں انعام دینے والے ادارے سے راجنیکوئل کیتھولک نے 1979 کا انعام مادر دنیا کو دے کا فیصلہ کیا کیتھولک نے فیصلہ کرتے وقت اس کی انسان دوست سرگرمیوں کے پس پردہ کارفرما جے اور اس اپنے جے کو عام عسومات میں لانے کے لیے اس کی استحکامت کو پیش نظر رکھا۔ اسے فقیرن رہا کہ ہر شخص کے اندر بھی نیک شری موجود ہوتی ہے اسے انسان کی عظمت پر مکمل یقین تھا اور اس یقین کے باعث اس کے ہاتھوں میں دم توڑنے سے تیار حال مجبوروں نے اپنے آخری لحاظ سکون سے گزارا۔ یہ حیات کے بنیادی فلسفے کے باعث اسے دوسرے مذاہب سے وابستہ افراد کی ہر جہر معاونت بھی برسرِ رسی اس کی خدمات کا اعتراف باقیتر مذاہب دلت ہر جگہ کیا گیا اور اسے ایک شاعر نے مادر دنیا کی کوششوں میں کارفرما جے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے "حیات ایک خوشی حال ہر جہر ہے جسے زوال نہیں ہے خوشی دوسرا کو خوشی دینے سے حاصل ہوتی ہے۔"

(ردائے خیال..... پروفیسر شیریں نگاری عبتر)

اس غیر متوقع سوال پر آپ کا چہرہ یکدم تن پر گیا۔ انہیں لگا کہ وہ کیا ایک ان دلچسپی زنجیروں میں جکڑ گئی ہیں۔

اس کی آواز نہیں دوسرے اندھے کنویں سے آتی محسوس ہوتی۔ ان کے درمیان اس موضوع پر کبھی مکمل کر بات نہیں ہوتی تھی، آپ کیا کٹر اجاب تھے، تو کبھی وہ دامن بچا بجاتی پھر آج ایسا کیا ہو گیا تھا، جو وہ ایسا سوال کر رہی تھی جو اس کے لیے شجر ممنوعہ تھا۔

”آپ بالکل مجھے بتائیں، کیا یہ سب میرے اندر مختلف سوالوں کے جواب دہانے آئے ہیں..... سوالوں کے گول گول دائرے، مضمون بن جاتے ہیں اور وہ پھر دوسرے کے دایہ..... جن میں میری روح بھی نہیں میرا ہوا وجود بھی اس کے اندر گھس جاتا ہے۔“

بات کرتے کرتے اس کا سانس یوں پھول گیا، گویا وہ ایک دنیا سے دوسری دنیا کا سفر طے کر کے آئی ہو۔  
آباد مہ سادھے جیسے مرا تے میں چلی گئیں۔

وہ تو اسے کھوجنے آئی تھیں، لیکن یہاں تو اور ہی فصیحہ کھڑا ہوا گیا تھا۔

وہ ماضی کی بھول بھلیوں میں کھو گئی۔ جہاں ہر ہر روز پر فائدہ ہے، تقسیم کے لیے کانٹوں سی جھجھکی پھانیاں جا بجا بکھری ہوئی تھیں۔ جنہیں اُمر و جوانی اپنی تو اس کی دھڑکنیں محسوس کرتی تھیں، مگر انہیں گھڑی بھر میں رک جاتیں۔

آیا کو جبرجبری آگئی۔

”ایسا کیا پوچھ لیا ہے میں نے آپ؟..... جو آپ اپنی زبان کہیں مگر وی رکھ آئی ہیں.....؟ ان کی طویل خاموشی سے مایوس ہو کر وہ کئی سے بولی۔

وہ آپاکی بے حد عزت کرتی تھی، عموماً وہ کسی سے بھی اس لب و لہجے میں بات کرنے کی عادی نہ تھی، چہ جائیکہ کہ آپا سے ایسے تلخ ہوتی۔

”ماں تم سے نفرت نہیں کرتیں، وہ فطری سخت مزاج کی ہیں اور یہ بات سب جانتے ہیں..... اور ان کے پاس تم سے نفرت کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے، اس کے بچہ کو کبیر نظر انداز کرتے ہوئے دو ٹکڑے سے بولیں۔ فارسی کے بولوں پر ایک استہزاء سے مسکراہٹ پھیل گئی۔

”نہیں..... وہ صرف مجھ سے نفرت کرتی ہیں اور یہ بات بھی جانتے ہیں۔“ وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوط دھکیل لہجہ میں بولی تو آجائے ساختہ نظریں حرا کھین۔

وہ آج اس کی جرات گفتار پر دو گت تھیں؟ اس سے پہلے ماں کی ذات کو اس نے کبھی موضوع گفتگو بنانے کی ہمت نہیں کی تھی، پھر آج اس مکالمے تک نوبت کیسے آئی تھی؟

”فاریہ.....“ آپا نے کچھ کہنا چاہا۔

”یہ کتنی کبھی نہیں سلجھے گی آپا.....!!“ اس کی آواز آنسوؤں میں جھج گئی۔

”کچھ گریں ایسی ہوتی ہیں جو ہمیشہ ہمدردی رہیں تو ہی سب کے لیے غایت ہے۔“ اب کی بار جنت کا بچہ سردار اور برقی لیے ہوئے تھا۔

”بچپن سے ہی میں نے اپنے اندر اچھے ہر سوال کو دیا صرف اس لیے کہ میرے سوال ایسے کو تکلیف دیتے تھے اور میں ان کی آزر کو کا باعث نہیں بننا چاہتی تھی، کبھی نہیں..... اور ج کبوں آپا..... تو وہ

سب بائیں اب میرے لیے قصہ پارینہ ہیں۔ میں اپنے اندر کے سارے اضطراب - ساری بے چینی ہے۔ وہ بے گرب۔ بے شناخت ہونے کے دکھ ایک مندو قد میں قید کر کے انہیں بائیں کے

میرے لئے یہی نہیں دیتی۔۔۔۔۔ میرے حال کے خدو خال سنو نے ہی نہیں دیتی۔۔۔۔۔ ان کی ذات میرے مستقبل سے

24 سال سے آزادانہ طور پر کرسچن بن کر رہا ہے۔ اس نے پھوٹ

جنت باری کے ارد گرد جسے خطہ کی گشتالہ پنج منبر ..... انوار الہیہ، مکتبہ اہل بیت، قم

کی تصدیق ہو گئی تھی۔

”والثق.....“ ان کے لب بیز بیز

کیا اس نے اس جہی دامار لڑک کو یقین کر دیا تھا۔



”تم اس منشی کے سوار کیسے بن گئے جو باجپدار کے سمندری گشتی تھوں میں کسی وقت بھی ڈوب سکتی ہے؟“ انہوں نے دل ہی دل میں بھائی کی غلطی کرتے ہوئے کبر سے سوچا۔  
 ”فاری“ اپنے قدموں کو کھینک روک لیا۔ وہ نہ دیکھنے والے ایسے طوفان کی لپیٹ میں آ جاؤ گی، جو تہارا دوجوئی نہیں، تہااری روح تک بھیر کر رکھ دے گا۔“ جنت نے دھشت زدہ لہجے میں بے چنگی سے کہا۔

”میں نے مددوں سے اپنے قدموں کو روک رکھا تھا آپا۔ لیکن اب ضبط کا پارا نہیں ہے۔“ اس کے لہجے میں ہی نہیں اس کی آنکھوں میں بھی شش بول رہا تھا۔ دو میدے سی سخت دلی مرنا ہوا شش کی۔  
 لہجہ میں کرب کی اتنی آج بھئی کہ آپا کا پورا دوجوئی گھٹ گیا۔  
 ”خود کو اس آزمائش میں مت ڈالو فاری۔ قیامت آ جائے گی ہر رشتہ داؤ پر لگ جائے گا۔ اپنے ہاتھوں سے اس تباہی و بربادی کا سامان مت کرو، جس پر عمر بھر بچھتا رہو۔“ انہوں نے اسے روکنے کی ہجر پر کو شش کی۔

آکر کشرور را کو اس معاملے کی ہنگامی بھی پڑ جاتی تو یقیناً وہ اس خاندان کی اینٹ سے اینٹ بھاڑتیں۔  
 آنے والے وقت کی آ آئیں جنت باری کو خود کر رہی تھیں۔  
 کشرور را کو اس شدت سے فاری ہم سے نفرت کرتی تھیں اور کیوں کرتی تھیں؟ بد قسمتی سے جنت باری کی پیرا زنی سال پہلے ہی تکشوف ہو گیا تھا۔ وہ دونوں بے یقینی و کرب کی کیفیت سے دو چار رہیں، لیکن ان کا سوچنے کا نظریہ اپنی ماں سے قطعی مختلف تھا۔ وہ قابل رحم لڑکی، جو خود اپنے ”اصل“ سے نا آشنا کی۔ کسی کے لیے باعث نفرت کیوں کر ہو سکتی تھی؟

اگر اس کے مقدر سے اس کے وجود کو ناپائے لیے قابل تحقیر بنا دیا تھا، تو کیا لازم تھا کہ اس کے قرب و جوار میں بسنے والے بھی اس کی بے یقینی کر کرتے؟  
 ”کیا محبت کرنا بہت بڑا جرم ہے آپا؟“

”کیا میں بے شناخت ہوں۔ اس لیے مجھے قابل نفرت ٹھہرا دیا جا رہا ہے؟“  
 کہا میں بے نام ہوں۔ اس لیے مجھے ہمیشہ دھککا مارا گیا ہے۔؟  
 مجھے روک کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جگہ کا شلوک ہو نا ٹھہرا۔  
 ”بولیں نا آپا؟“ وہ ان کے کندھے پر سر رکھ کر بے آواز آنکھوں سے رو رہی تھی۔

یہ عشق بھی کسی جراثیم بخش دوتا ہے، وہ جو اپنی ذات کے نرم میں جھلکاں۔ آج جیسے بانگہ دہلی اپنے جہڑوں کو اذان کو پائی ہے، وہی بھی۔ وہ جو کسی خود سے ہونے والی کو دلائق باری کا نام نکالنے کی اجازت نہ دیتی آج یوں ٹھہر کر گھر کی گلی کی ہر اڑا دشت از نام ہو گیا تھا۔

”فاری۔ میری لڑیا۔ کاش میں تیرے سامنے درو لے لوں۔“ آپا کا حساس دل تپ اٹھا۔  
 فاری تبسم ان کے بھائی کے لیے اپنے دل میں نرم کو کشرور تھی، اس کا آنکھیں خوب اعزاء تھا۔ لیکن اس کے جذبہ جاتے پختہ تھے۔ اتنی شدت لیے ہوئے تھے۔ یہ ان کے گمان میں بھی نہ تھا۔

”جو بچپان ہم نے نہیں دی۔ کیا وہ تہااری شناخت کے لیے کافی نہیں؟ تہاارے نام کے ساتھ تصدیق باری کا نام بڑا ہے اس کے باوجود ہمیں اپنا وجود بے نام ہٹا کر لگتا ہے۔ تو فاری باری کے ساتھ تہاارا رشتہ کیسے مستحکم ہو سکتا ہے؟“ اشتعال سے تصدیق باری کے چہرے کے عضلات جھریے ہوئے تھے۔  
 بے چنگ لہجہ اس وقت جھڑپے سے سارکی تھا۔

فاری تبسم اور جنت آپا کا خیر حرکت نہ ہونی کہ تصدیق باری کب وہاں آئے۔ اور ان دونوں کے مابین ہونے والی باتیں جس حد تک ان کی ساتھیوں تک نہیں؟

”بڑے ابو۔؟“ جنت آپا کی طرح گڑباز گئیں اور فاری تبسم جیسے پتھر کی ہو گئی۔  
 وہ آواز شوش کی ایسی دلہلی میں جس میں رسی تھی جہاں سے نکلے گی کوئی راہ بھائی نہ دے رہی تھی اس کا دماغ ڈکوف ہونے لگا۔

”ابو۔“ اس کے لب بے آواز پھڑپھڑائے۔  
 ”کیا ان کا تعلیم رشتہ ناجائز بھی ہو سکتا تھا۔؟“ اسے لگا جیسے چہار سو سو امر اہل چوک ہو رہا ہے۔  
 اور تا حد تک صرف جانی ہی تھی۔

”بڑے ابو۔“ وہ۔۔۔۔۔ ہم۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ غلط بھڑپے ہیں جنت آپا نے فوراً حواس میں آتے ہوئے بات سنبھالنے کی کوشش کی۔

”میں تم سے بات نہیں کر رہا جنت۔“ بڑے ابو کا لہجہ شاید ہی زندگی میں کبھی اتنی سختی لیے ہوئے ہوگا جنت آپا دانت پر دانت جمائے نہ وہ گئیں۔ ”میں اس لڑکی سے بات کر رہا ہوں جسے میں اپنی بیٹی سمجھتا تھا۔“ وہ نظروں کے شعلے برساتے ہوئے اسے کھینک کر لے کر تیار تھے۔

”تھا۔؟“ فاری تبسم کی نظروں میں بچپن سے جوانی تک کے سارے لمحے ایک فلم کی طرح چلنے لگے۔  
 ماں باپ کے رشتے کے علاوہ اس کی زندگی کا شلوک ہر رشتے سے خالی تھا اور۔۔۔۔۔ وہ شخص، جو اس کی بندگی تھا۔ اس کے کمرے میں شامل تھا۔ کیا اس کے لیے اتنا کام ہو گیا تھا کہ اس کی خاطر ہر رشتے پر سوال اٹھ گیا تھا، جو رشتہ اس کی پوری زندگی کا حاصل تھا۔ اس کے ہونے کا خاص تھا۔ ”اس کے بابا، اس کی ماں۔۔۔۔۔ جن کی سانسوں کا رعبا اس کی سانسوں سے بڑا تھا۔

لکھے کے ہزاروں حصے میں اسے ایک عظیم خزانے کا احساس ہوا۔  
 ”بابا۔“ وہ بے ساختہ انگوٹھ کی طرح ان کی طرف لگی۔

”بابا۔؟“ وہ دیکھ کر چمکے۔ اس کے لبوں سے یہ لفظ ”بابا“ سننے کے دو کھتے تھیں تھے، لیکن آج وہ واقع اور جنت کی طرح انہیں ہمیشہ بڑے ابو ہی سمجھتی تھیں۔ جانے کیوں۔ لیکن آج یہ دلہرا باصلاحیت ان کی دلی کی جھڑپیں زمین کو توڑ دے پایا۔

بھڑپنا ہونے لگا۔۔۔۔۔  
 ”بابا۔“ پلیز مجھے معاف کر دیں۔ آپ کی نادان بیٹی کو صرف آپ کی ایک نظر چاہیے ورنہ آج میرا وجود بے قسمی ہو جائے گا، شش میں مل کر خاک ہو جائے گا۔ میری جاسر ف آپ کی ایک نگاہ۔ بابا۔“



اس کے لفظوں میں اس کا دل بول رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں اس کا دل بول رہا تھا۔

وہ آگے بڑھی۔۔۔۔۔ تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہیں روک دیا۔ ان کے انداز میں اتنی

قلعیت تھی کہ وہ اپنی جگہ پر بھڑکی موت میں بدل گئی۔

”ہمارا نام۔۔۔۔۔ ہمارا رشتہ۔۔۔۔۔ ہماری چھت۔۔۔۔۔ تمہارے لیے کسی کماؤ خانے میں رکھی ہے یہ مصروف اشیاء

سے زیادہ اہمیت رکھیں۔۔۔۔۔ دور کی گوج نقدی باری کے بچے کو بھوکھی۔

”ابا۔۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔۔ میری بات میں۔۔۔۔۔ بچہ کے بت میں حرکت ہوئی۔

”سن لی۔۔۔۔۔ تمہاری بات سنی۔۔۔۔۔ اور سمجھ گئی۔۔۔۔۔“ کاٹ داد لے کر کہتے وہ ابروؤں پر چھوے اور

لیے لیے ڈگ بھرتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

فاریس ہمیں دیکھ کر ہی پر جم گئی۔

بجٹہ! پچھلے قاتلانی بیوہ نکس۔۔۔۔۔ ہم کسی۔۔۔۔۔

☆ ☆ ☆

خانوش طبع تو وہ ہمیشہ سے تھی، لیکن اب کی بار خانوشوں کے ہم بغیر میں وہ یوں کھو گئی کہ لفظ جیسے کبھی

رہن رکھ آئی ہوا اس کے شب و روز کمر میں شخص جسے اس کمرے میں گزر رہے تھے۔ جہاں وہ رنگوں سے ٹکرائی تھی

بلیس بیکس اس کی گوشہ نشینی پر پورے کمر میں بولا جاتی بولتی چمک رہی تھیں جبکہ نقدی باری بھی کئی دن سے کتاہوں

میں گم تھے۔ گویا کتاہیں ہی اوزھنا چھو رہی ہیں۔

”بلیس! تم، بدلتے موسم، کیا ایسے میں عذاب لاتے ہیں۔۔۔۔۔؟“ اس نے ششے کے پار ترقی دھند دیکھ کر

سوچا۔

ان گزرے چند دنوں میں اس کے چہرے کی روحانی اور ذہنی حالت میں بدل گئی تھی۔۔۔۔۔ کسی پت بھڑکی

لڑکی تھی جسے کی روگہ پھمد یوں سے ایسا وہ بے پروا نظر نہ ڈھنڈھ۔۔۔۔۔!!

”اللہ۔۔۔۔۔ اس سے سہارا دل کو سہارا دے۔۔۔۔۔“ کیوں پر تیزی سے اسزور لگاتے ہوئے اس نے

پہلو میں اٹھتے درود کو دایا۔ شدت ضبط سے آکھیں پورے رنگ و ہوش میں اس کا دماغ مکمل طور سے ماؤف

ہو چکا تھا۔ یہ خود دیکھنے اپنے حواس کو ہوش تھی۔

آؤ سو نظر و نظر وہ اس کا داس بن کر رہے تھے۔۔۔۔۔!!

لیکن وہ اپنے دل پر پاؤں رکھتی رہنے نہ دیا وہ چڑھنے لگی۔۔۔۔۔ درود کہیں۔۔۔۔۔ خلاؤں میں۔۔۔۔۔ اس پار۔۔۔۔۔

جہاں اس کے اور اس خلیق کار کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہ جاتا تھا۔ جو پہناؤ کو تخلیق کرنے والا ہے۔ اب

اس کے زور بردہ نے کی خواہش زور پکڑ رہی تھی۔۔۔۔۔

باہر کی دھند اس کے اندر تر رہی تھی۔۔۔۔۔ وہ یوں ہی ہو رہی تھی۔

عجب کیف تھا۔۔۔۔۔ عجب روانی تھی۔۔۔۔۔ عجب چاندانی تھی!!

گرب ہی گرب تھا۔۔۔۔۔ درد کے حساب سنگن بھی!!

کا پتلی انگلیوں میں دبا کرش تیزی سے چل رہا تھا۔

کیوں پر رنگوں نے کیا تھی اٹھا کر کھینچ کر نب جانے۔۔۔۔۔!!

درد خلیق ہو رہا تھا۔۔۔۔۔ میں درد!!

سیارہ رنگ، سرخ رنگ، میں ہم جان ہو کر بن کر رہا تھا۔

رنگ ماتم کر رہے تھے جیسے عزاداری کی ساری دیکھیں بھار ہے ہیں۔ اور وہ جو خود سے بھڑکی تھی جس کا

وجود دنیا کی آلاشوں سے پاک ہونے کا آرزو مند ہو رہا تھا اور درد نفس سے آزادی کا پروانہ مانگ رہی

تھی۔۔۔۔۔ وہ بے تر نہیں آئی۔۔۔۔۔ صرف ایک بار۔۔۔۔۔ صرف ایک بار۔۔۔۔۔ اور وہ ہونا چاہتی تھی۔

کچھ تھکے سوال تھے۔۔۔۔۔ جن کے جواب دور کر رہے۔

سوال جواس کے اندر کھلا تھے۔۔۔۔۔ شور مچاتے تھے۔۔۔۔۔ جو ایک آواز کی طرح اس کے گلے میں پھنسا

ڈالے اسے ہر رشتے سے دور کر رہے تھے، جو سانسوں سے ضروری تھا۔ سوال جواس زاروں سے خنجر ہونے پر

قیامت برپا کر چکے تھے۔۔۔۔۔!!

اسزور کی میں مزید تیزی آ گئی۔

شعور سے لاشعور تک کے سفر میں وہ خود سے بیکانی ہو جاتی تھی۔۔۔۔۔!! رنگ خوفزدہ ہو کر سر کو شیاں

کرنے لگے، جواس کی ساقوں کو ڈھکی کرنے لگیں۔

کیوں پر ایک شہید اجڑی۔۔۔۔۔ سیاہ بصر اور زرد رنگوں میں ڈھلاؤ لگ گیا۔۔۔۔۔!!

فاریس ہم نے انھوں سے محروم اس شہید کے لبوں سے سارے سوال چپکا دیے۔

اس کی آنکھوں نے اٹھ کر اٹھا رہا تھا۔

وہ ہم خرابیدہ حالت میں تھی۔

”تم چپ کیوں ہو؟“ یوں خانوش مت رہو۔۔۔۔۔ خدا را۔۔۔۔۔“ وہ کیوں کو دووں انھوں سے تھا سے

اس عکس سے قاطب کی جواس کے پاس پہنچے تھا ایک عظیم شام کا رنگ تھا۔

”اے اللہ سے چھوٹا نہیں میرا نصیب اس نے کون سے قلم سے لکھا۔۔۔۔۔؟“ وہ جیسے مکمل طور سے اپنے

حواس کو بھوکھی تھی۔۔۔۔۔ ”سنو۔۔۔۔۔“ بھی پوچھا، کہ میرے جسے کی خوشیوں پر غمزوں کا کالا سائے کیوں؟“ اس

کی آواز آئی نہ سمجھی کہ اس پر سرگوشی کا سا گمان ہو رہا تھا، ایسی سرگوشی، جس میں کئی بد نصیب کھوں کی گونج

تھی۔۔۔۔۔!!

دفعہ دروازے پر ہلکی دھک ہوئی لیکن فاریس کی قسم کا اور ٹکڑ ٹکڑ نہ پاپا۔

بلیس خانوں نے دروازے کو کھولا، وہ لاؤٹ نہیں تھا، وہ کبھی سانس لے کر آہستگی سے اندر داخل

ہوئیں۔۔۔۔۔ لیکن اندر کا منظر ان کا دل دہلائے کے لیے کافی تھا۔

کمرے کی دیوار پر ان کی نگاہ جیسے چپ کر رہی تھی، اور پاؤں پتھر کے ہو گئے وہ ایک قدم بھی آگے نہ

بڑھا پائیں۔۔۔۔۔ ”فاریس! میری بیٹی۔۔۔۔۔!“ ان کی سانسیں گھٹ کر رہ گئیں!

”کیا میں امداد سکتا ہوں بڑے ابو؟“ ”وہ جلدیروم سے متصل اسٹری میں آرام کرسی پر آکھیں بند کیے گہری سوچوں میں مبتلا تھے۔ جب دروازے پر دستک ہوئی۔

دائق باری کی گھمبیر آواز سن کر ان کی کشادہ پیشانی کی چٹکتیں مزید گہری ہو گئیں۔ انہوں نے ایک طائرانہ نگاہ ماسے والی کلاک پر ڈالی، گھڑی کی سوئیاں رات کے گیارہ بج رہی تھیں، اس وقت دائق کی آمدان کے لیے غیر متوقع تھی۔

”میں کم ان“ بھاری لب و لہجہ جھید کر لیے ہوئے تھا۔ ان کی غیر معمولی جمیدگی دائق باری کے حوصلے مزید پست کر گئی۔ وہ بڑے ابو کا ڈیلا ڈھانچا تھی، کراہے والہ دین کی نسبت وہ ان کے زیادہ قریب تھا۔ لیکن جنت آ یا زبانی ساری بات معلوم ہونے پر وہ سخت متذبذب تھا کہ بڑے ابو کی غلط فہمی کیسے دور کرے آخر کیوں بعد وہ خوشیوں کا سامنا کرنے کی ہمت کر پاتا تھا۔

”جینو“ انہوں نے سانسے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی بڑی ہوئی شیداد آنکھوں کے گرد صفحے اس کے رت جکوں کے اضطراب کے واضح غماز تھے۔ چند تپاے دونوں کے درمیان خاموشی کا یقین پر وہ محال رہا۔

”کافی ہو گئے؟“ تھوڑے وقفے کے بعد وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے دھر بھگائے جیسا تھا۔ ادا اس اور بھر اٹھ کر۔

”میں بھاؤں؟“ اس نے اجازت طلب نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے استغماہ کیا۔ بڑے ابو نے شخص سر ہلانے پر اکتفا کیا تو دائق باری بھی خاموشی سے کافی نیچر کی طرف بڑھ گیا۔ بڑے ابو نے ہاتھ پر ہاتھ اٹھایا اور ڈی ڈی کی پلیر آن کر دیا۔

کمرے میں عجبت سنگ کی پر سوز آواز گھرنی۔

”کافی!“ دائق نے غماہ اڑائی کافی کانگ ان کی طرف بڑھایا، جوانوں نے خاموشی سے تھا مایا۔ وہ ان سے بے دھڑک ہر بات کرنے کا عادی تھا لیکن یہ حال نہیں ملے اس قدر بھاری تھے کہ اس کی زبان تالو سے چپک کر رہ گئی۔

تقدیر باری کافی کے سپ لیتے ہوئے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بخور دیکھ رہے تھے انہیں وہ بہت الجھا الجھا اور خند بڑبکا۔

”کس شکل میں ہوا جزا ہے؟“ انہوں نے جیسے اسے گارتے میں لینے کا قصد کیا۔

دائق باری کی ساری حیات جیسے ارٹ ہو گئیں تو گو کیا کٹہرے میں کھڑے ہوئے کا وقت آ گیا تھا۔

”میں سوچ رہا تھا کہ کھٹکوکا آواز کیسے کروں، لیکن آپ نے میری مشکل مہاپ کی بڑے ابو“ پھلکی سی

سکان سے اس کے لبوں کا احاطہ کیا۔

”کچھ مشکلیں انسان کی اپنی پیدا کر وہ ہوتی ہیں جیسا...“ ان کا جتنا ہوا لہجہ پٹا اور سر تھا۔

دائق باری کی ہمت جواب دینے لگی، مایوسی کی طرف سے جان کو پیٹنے لگی۔

”شاہدہ قدر لانا آسان تو اس نے اضطراب بھر کر سوچا۔

”آپ فاری سے ناراض ہیں بڑے ابو؟“ اس نے استغماہ یہ نظروں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے صاف بات کرنے کی گھاٹی۔

”تم میری بیٹی کی وکالت کرنے آئے ہو؟“ یہ مقابل بھی تقدیر باری تھے۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر وہ دو ٹوک کھر سے انداز میں بولے۔

دائق باری بڑبڑا۔

”بڑے ابو... اس کے حصے میں ہمیشہ آدھی محبتیں آتی ہیں، اور عمر ویاں پوری کی پوری...“ وہ سخت ٹوٹ جھوٹ کا شکار ہو رہا تھا۔

”پوری تیار ہے آئے ہو؟“ بڑے ابو نے قدر سے سخت انداز اختیار کیے ہوئے اسے آڑے اتھول لیا۔

”اس کا قصور کیا ہے؟“ آپ کی فکلی، آپ کی ناراضی اپنی جگہ لگیں... اس درجے سے اعتنائی کیوں کر؟

”وہ ٹوٹ جائے گی، بڑے ابو... بھر جائے گی، مگر نہ سننے کے لیے...!!“ ان کی طرف شکوہ کسان نظروں سے دیکھتے ہوئے اس نے پراستحاج انداز میں کہا۔

معا تقدیر باری اپنی جگہ سے اٹھے اور دیوار کے گلاس وطر کے قریب آن کھڑے ہوئے، کونز کو ریشم کے ڈوروں کے ساتھ ہاتھ سے کے بعد انہوں نے سگار سٹاک یا دیوار گلاس وال کے باہر آسمان کے بچوں سچ تنہا چاند کو بخور دیکھنے گئے۔

”اس چاند میں داغ ہے، لیکن میری بیٹی بے داغ ہے...“ ان کا لہجہ بے حد گھمبیر تالیے ہوئے تھا۔

دائق باری بہت گوش تھا۔

”لیکن بھرمی وہ اسی چاند کی مانند ہے تنہا، اکیلی...“ ان کا ایک ایک حرف رودی آج میں لینا، ہوا تھا۔

وہ جب اپنی آخری حد سے نکل جاتا ہے تو کیا اس سے آگے بھی کوئی کیا ہے؟ جو اس نے دریافت کر بھی ہے...

اٹنے سالوں میں وہ کیوں نہ بھٹکے پانی، گدو کی سیارے کے بے نور آسمان کا تنہا چاند نہیں ہے بلکہ ہماری آنکھوں کا نور ہے، جس سے ہماری زندگیں روشن ہیں... کیا ایک ان کا لہجہ گہرہ ہو گیا۔

دائق باری بے تقراری سے ان کی طرف بڑھائیں انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہیں روک دیا۔

وہ بے بسی سے لب بچھ گیا۔

”اس قسم سے ناراض نہیں ہیں...“ وہ قدر سے بے باہر لے بولے۔ کچھ لمبے کا یہ قوت صدیوں کا بوجھ لیے ہوئے تھا۔

”لیکن ہم کلکتہ سے واپس کے اگلے سے گزر رہے ہیں، جس نے ہمیں دینی طور پر مطلوب کر کے رکھ دیا ہے۔ ہماری بیٹی نے خود کو ہمارے لیے بچا نہ بنا کر ہمارے دراپنے رہنے پر کئی سوال کھڑے کر دیے ہیں۔

کیا وہ بے شناخت ہے؟ بے نام ہے؟ ان کا لہجہ چرچا ہو گیا۔

”بڑے ابو وہ بہت حساس ہے آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی، شاید اس نے بے باہر کسی کو اتارناظر میں لیں ہوگی...“ وہ یوڈی اور گزور دیکھیں دینے لگا ”وہ آہ سے بے حد بے حساب محبت کرنے لے...“ وہ بے عمل ہوا ”آپ جلد اسے معاف کر دیں، روز گزر کر دیں...“ وہ استغماہ یہ انداز میں بولا۔

(اس کی نالی کی اگلی خطا آئندہ ملاحظہ کیجئے)

## میری بہارتم سے ہے

.....

محبت کے دریا میں ڈوبے دو دیوانوں کی داستان محبت.....  
فائق اور عالیہ بھی اس راستے پر چل رہے تھے جو کانٹوں بھرا تھا۔

.....

گھنے درخت کی چھاؤں میں ایک بازو درخت کے ساتھ لگائے وہ گہری سوچوں میں گم تھی۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا چلن تو اس کے بالوں کو ہلکی سی چٹنبش اور کرکرز جاتا تھا اس کے چہرے پر آ جاتے خوبصورت



رہنمی بالوں کو وہ ہر بار اپنے سپید مٹکی ہاتھوں سے پیچھے کر دیتی۔

اب اس کا پونڈ روشنی میں دل نہیں لگتا تھا نرم سبز گھاس پر پڑھ کر ہر دقت پھولوں کو دیکھتی رہتی اور گہری سوچوں میں گم رہتی اسے پھولوں سے بہت زیادہ محبت تھی خاص طور پر بہار کا موسم بے حد پسند تھا۔

”میں نے محبت کی ہے تم سے تمہاری روح سے محبت کی ہے میں نے محبت کی جانے اسے بھلا کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟ زندگی میں اس کا ہاتھ تمام کر قدم بدلتا ہوا ساتھ چلنا پڑتا ہے پھر قدرت سے بھی لڑ کر کیا ہو جاتا ہوتا ہے ہم بھی ایک ہیں جسی جدا نہ ہوں گے۔“

فائق کے یہ الفاظ عالیہ کے ذہن سے کبھی گزرنے نہیں ہو سکے۔

یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ؟ میں نے تو محبت ہی کی تھی اس محبت کی اتنی بڑی سزا کیوں مل رہی ہے مجھے؟ وہ تاسف سے سوچ رہی تھی۔

دکھا اس بات کا تھا کہ فائق اس کی کھوکھلی اور جدا ہو جانے جیسی باتوں پر چڑھا تو اور نہیں شخص فقی ڈانٹا کہ تصور کرتا پھر اس نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں چلا گیا وہ؟

اس کے جانے کے بعد عالیہ کی بہار ماند پڑ گئی ایسے جیسے ایک دم بہار تم ہو گئی ہو اور خزاں آ گئی ہو۔

خزاں تو آ گئی تھی لیکن ماحول میں نہیں اس کی زندگی میں اسے پھولوں سے بڑاری ہوئے تھے اب وہ پھولوں کے پاس نہیں شخص تھی بلکہ جب بھی فارغ ہوئی لاہری ہی چلی جاتی۔

☆.....☆

فائق گاؤں میں رہتا تھا۔ اس کا ایک ہی بھائی تھا جو دو دینی میں رہتا تھا۔ سال چھ ماہ بعد ایک چکر

پاکستان کا بھی لگ جاتا فائق کے والد عبدالقیل نہایت شریف آدمی تھے۔ تقریباً دو سال پہلے اس کا دل ہو گیا تھا۔ اب گھر میں صرف فائق اور اس کی ماں یا بسین رہتی تھیں۔ فائق نے کالج کے بعد پونڈ روشنی میں داخلہ لے لیا اور وہ دیں ہاسل میں رہتا تھا۔

عالیہ نور ایک مشہور بزنس میں نور الحسن کی بیٹی تھی اس کی ایک چھوٹی بہن ماندہ نور اور بڑا بھائی ریحان تھا۔

فائق اور عالیہ کی دوستی پونڈ روشنی کے پہلے دن ہی ہو گئی تھی۔ دو دو تہی کب محبت میں بدل گئی اس سے دونوں لاعلم تھے محراب یہ محبت انہیں کیا چلی تھی۔

☆.....☆

بیلوفائق۔ عالیہ نے فائق کو دیکھتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ وہ درخت کے تنے کے ساتھ ٹپک لگائے ہوئے کوٹھڑا اٹھوا کر کے توڑ رہا تھا۔

عالیہ کدھر رہ گئی تھیں تم میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ فائق نے بارہنگی کا اظہار کیا۔

سوری بار پاپائے دیر کردی انہیں آفس جانے سے پہلے کسی کام کے سلسلے میں اپنے دوست کے پاس جاتا تھا اس وجہ سے دیر ہو گئی عالیہ نے وضاحت کی۔

تمہیں پتہ ہے تاکہ جب تک تمہیں دیکھ نہ لوں مجھے یقین نہیں آتا۔ فائق کا اعجاز وہ اب بھی وہی تھا اور لہجہ غصے والا۔

اجھا اب آپ کے لیے معذرت آئندہ ایسا نہیں ہوگا عالیہ نے شوشی سے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ فائق اس پر کچھ نہ بولا اور سراسیمہ بننے لگا۔

اجھا ٹھیک ہے اگر تم نے ایسا ہی کرتا ہے تو میں بھی تم سے نہیں بولتی۔ عالیہ نے اسے منانے کے لیے وہ طریقہ استعمال کیا جو وہ اکثر کیا کرتی تھی اور وہ مان ہی جاتا تھا۔

اچھا چلا بیٹہ کے ہاتھ کرتے ہیں۔ فائق کا موزو قدر سے اچھا ہوتا تو اس نے عالیہ کو بیٹھنے کا کہا۔ وہ دونوں نرم گھاس پر بیٹھ گئے۔ بہار کا موسم تھا خوبصورت منظر، نرم ہر گھاس اور سامنے قطار میں لگے گلاب، چنچلیں اور چند دوسری اقسام کے پودے تھوڑے پڑھنے بھار سے تھے۔ ان کے سامنے بیٹھے دو دونوں دنیائے بے خبری پر باقیوں میں کھڑے تھے۔

”میں نہیں پتہ ہے فائق بہار کے موسم سے مجھے کتنی محبت ہے، ہمارا ہر پھول اپنی پوری آب و تاب سے نکلا ہوتا ہے۔ پھول محتاج ہوتے ہیں تو صرف بہار کے اور بہار بھی ایک دن آتی جاتی ہے عالیہ نے پھولوں کی کیاری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ہوں اور مجھے بھی تو تم سے محبت ہے نہ جانے کتنی دفعہ تم نے یہ جملہ بولا ہوگا کہ مجھے بہار سے محبت ہے۔ میں بھی ہر بار کہتا رہوں گا کہ مجھے تم سے محبت ہے فائق نے دوماں انداز میں وضاحت کی اس کی نظریں ابھی تک عالیہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

”اوہ آں فائق محبت تو میں بھی تم سے کرتی ہوں بے حساب محبت۔ ایک بات کہوں“ عالیہ نے قدر سے مجھے لیجے کہا۔

”ہاں کہو“ فائق نے دھکی سے کہا۔

”تم کسی مجبور کے وقت... یاد ہے سی۔ کسی اور وجہ سے مجھے چھوڑ تو نہیں دو گے“ عالیہ نے غصہ مگر ہنس مکھ اپنی بات مکمل کی۔

”عالیہ بالینہ“ فائیس دیکھا چھوڑ دو دیکھو بھی تو بھول جایا کرو یہ کوئی فرضی داستان نہیں حقیقت ہے۔ میں نے محبت کی ہے تم سے۔ تمہاری دوزخ سے محبت کی ہے جس سے محبت کی جائے اسے بھلا

کیسے چھوڑا جاسکتا ہے؟ زندگی میں اس کا ہاتھ کمر قدم بد قدم ساتھ چلنا پڑتا ہے پھر مقدر سے بھی لڑ کر ایک ہو جانا ہوتا ہے ہم بھی ایک ہیں، کبھی جہانہ بھی گئے۔“ فائق نے فلسفیانہ انداز میں اپنی محبت کی گواہی دی۔

”اف فائق تم تو شروع ہو جاتے ہو۔ میں نے تو ایک عام سی بات کہی تھی۔“ عالیہ نے چڑ کر کہا۔

”تم نہیں جانتی عالیہ میرے لیے یہ عام بات نہیں ہے۔“

فائق نے منہ آسمان کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

”وہ عجیب اب میری کلاس کا نام ہو رہا ہے۔ پھر ملتے ہیں۔“ عالیہ نے کھڑی سے ہانپ دیکھا اور کلاس درم کی طرف بڑھ گئی۔

فائق اسے جاتے ہوئے غور سے دیکھ رہا تھا۔

فائق کی ٹیلی میں خاندانی دشمنی چل رہی تھی۔ عزت کے نام پر اس کے دادا انظر حسین نے دو گلی کر دی تھے عقول کے دورے نہ بدلے لینے کے لیے

فائق کے والد عبداللہ کو قتل کیا تھا اب انہیں اپنا بدلہ لینے کے لیے دوسرے بندہ درگاہ تھا۔ قتل ہونے کی باری فائق یا اس کے بڑے بھائی کی تھی کیونکہ انظر حسین کا ایک ہی بیٹا تھا جسے انہوں نے پہلے ہی مار دیا تھا۔

☆ ☆

فائق ایک اینڈ پر واپس گھر جا رہا تھا دو نا معلوم موٹر سائیکل سواروں نے اس پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ وہ گھر سے ہاسٹل اور ہاسٹل سے گھر موٹر سائیکل پر ہی آتا جاتا تھا۔ اس دن بھی وہ گھر جا رہا تھا راستے میں ایک دیوان منساں جگہ پر اس کی موٹر سائیکل کا تار پھٹ کر ہو گیا۔ سڑک کے ایک طرف ہاسٹل کا

جنگل تھا جبکہ دوسری طرف سبز لہلہا تھی کھیت۔ وہ موٹر سائیکل سڑک کے کنارے ٹوٹی کر کے اترنے ہی لگا تھا کہ دو موٹر سائیکل سوار اسے گولی مار کر پلے گئے۔ گولی اس کے داہیں بازو پر لگی تھی اس کے باوجود وہ بھوک بھوکا تھا تقریباً پانچ چھ منٹ بعد تین موٹر سائیکل سوار وہاں سے گزرتے تو کسی نوجوان کمزور کے کنارے بے ہوش پا کر ٹھک گئے۔ وہ تینوں بچے اترے اور نوجوان کو دیکھا تو یہ چلا کہ اسے گولی کی ہوئی ہے انہوں نے اسے فوراً قریبی ہسپتال پہنچا دیا ان میں سے ایک نے فائق کی جیب سے سوا ہیکل نکال کر اس کے کسی دوست کو کھل کر کے اطلاع کر دی تھی فائق کا دوست اس کی امی کو ساتھ لے کر ہسپتال پہنچ گیا

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ڈاکٹر دم سے باہر نکلا۔ ”مریض اب خطرے سے باہر ہے اب اس سے مل سکتے ہیں۔ گولی باز کو چھوڑ کر ڈری ہے اس وجہ سے اتنا نقصان نہیں ہوا چھوڑنا سارخ سے جلد ٹھیک ہو جائے گا۔“ ڈاکٹر نے انہیں صدمہ حال بتائی۔

یہ سن کر انہیں کچھ اطمینان ہوا وہ فائق کو دیکھنے کے لیے اس کی جانب بڑھ گئے مگر امی اور ابا کی کچھ میں آ گیا تھا کہ کس نے فائق کو مارنے کی کوشش کی ہے۔

☆ ☆

فائق عالیہ کے بغیر ایک بلی نہیں رو سکتا تھا۔ نہ جانے کی بھونکی کے بعد والا وقت وہ کیسے گزارتا تھا

عالیہ کو یاد کر کے اپنا پھر خود سے لڑا کر کہا وہ اسے یاد نہیں کرے گا وہ عالیہ کو یاد کرنا کال کرنے کی کوشش کر چکا تھا لیکن اس کا ہنسنے نہیں بدلتا۔

ادھر عالیہ کی بھی کچھ ایسی ہی تھی جی۔ اب اس کا پونیر دہلی میں دل نہیں لگتا تھا۔ نرم ہر گھاس پر

بیٹھ کر ہر وقت پھولوں کو دیکھتی رہتی اور گہری سوچوں میں گم رہتی اسے پھولوں سے بہت سی خاص طور پر بہار کا موسم یاد پند تھا۔

”میں نے محبت کی ہے تم سے تمہاری روح سے محبت کی ہے جس سے محبت کی جائے اسے بھلا کیسے چھوڑا جاسکتا ہے؟ زندگی میں اس کا ہاتھ کمر قدم بد قدم ساتھ چلنا پڑتا ہے پھر مقدر سے بھی لڑ کر ایک ہو جانا ہوتا ہے ہم بھی ایک ہیں کبھی جہانہ ہوں گے۔“

فائق کے یہ الفاظ عالیہ کے ذہن سے بھی محو نہیں ہو سکے۔

یا اللہ یہ کیا ہوا ہے میرے ساتھ؟ میں نے تو محبت ہی کی تھی اس محبت کی اتنی بڑی سزا کیوں مل رہی ہے مجھے۔ وہ تائب سے سوچ رہی تھی کہ

تو اس بات کا تھا کہ فائق اس کی کھوجانے اور جدا ہو جانے جیسی باتوں پر چڑ جاتا اور نہیں ٹھیک فلی ڈائلاگ تصور کرتا پھر اس نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں چلا گیا وہ؟

اس کے جانے کے بعد عالیہ کی بہار مانو پڑ گئی۔

ایسے جیسے یکدم بہار تم ہوگی ہوا اور خزاں آگئی ہو۔ خزاں تو آگئی تھی لیکن ماحول میں نہیں اس کی زندگی میں۔

اسے پھولوں سے بیزاری ہو گئی۔ اب وہ پھولوں کے پاس نہیں بیٹھتی تھی بلکہ جب بھی فارغ ہوتی یا تیری بلی جاتی۔

☆ ☆

فائق کو دوسرے دن ہی ہسپتال سے ڈیٹارج کر دیا گیا۔ اس کی امی کا ڈن چھوڑ کر اس اور جگہ جانے پر اصرار کر رہی تھیں فائق نے منع کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ والی نہیں سمجھتی آخر فائق کو ان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ پھر وہ ایک

## Sleeping Beauty

ڈاکٹر حسنا سہیل

طلمسی نیند میں کھوئی ہوئی

خوابوں میں رہنے والی لڑکی

اپنی دنیا سے دور

پھول سمندر چاند ستاروں

ہواؤں خوشبوؤں میں رہنے والی

اڑتے بادل حسین کیوں

جھپٹتی لہروں سے باتیں کرنے والی

وہ تیار لڑکی

کہ جس کی بنیائی اپنے اورد گرد کے ماحول سے

بے خبر ہے

وہ آسمان کی دستخون میں جھانکتی ہے

حسین نظاروں کو کھو جاتی ہے

جس کی سرشت میں محبت کے سوا کچھ نہیں

وہ اپنے خوابوں میں رہنے والی اداس لڑکی

اس دور میں تمہارہ مٹی ہے

اس لئے شاید

طلمسی نیند میں سو جاتی ہے

☆☆☆☆

تہمارے ہاتھ کیسے گزرا سے ہیں میں نے یہ چند دن؟  
تم تو خود بخود سمجھتے تھے کہ جب تک کہیں دیکھ نہ لوں مجھے  
بچپن میں آتا پھر یہ کیوں کیا تم نے نہیں تو جہاں  
سے نفرت تھی جانی.....

عالیہ کے چہرے کے اجڑاوت سے لگنا تھا پیسے  
معدیوں کی اڑی ڈھلک آئی ہوا اور آنکھوں سے  
آنسو بہتے تھے جنہیں وہ بڑی مشکل سے منہ نہ کر رہی  
تھی مگر مزید وہ انہیں روک نہ سکی آنسو ایک لڑائی کی  
صورت چہرے سے گزرتے ہوئے فرش پر گر رہے  
تھے۔

”تمہیں نہیں پتا عالیہ میں نے بھی تمہارے بغیر  
ایسی ہی اذیت کئی سے گرجا دی کے یہ چند دن میری  
جھجوری تھے میں نے کئی بار تمہارا نمبر لیا کیا لیکن ہر  
بار جواب ”نہ“ میں موصول ہوتا تھا۔ فائق کی  
آنکھوں سے بھی آنسو ایک قطرہ چھٹکا۔

میرا موبائل کھول گیا تھا اسی میں تمہارا نمبر تھا میں  
نے بھی کئی بار نمبریں کال کرنے کی کوشش کی تھی تمہارا  
نمبر کچھ کچھ یاد تھا مجھے..... ہر کسی اور کی آواز سنانی  
دیتی تھی“ وہ ایک بار پھر روئے لگی۔

وہ اسے دہانتیں دیکھ لیا۔ فائق نے دونوں  
ہاتھوں کے انگوٹھوں کے پوروں سے اسی کے آنسو  
صاف کیے اور پیچھے ہٹا دیا وہ خود بھی کرسی کھینچ کر بیٹھ  
گیا۔ پھر تاسف بھرے لہجے میں ساری کہانی  
سنائی۔

بڑے دکھ اور تکلیف سے وہ یہ رواد سن رہی  
تھی مگر اس درد میں لپٹی یہ ایک خوشی اس کے  
سارے غموں پر حاوی ہو گئی تھی۔ اسے اس کی بہار  
اودادی تھی۔ بہار بھی قسمت نہیں ہوئی ایک نہ ایک  
دن ضرور آتی ہے۔ آؤ ہائش تو زندگی کا حصہ ہوئی  
ہیسا۔

☆☆☆☆

نظر پھر کڑھیں دیکھتی۔۔۔ حدیقہ نے کہا۔  
”او کے۔۔۔ جھپک یو۔۔۔“ فائق شکر یہ ادا کر کے  
لاہوری کی طرف بڑھ گیا۔

وہ لاہوری کے دروازے کے سامنے پہنچا تو  
سامنے ہی عالیہ بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔ وہ دونوں  
کہیاں میز پر لگائے کتاب میں ڈوبی ہوئی تھی۔  
”عالیہ!“ فائق نے مدہم آواز میں اسے  
پکارا۔

عالیہ نے سر کرد دیکھا اور کتاب ہاتھ میں تھا سے  
کھڑی ہوئی پہلے آواز سن کر اور پھر اس شخص کے  
چہرے کے دکھ کر وہ دم بخود ہو گئی وہ چہرہ جو اب اس  
کے سامنے تھا۔

عالیہ کو یہ ایک خواب لگ رہا تھا۔ وہ خواب اور  
حقیقت میں فرق کرنے میں بہت کمزور تھی اس وقت  
بھی اگر کتاب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر میز پر نہ  
گرئی تو وہ یہی سمجھتی کہ یہ ایک خواب ہے۔ لیکن یہ  
حقیقت تھی کتاب کے گرنے کی آواز نے اسے چونکا  
دیا اور تیار دیا کہ یہ حقیقت ہے

لطف وہ عشق میں پائے ہیں کہ جی جاتا ہے  
درخ بھی ایسے اٹھائے ہیں کہ جی جاتا ہے  
ساروں بالکھن ”افانہ شرارت“ خوشی  
تو نے انداز وہ پائے ہیں کہ جی جاتا ہے  
سنگراتے ہوئے وہ مجمع افکار کے ساتھ  
آج یوں بزم میں آئے ہیں کی جی جاتا ہے  
تم نہیں جانتے اب تک یہ تمہارے انداز  
وہ میرے دل میں ساتے ہیں کہ جی جاتا ہے  
”فائق“ عالیہ نے اسے بے نیکی کے عالم  
میں پکارا۔

وہ آگے بڑھی اور فائق کا ہاتھ اپنے ہاتھ  
میں لے کر دو بوج لیا۔  
فائق کہاں چلے گئے تھے تم؟ جہیں پتہ ہے کہ

گاؤں چلے گئے۔  
دن بے دن گزر رہے تھے۔ فائق کی حالت اب  
بہتر تھی۔ تقریباً تیس بائیس دنوں میں وہ مکمل طور پر  
صحت یاب ہو گیا تیس بھر چکا تھا قالیہ نشان ابھی کلائی  
پر موجود تھا۔ اس نے یہ دن عالیہ کو دیکھے بغیر گھر  
گرب سے گزارے ہوں گے اس کا اندازہ نہ کر سکی  
مشکل تھا وہ مزید دیر نہیں رو سکتا تھا لیکن واپس جانا  
بھی اس کے لیے خطر ہے سے کم نہیں تھا۔ ایسے میں  
گھر جتا کر جانا تو اسی اسے بھی واپس گاؤں نہ جانے  
دیتیں اس لیے وہ تائے بغیر یہ گاؤں چلا گیا اور  
گاؤں سے یونیورسٹی۔ یونیورسٹی میں اس نے عالیہ کو  
تلاش کیا مگر وہ اسے کبھی نظر نہ پائی۔  
وہ جو پھولوں سے سجی ہوئی عری نہیں تھی۔ حیرت  
والی بات تھی فائق نے کئی بار اسے وہاں تلاش کیا مگر  
وہ نہ ملی

”ہائے فائق کیسے ہو؟“  
فائق کچھ دیر عالیہ کو تلاش کرنے کے بعد ایک  
ستون کے ساتھ کھڑا ہوا تو عقب سے آتی ہوئی  
حدیقہ کی آواز نے اسے چونکا دیا حدیقہ عالیہ کی گہری  
دوست تھی۔  
”تمنا بالکل ٹھیک۔ تم کیسی ہو؟“ فائق حدیقہ کی  
طرف متوجہ ہوا۔  
”آئی آئی فائق۔ تم ادھر ادھر کیا تلاش کر رہے  
ہو؟“ حدیقہ نے فائق کی نظروں کا تھاقب کرتے  
ہوئے پوچھا۔

”عالیہ نظر نہیں آ رہی کہیں تم نے اسے دیکھا ہے؟“  
فائق نے نظریں ادھر ادھر مٹھاتے ہوئے پوچھا۔  
”ادھر ہی کہیں ہوئی۔۔۔“ ہاں یاد آیا وہ  
لاہوری میں رہی ہوگی۔ حدیقہ نے کھمکھوج کر بتایا۔  
”تمہارے جانے کے بعد جہاں اس کا دل لگتا  
ہے۔۔۔ وہ لاہوری ہی ہے۔ اب تو پھولوں کو بھی

جھٹلی

Pakistani Shipping

Waqar

Groom

Pakistani Shipping

Waqar

Groom

Pakistani Shipping

Waqar

Groom

Pakistani Shipping

Waqar

Groom

Pakistani Shipping

Waqar

Groom

Pakistani Shipping

Waqar

Groom

Pakistani Shipping

Waqar

Groom

Pakistani Shipping

Waqar

Groom



”اماں..... اماں وہاں باہر..... باہر کوئی ہے۔“ وہ بھلا کر بولی ”کون کہاں ہے۔“

حور نے ہنسنے سے انکڑی کی جانب اشارہ کیا ”دروست میں دیکھتی ہوں اماں نے آگے بڑھ کر کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھا تو حور نے کیڑی کوئی بانڈا نکھیں بند کر لیں۔ ”کیڑی کوئی بھی نہیں ہے۔“ اماں نے کہا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ ”واقعی صحن میں درو در تک کوئی بھی نہیں تھا..... چل چلی جا تو دو دم ہوا ہے تجھے اور چچا مار کر بھیجے ڈرا کر چکا دیا۔“

حور کے چہرے پر خوف کی جگہ دھمکتا ہونے لگی وہ سر ہٹا کر ہونٹ کاٹنے لگی ”دیسے تو اتنی رات کو جاگ کیوں رہی ہے؟“ اماں نے تعجب سے انداز میں پوچھا تو وہ گڑبگڑائی کہ اب اماں کو کیا بتاؤں۔ ”وہ..... وہ اماں میں..... ہاں وہ میں پائی پینے کے لیے بھی تھی؟“

اچھا چل شامش آیت انگریز پڑھ کر سو جا اور مجھے بھی سوئے دے۔“

اماں نے بھائی لینے ہوئے کہا اور اپنے کمرے کا رخ کیا۔ اماں کے جاتے ہی اس نے کمرے کے دروازے کی کنڈی چڑھائی کالی دقت تو اسے یہی اطمینان کرنے میں لگ گیا کہ کنڈی درست چڑھی تھی ہے یا نہیں کہیں ایک جھٹکے سے مکمل تو نہیں چائے گی..... دوسروں میں کمری جب وہ چلی تو اس کی نظر اس کھڑکی پر پڑی جہاں ابھی کچھ دیر پہلے وہ کسی کی ایک جھٹک دیکھ چکی تھی اگر وہ اماں کو بتا دیتی تو کس نے رات کے اس پہر کی کوہاں دیکھا تو وہ یقیناً ایک زوردار جھپٹے سے حور کو رات میں سورج دکھا کر ہوش بھگانے لگاتیں۔ کیونکہ حور نے جس قسم کی کوہ دیکھا وہ اس جہان فانی سے کوچ کر چکی تھی۔

کی اتنی ہی ان آنکھیں ہاتھوں کی گرفت اس کی گردن پر مضبوط ہوئی چلی جاتی۔ اس کے گلے سے برآمد ہونے والی ٹھنڈی مٹی سیسکاں ارتعاش پیدا کر کے کمرے کے خاموش ماحول کو عجیب سی پراسراریت بخشی رہی تھیں۔ وہ مزاحمت کرتے کرتے جھٹک گئی تو اس نے اپنا وجود صیلا چھوڑ دیا۔ ایسا کرتے ہی اسے اپنے گلے پر بڑا دباؤ کم ہوتا محسوس ہوا تو اس نے فوراً اپنے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ ”آہ“ چھوڑ دو، بڑا بڑا کرنا بھی اور لمبے لمبے سانس لینے لگی پینے سے شریاورد وجود ہونے ہوئے کاب رہا تھا حور سے اس کی آنکھیں پھل پھل تھیں بڑبڑکھ کر اس کی گردن دوپونے والے ہاتھ اور کسی کے نہیں بلکہ خود اس کے اپنے ہاتھ تھے..... جو ابھی تک گردن کو تھامے ہوئے تھے اس نے جھٹکے سے اپنے ہاتھوں کو نیچے گرایا یوں جیسے وہ اس کے وجود کا حصہ نہ ہوں وہ خوف زدہ کی نظروں سے ہاتھوں کو گھورنے لگی ایک لمبے کواں کاٹھی چا کا کردہ اپنے ہاتھوں کو کاٹ پھینکے شادیہ ایسا کر بھی کر دلی آکر کمرے کی کھڑکی کے پار ہونے والی آہٹ اسے اپنی جانب متوجہ نہ کرتی۔ وہ ڈرتے ڈرتے دھیرے سے چلتی ہوئی کمرے کی جانب آئی جو کمرے کے پھیلے کچے میں ٹھنڈی تھی جہاں اماں نے پھول پودے سبز پائیاں لگا کر عین دہان دن میں بھی اماں کے سوا کوئی نہ جاتا تھا تو پھر ابھی رات کے اس پہر کون ہے جبکہ حادث بھائی بھی کمرے پر نہیں ہیں بھائی کو کیسے چھوڑے گئے ہوئے ہیں تو پھر کون ہو سکتا ہے؟ حور نے ہت کر کے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر دیکھا تو ایک سایہ سالہ لایا اور اس کے صحن سے ایک بلند بلا تچ رچ رچ رہا تو اس سے پہلے کہ وہ خوف سے اپنے ہوش گھوگر پڑی اماں نے برداشت کر کے اسے خام کیا ”حور کیا ہوا ہے حور۔“ اماں نے کمرے کی کچی جلادگی اور حور کی آنکھیں پندھیا گئیں۔



☆ ☆ ☆

حور النساء اپنے اہل جان کی نہایت قابل اور لاڈلی بیٹی تھی مگر اس کے لاڈ انھوں نے کی عمر تمام ہوگئی تھی اس کے اہل جان کو ایک دن اچانک جان لیا۔ بارت ایک اور دور اور دو چل بیٹے ان کی جدائی کا صدمہ سب سے زیادہ حور النساء کو پہنچا تھا وہ سب سے الگ تھلک کم اوس رہ گئی تھی۔ لہا ہمیشہ اسے چار سے حور کہہ کر پکارا کرتے تھے مگر ان کے جانے کے بعد اہل اسے اس کی عجیب و غریب حرکتوں کے سبب بات بہ بات بھلی کہنے لگی تھیں کہتی تو وہ ٹھیک تھی نہیں یوں معلوم ہوتا تھا جیسے جاتے سے اہل حور کی قابلیت بھی اسے تنگ لے گئے ہوں۔ اس کا کسی کام بھی دل نہیں لگتا تھا اگر اہل اس کے ہمسر پر کوئی کام کرنا دیتی تو وہ اچھا لڑکتی دیتی ہوں اہل اس کی ذہانت بھلا کداس کا مقدر بھڑکی اور وہ اپنی یادیں تروتی بہتوں کو ترسی سہم کر رہ جاتی۔ اہل اسے عمارت بھائی کی شادی کر دئی تاکہ وہ بھابی کے ساتھ بھل جائے اہل کے صدمے سے باہر آ جائے مگر ان کی یہ کوشش بھی کام نہ رہی وہ سب کو ہنسا ہنسا خوش باش دیکھ کر احساس کمتری کا شکار ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

”حادث جتنا تیرے اہل کے گزر جانے کے بعد سے حور پر پڑی چپ کی اداسی رہنے لگی ہے میں سوچ رہی ہوں کہ اس کے ہاتھ پیلے کروں“ ناشر کرئی اہل اس نے حادث سے کہا اور اندر باورچی خانے میں کھڑی حور کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ کر گرا ”اے بائے اس بھگت لڑکی سے کوئی کام نہ منگے“ کہیں ہوگا ”اہل اس نے ناکامی سے کہا۔

”اور آپ اب اکیس کے ہاتھ پیلے کر کے بات کر رہی تھیں جبکہ وہ ابھی اندر ہے ہاتھ نہ لال کیے بھیجی ہے“ کشنا زبردست انداز وہاں حادث کا دافنی

حور نے لگاں کی کر چپاں بیٹھے اپنا ہاتھ زخمی کر بیٹھی تھی۔ ”ہو۔۔۔ ہو۔۔۔ ایک تو یہ حور کی ناں“ اہل بڑبڑا کر انھیں کمر سے سے جینز کا سامان لے کر کچن میں گئیں اہل لاکھ دکان کی سطح سے کچن حور کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ”میری ناک تو اسے کی اپنی خالہ کے سامنے ایسی حرکتیں کر کے میں پوچھتی ہوں کہ دھیان کو حور ہر ہاتھ سے تمہارا سنبھال کر نہیں کر سکتی کوئی کام بھی۔“ پیلے تو آچھ بھیجی۔۔۔

اہل اس کے ہاتھ پر پئی کرنے کے ساتھ ساتھ ہلکی ہلکی جاری تھیں کہ ان کی زبان کو یہ دیکھ کر بیک ٹھگی گئی کہ وہ جو چائے وہ ایک گھنٹا قبل چے پر چا کر حور کے کڑے کے لگا کر آئی تھیں وہ پختی سے اہل چا کر بہا کر آئی تھیں اور جو چائے پئی وہ مل کر سیاہ ہو چکی تھی اب اس پختی سے دھواں اٹھ رہا تھا اور اس سب حور کی موجودگی میں ہوا تھا۔ کیوں ہوا تھا؟ اہل اسے حیرت سے گلے بھیجی تھیں۔ ”حور زیادہ چوٹ لگی ہے تو تازہ ذرا کڑے پاس لے چلا ہوں۔“ حادث نے باورچی خانے میں بھاگ کر کہا تو حور دو دو رکعات پاس آئی اور بولی ”بھائی مجھے کہیں نہیں جانا ہے مجھی نہیں جانا ہے ہمیشہ نہیں اس گھر میں آپ سب کے ساتھ رہنا ہے۔ اہل اور خال کو بھی یہ اسی بتا دیا۔“ حور نے بچے سے بولی تو حادث کی آنکھیں چھوٹ گئی۔ ”علیٰ نہ ہوتا۔“ اہل اس نے جو تک ان کی جانب دیکھا مگر دیکھ نہ سکیں کیونکہ پختی کی اٹھتا دھواں اہل اس آنکھوں میں دھندل چکا تھا۔

☆ ☆

”خیر ہاں پیچھے مڑ کر کیا دیکھ رہی ہو۔“ حور کی پہلی بانو نے ان کی بولی سے واپسی پر حور کو کوئی دسویں بار پانے عقب میں مڑ کر دیکھنے دیکھ تو تنگ آ کر اس نے پوچھ لیا ”تاؤ کیا کیا دیکھ رہی ہو؟“ وہ مجھے کا جیسے کوئی میرے پیچھے آ رہا ہو

”حور نے گھبراتے نکلیا تے ہوئے بانو کو بتایا۔ اسے واقعی اپنے پیچھے کا دیدہ قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔۔۔ بانو نے مڑ کر دیکھا اور بس کر کہنے لگی۔“ حور صرف نام کی حور ہوتی حسین و جمیل نہیں ہو کر کوئی تمہارے حسن کا دیوانہ ہو کر تمہارے پیچھے آئے۔“ حور شرم سے پانی پانی ہو گئی اس کے چہرے پر ہوا پانیاں اڑنے لگیں کہ بانو کو بھی احساس ہوا کہ وہ مذاق میں کچھ نہادی ہو گئی ہے

”حور ہمارے پیچھے کو ہوتا تو میں اس کا منہ نہ ڈوڑ دیتی۔۔۔ دیکھو تو کوئی کبھی نہیں ہے۔“ بانو نے زری سے کہا تو حور نے ایک بار پھر مڑ کر دیکھا اور تسلی سے پوری گلی کا جائزہ لیا کہ میں اس چند ایک سے کھیل کود میں مصروف تھے جو ان سے کافی دور تھے اسے ایک بار پھر حیرت نے گھیر لیا تھا۔ ”حور کیا ہو گیا ہے نہیں میں دیکھ رہی ہوں تم کچھ عرصے سے عجیب سی ہو گئی ہو ہر کوئی پریشانی کوئی کوئی تکلیف ہے تو خال کو بتاؤ میں تمہاری دوست ہوں مجھے بتاؤ۔“ بانو نے پلٹے پلٹے حور کا ہاتھ تھام کر پھر وہاں سے بچے میں کہا تو اس کا دل پھر آ یا مگر اس نے کمال ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ”بانو آج دارا دافنی اے کا زاریٹ آ رہا ہے تا تو بس اس بات کی پریشانی ہے کہ پاس بھی ہوں گی یا نہیں

”ابا بھائی تو پیلے کبھی مل ہوتی ہے جواب ہوگی فکر نہ کرو تو پاس ہے۔“ کہہ تو انھیں یہی سچی وہ زندگی میں کبھی مل نہیں ہوتی تھی مگر اس بار حور کے پرچے اٹھنے نہیں ہوئے تھے اور اسے مل جانا کا خدشہ لاحق ہو گیا تھا۔ جو کچھ دیر بعد یہی حقیقت کا روپ دھار کر اس کے سامنے تھا۔ حور کل ہو گئی تھی۔۔۔

☆ ☆

تو کیا بانو ٹھیک کہتی ہے۔۔۔ کیا میں واقعی

سومٹر لینڈ

آج سے 30 سال پہلے ایک سوکس فریک صرف ایک ڈیڑھ روپے کا ہوتا تھا آج 55 روپے کے برابر ہو چکا ہے۔ سومٹر لینڈ یورپ کا بہت چھوٹا ملک ہے جہاں سوئی کے لے کر جہاز تک بنانے تک کے کارخانے موجود ہیں اس کی آبادی آدمی کراچی سے بھی کم ہے صرف چاکلیٹ کی ایکسپورٹ پاکستان کے بجٹ سے زیادہ ہے۔ سیاحت میں فرانس کے بعد دوسرے نمبر پر ہے (شیل انجینئر تال والا، جنگ۔)

ہی۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔ ایسا کیسے ہو سکتا۔۔۔ میں بھلا کیسے۔۔۔ نہیں۔۔۔ تو پھر میں کیوں؟ کہتے کہتے چپ ہو جاتی ہوں یا نہیں بھول جاتی ہوں پلٹے پلٹے رک جاتی ہوں بیٹھے بیٹھے کھو جاتی ہوں یوں بے وقت سو جاتی ہوں سو جاؤں تو ڈر کے جاگ جاتی ہوں عجیب آواز میں سنائی دیتی ہیں۔ عجیب صوشت دکھائی دیتی ہیں کوئی کام میں ذہنیک سے نہیں کراتی۔ اور اہل کو میری شادی کی پڑی ہے۔ اہل کو میری حالت دکھائی کیوں نہیں دیتی؟ اف میں کیا کروں؟ دو دو ہاتھوں میں سر تھام کر خود کھائی کرتے ہوئے بیٹھ گئی۔

حور کیا ہوا تو اے کیوں بھیجی ہے تیری طبیعت تو ٹھیک ہے؟ اہل خال اٹھائے کرے میں داخل ہو کر تو اس کی لبو رنگ نہ آ گئیں دیکھ کر ٹھکھک گئیں۔

”ہاں اہل ٹھیک ہوں بس ذرا سر میں درد ہے۔“ حور نے سر درد سے بھٹکی کی پشت سے آنکھیں مڑ مڑیں ”سر میں درد ہے، بتایا کیوں نہیں۔“





عزت قربانی مانگتی ہے اور جہاں قربانی کا جذبہ نہیں ہوتا وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا...

خوبصورت جذبول سے گندمی خیر جو آپ کو بے حد حسین دنیا کی میر کر ائے گی

☆.....☆

اور اسی وقت اسٹیل کی اسکول سے واپسی ہوئی جیسی نونل سے اسے درمیان میں لان میں ہی روک لیا۔  
"سنو وائیٹو! میں کینیڈا جا رہا ہوں۔" اس نے گویا دھاگہ کر لیا۔  
"کیوں؟" اسٹیل نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔  
"ارے مجھے پڑھنے کے لیے انٹرنل پورہ کیوں؟" نونل چمک چمکایا ہوا تھا۔  
"اوہ، اسی لیے تو پھر مجھے اور تجربہ سے جاؤ اور تجربہ سے آؤ۔ لگا لگا کر پڑھنا پوچھا کچھ اسٹیل نے مت کرنا  
اور وہاں سے کوئی گوری میس لانا اور نہ پوچھی جان کو تکلیف ہوگی۔" ان اسٹاپ ہو گئے تو اسے آخر میں وہ  
شرابی ہو گئی اور نونل نے صوبہ سے دیکھتے ہوئے اس کے سر پر چہرے سے کود لیا۔  
"تمہیں اس کی تم قلمت کر دو کیونکہ شادی مجھے پاکستانی میس سے کرنی ہے۔" وہ بے فکری سے ہولا۔  
"ایسا پاکستان میں کب تمہیں ہوتی ہیں؟" وہ جرات سے اسے دیکھ کر بولی۔  
"ہوتی ہیں خبر پھر مجھ پر بناؤ مجھ سے شادی کر دو گی؟" نونل نے اچانک پوچھا۔  
"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔۔۔۔۔ صبح ناشتے میں کیا لیا تھا جو اس کھیلانی دھوپ میں ایسی بجلی بجی تائیں کہ  
مے ہو؟" وہ چڑھ کر بولی۔  
"ایٹھ! اس کے اگے میرے اس جانے سے پہلے تمہارے جملہ حقوق اپنے نام کروانا چاہتا ہوں۔" نونل نے  
اس کے جملے سے حفا ضایا۔

”واہ! کسی لڑکی کو پروپوز کرنے کے لیے کتنی اچھی جگہ“ موسم اور وقت کا انتخاب کیا ہے۔ وہ اس کا بھی چاہتا ہو تو دل سے نہی لگے۔ ”وہ دھوپ میں کھڑے کھڑے چڑھ گئی۔“  
 ”ایڑوا! کھینچو کی کوشش کرو دو“ کس کے بغیر نہیں جاتا تھا۔ ”وہ چڑھ کر بولا۔“  
 ”تو کیسا لیں کروں۔“ وہ تو اس سے بھی زیادہ چڑھ چکی ہوئی تھی۔  
 ”سوچ کر جواب دے دیکھ، ہل تک۔“ یہ کہہ کر وہ کاتبیں تیز رفتورہا اٹھا تا ہر نکل گیا۔  
 ☆.....☆

رات میں وہ سونے کے لیے لیٹے تو نفل اور اس کی بات اس کے ذہن میں آئی تو بے ساختہ اپنے جذبات یاد کر کے اس کے لبوں کو سکرا ہٹ نے پھرا۔  
 اور پھر اپنے بچپن سے لے کر آج تک کے تمام واقعات ایک ایک کر کے اسے یاد آنے لگے۔ نفل بہت شرمیلی سی ہے اس کی کینز کرنا تھا، اس سے محبت کرتا تھا۔

”وہ چھوٹی سی لڑکی تو بہت محنت مند تھی۔“ سرخ و پیچید۔ آخر اکلوتی تھی ماما بابا دادا دادی بھی بچپا، ماموں اور خالاکاں کی لاڈلی اور ہمارے ہاں لاڈ کا سہارا ہے۔ دوسری طریقے تو کوئل کو سمجھ آتے ہیں کوئی کھانے کی چیز دلا دے، کھلونے یا استعمال کی کوئی چیز دلا دے تو اس کا بچپن تو بے ڈوبی آسودہ تھا۔ کھلونوں، کپڑوں، جوتوں، پکوس، جینز، بیئر، بیڈز، چوڑیوں وغیرہ کی بہتات تھی اور مسئلہ کھانے پینے کی وجہ سے محنت بھی شائد تھی۔ پھولے پھولے کال والی کھیلوی، ایشل اپنے سے پانچ سال بڑے نفل کو شرمیلے سے بہت پسند تھی۔ وہ اس کی بہت کینز کرتا تھا، ایک تو وہ بھی اکلوتے پن اور اسنے سارے نازخنے سے اٹھانے والوں کی وجہ سے بہت نازک حراج اور دوسرے بھی کبھی بہت بھاری اپنے ہی نہیں اور دوسرے دیکھنے والوں کو بھی اس پر بیار آتا تھا۔ پھر ایشل کی ماما اسے پرکھڑی سماجنا کر بھی کبھی نہیں تو وہ کوئی خوبصورت بھی گڑبا دیکھتی تھی۔ نازک حراج بھی بڑی تھی۔ ذرا سی بات حراج پر گراں گزرتی تھی فوراً روئے تھی کسی ایسے نفل ہی بیٹھ اس کی ذوال بتا جو اسے تنگ کرنا اس سے بھاتا اس کے آنسو پھٹتا اور اسے اپنے ساتھ کسی کھیل میں لکھ لیتا تھا۔

گوکہ اس گھر میں اکلوتے پن بہت عام تو نفل خود اور اس سے سال بھر بڑی سلی دونوں ہی اکلوتے تھے۔ چاہے کارفرما یا کھوٹا دوسرے ہاں باپ کی اکلوتی اولاد کو سوہنم کے لٹا اس پر قسم تھے۔  
 وہ اپنے عزیزوں اور دادا دادی کے ساتھ ایک ہی پورٹ میں رہتے تھے، اور دوسرے پورٹ میں چچا، بیچی اپنے اکلوتے بیٹے فرہاد اور دونوں بیٹیوں ہانیہ کو سونا کے ساتھ رہتے تھے۔

دادا دادی چچا اور بیچی کے ساتھ رہتا ہوں چاند نہ کرتے تھے کہ بیچی ملائی مہر جتہ، بدلتی کی حد تک صاف مگوار سازش خانوں میں پہلے سب ساتھ ہی رہتے تھے پھر آرتھ دن بھنگڑوں کے باعث پورٹ خنز بنا لیے گئے تھے۔

پچو پھو سی لین میں آگے جا کر رہتی تھیں۔ ایشل کی بہت بچپن میں ہانیہ اور سونا سے نہیں غنی تھی۔ مسئلہ مارا دینے اس کا اکلوتے پن اور اس کا اہمیت اور اولاد تے دینے جاتا اس کے پاس کھلونوں اور دیکھنے نشات کی فراوانی تھی اور وہ اپنی چیزوں کے مسئلے میں بڑی بھی بہت تھی کھلونے ایسے سنبھال کر رکھتی تھی کہ بچپن کے کھلونے اب بھی درست حالت میں موجود تھے اس کے پاس۔

گھر ہانیہ اور سونا کی طرف معاملہ بالکل انا تھا وہاں فرہاد اکلوتا تھا سو ہر اچھی چیز اور کھلونوں پر اس کا حق تھا اور ہر سے بچی بیٹیوں کے مقابلے میں بیٹوں کا زیادہ جانیے والی مائیں میں سو گھر سے ملنے والی عمری کا بدلہ وہ ایشل سے لیتی تھیں جس میں اس کی کوئی چیز خاص کر کے، بچپن کا یا تو گدرا اور اکثر تواری کی مائیں تھیں۔  
 ایسی ہی ایک دفعہ سونا نے ایشل کو ہال پر کچرا کر کے مارا تھا تب نفل نے ایشل کو چھڑا کر دروازے کے دھڑکنے والے کونے پر سونا کو روک دیا تھے کہ اس کے بعد تو کال پکارتا ہوا۔ بیچی نے جب تک نفل کو خود سے دھکے نہیں کئے تھے ان کا غصہ کم نہیں ہوا۔ وہ دن تھا اور آج کا دن تھا نفل اور سونا میں بات چیت نہیں کی بات کرتے تھے بھی تھے تو خطر یہ انداز میں کیونکہ اس دن بیچی نے نفل کو مارا ہی نہیں تھا سونا سے معافی مانگنے کو کہا تھا مگر نفل نے یہ بات نہ مان کر دی۔

”اگر آپ مجھے مارتی نہیں تو کیا ممکن تھا مگر باپ بدل پورا ہو چکا ہے اگر میں نے معافی مانگی تو سونا کو بھی ایشل سے معافی مانگنی پڑے گی کیونکہ مارا بیٹ کی ابتدا سونا نے ہی کی۔“ وہ بے لگب لگے کھینچے بولا۔

”سونا نے ایشل کو مارا تھا تو یہ ان دونوں کا معاملہ تھا تمہیں ان کے باپ بن کر بیچنے گئے۔“ کوئی بیچی یہ نہیں دیکھا ”اس کی اس کے پاس باپ مگر مہیں ہیں۔“ وہ بیچی مہیں۔

”انڈہ کرے تو بہت بھاری زنا مائی کے کھندش ہے۔“ دادی نے دہل کر دل پر ہاتھ رکھا۔

”ٹھیک ہے مائی! پھر مجھے پھوٹی مائی نے کئے مارا ہے آپ بھی سونا کو مارا یہ دیکھیں اس نے ایشل کی کیا حالت کر دی ہے۔“ سب نے ہی نفل کی بات پر ایشل کو دیکھا کس کے کالوں پر ناخوش کے کھر دینے اور بال بچے ہوئے تھے۔ مائی کے دل پر ہاتھ پڑا ایشل ان کی منتوں مرادوں کی اولاد تھی اور شادی کے بہت عرصے بعد ہوئی تھی۔ وہ اسے کرم نگاہ سے بھی نہیں دیکھتی تھیں کال کوئی اسے اس ہی طرح مارے انہوں نے سسکی ہوئی جی خود سے لگا لیا اور سونا بڑے غیر محسوس طریقے سے مائے سے پیچھے ہوئی تھی۔ مائی نے نظر اٹھا کر برہم نظروں سے دیوار کی کو دیکھا مگر محل سے کہا

”مجھے کچھ کی باتوں میں لڑائیوں میں ہونا اچھا نہیں لگتا۔“ بچوں کا کیا ہے ایک وقت لڑیں گے دوسرے وقت کھول کھول بھال کر آپس میں کھینچے لگیں گے مگر بچوں کی باتوں پر لڑنے سے بڑوں کے دل میں میل آ جاتا ہے ان کے دل کی صاف نہیں ہو پاتے۔“ انہوں نے نفل کو دیکھ کر نفل کو پکارا۔

”حاف کر دینے والا بڑا اللہ کی صفت ہے۔“ حاف کر دینا اللہ کی صفت ہے۔ آپ حاف کر دو بڑے بن جاؤ دل صاف کرلو۔“ انہوں نے پیار سے نفل کو کھینچا اور اس سے ہر بلا دیا مگر اس کے کچے ذہن میں بیچی کا بہت برا رائج بن چکا تھا اور اسے تو شراب مانگن تھا۔ سو وہ دن تھا اور آج کا دن نفل کا دل پھر بھی بیچی اور سونا کی طرف سے صاف نہ ہوا ہاں اپنی بڑی مائی اور ایشل سے اس کی خوب غنی تھی۔

بڑے ہوئے پر سونا ہانیہ اور ایشل کے شوق مختلف ہو گئے تو لڑائی جھگڑے بھی صحت گئے اب بیٹیوں کی بڑی بیتی تھی۔ اور لپٹا جو کہ ایشل سے چھ سال بڑی تھی اور کم پیش انتہائی شوق سونا اور ہانیہ سے بھی تھا اس کا مگر یہ بیٹیوں ساتھ تھیں تو سارے شوق مٹ جاتے۔ بیٹیوں ہی اس کا نام ہی نہیں اور اس کے آنے پر خوب ہلہ گلہ ہوتا اور اس کا ساتھ نفل ہی ہوتا تو پھر سونا اور اس کی زبانی نازک شروع ہو جاتی تھی۔  
 ہانیہ کا تھمیر بڑھ کر کی چیز بنانے کا تھا۔ وہ نیت سے چیزیں دیکھ کر بناتی تھی اور تقریباً بیٹیوں مگر دن

میں اس کے بنائے ہوئے شکار گاہ موجود تھے جبکہ سوگند چھری ایک اب اور ڈرمیڑ کی دیوانی تھی اس کے اس شوق سے نہ کوئی خوش تھا اور نہ مستفید ہوا تھا۔ لیکن کوگک کی دیوانی پر کوگک جیل سے کوئی نہ کوئی نئی چیز دیکھ کر غرائی کرتی، ابھی بنے سب کنبہ کنبہ کی تھی اور بری بننے پر بانو بی کی دعوت ہوئی تھی لیکن شوق کے تو سب ہی گردیدہ تھے۔ ایٹل کو کنا میں پڑنے کا شوق تھا یہی ساتھ ہی ڈرمیڑ پر بڑے اچھے ڈیرا بن کر تھی اور اسے ساتھ ہی پیٹنگ کا بھی شوق تھا، ہڈیوں کے لئے آنیل یا زب اسے لیا کرتے تھے ہر گھر میں اس کی پیٹنگ موجود تھیں۔ پیٹنگ کے لئے اس کا لگہ و گھٹا اور اس کا کاروانہ ایک آرٹ اسٹیشن تھو لے گا بھی تھا اور آرٹ گیلری اس کی پوری اس کی بنائی ہوئی پیٹنگز سے بھری پڑی تھی اس کا کاروانہ جلد ہی اپنی پیٹنگز کی انجینئرین کرانے لگا تھا۔

فصل جو پچیس میں اس کے لیے کانٹھیں اور کینڈی لانا تھا ان کی جگہ اب پڑا مرگ اور آسکر مکمر نے لی تھی۔ مگر اب وہ خاص ڈائنٹ کا نقشہ تھی اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ تعلیم اور دیگر کاموں میں مشغولیت اور سرمایہ رکھانے سے وہ بہت سلسلہ اور سادہ تو ہوئی تھی مگر ڈائنٹ کے والی حاملہ لڑکیوں کی طرح پچی پچی تھی بلکہ معیار رکھانے کی وجہ سے اب بھی گلابی رنگت تھی اس کی اور چاری تو وہ سب نہیں پھر بھی ایٹل کچھ دیکھی۔

اسے یاد آتا ہمارا لوں پر سکرانٹ پچیسٹی اور سکرٹی بری تھی وادی کے کمرے سے جو برابر میں ہی تھا تھپہ کے لارم کی آواز آئی تھی اس نے ہڑ بڑ کرنا دم دیکھا اور آگھیں بند کر دیں۔

☆.....☆

مچ ڈائنٹ پچیل پراس کی آگھیں سرخ اور سوچی ہوئی تھی وادی نے پانی کو گھر بندی سے دیکھا۔

"ایٹلے اکیا ہوا ہے آگھیں اتنی سرخ ہوئی ہیں۔" انہوں نے فکر مند ہی کہا۔

وہ اور دارا بیاں اپنے بڑے بیٹے تو دارا اور بھویم کے ساتھ رہتے تھے زوار بہت فرماں بردار اور محبت کرنے والے بیٹے تھے وہ کسی بھی بھولتی تھی انہیں فرماں بردار محبت کے والی اور فرماں بردار۔ فرماں کی طرح انہیں بھی اپنے بیٹوں بچوں سے بہت محبت تھی مگر انہوں نے چھوٹے ہونے کی وجہ سے فرماں چاند کے بہت لڑا کھائے تھے سو وہ بچہ اپنے حق کی مانند وصول کرتے تھے۔ شادی بھی انہوں نے اپنی پسند کی اور پھر سو جا چکی کو اس گھر کے ماحول کے مطابق چلا چکی نہ کسے وہ بلا کی منہ پھٹ اور کینڈی زور تھیں کسی چھوٹے بڑے کی عزت کا انہیں کام نہیں تھا پھر جب انہیں اور ہڈیوں زاد وہ بیٹے گیس اور گھر میں سیاست کا میدان لگنے لگا وہاں میں خرق آئے لگا تو دارا وادی نے گھر کو دھو صوں میں تقسیم کر کے بڑے بیٹے کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر لیا جسے ان کے بڑے بیٹے اور بھویم نے خوشی اور خندہ پیشانی سے قبول کیا وہاں چلی گئی کیوں کا سانس لیا کیونکہ اگر یہ سب نہ ہوتا تو اب ان کا گھام کا جائیداد کے ہزارے کا تھا جس میں ہر سال اتنا ہوا گھر ملنا ناممکنات میں سے تھا کہ اس جائیداد کے ان دو بھائیوں کے علاوہ ایک بہن اور خود دارا وادی کی حقارت سے۔ اب تو ان کا سرگزشتاں اور پانچوں انگلیاں بھی میں تھیں۔ یعنی پینگ پھنگی لگے بغیر رنگ چوکھا آیا تھا۔ وادی محلوں میں ہی کافی باسفر طے کرتی تھی۔

"بس وادی تینہ نہیں آ رہی تھی۔" وہ بے روی سے بڑھتی تھیں تو گئے ہوئے بولی۔ یو پیغام میں لیتے سے

بنائے ہوئے پالوں میں بالکل ساہمی بڑی بیماری کی لگ رہی تھی۔ انہوں نے گھبرا کر نظر چرائی اور منہ ہی منہ میں نظر کی دماغہ کراس پر غمخسوس طریقے سے دیکھا۔

"وہ نہ کوگک کی اسٹوڈنٹ نہیں آ رہی تھی۔" انہوں نے اچھے سے اسے دیکھا۔

"بس وادی لگتا ہے دھندھی تھی۔" وہ بڑی رازدارانہ سے وادی کے قریب ہو کر بولی۔ وادی نے اسے لگتی سی چپٹ لگائی اور وہ کھلکھلا کر ہنسی اور سامنے ناشیدہ کرتے زوار اور میڈ سے وادی پچی کی محبت کو بولی محبت سے دیکھا۔

"وادی! وہ پھر میں زیادہ سوچی تو رات کو تینہ نہیں آ رہی تھی۔ مطالعہ کئی بھی دیر کرتی سرور کرنے لگا تھا۔" اس نے تفصیل سے بتایا۔

"اسی لگتی ہیں ہوں عرصہ کچھ بایا کر اور عرصہ بھی تقنا کرتی ہوا اور مغرب کے وقت سونے سے بھی دماغ کزور ہوتا ہے۔" وادی نے سمجھایا۔

"وادی! آپ بھی سیاست بیان دیتی ہیں پچیلے بیٹے کبہری تھیں کہ سر میں تیل نہ ڈالنے سے دماغ کزور ہوتا ہے۔" اس نے وادی کو پچھڑا تو زوار اور میڈ سے بے ساختہ منہ دیا کہ اپنی سکرانٹ روکی اور زوار نے باقاعدہ ہونہ کر کے اسے سر ڈش کی۔

"مت روکو زوار یہ تو ہماری بیٹا ہے، اسی سے تو اس گھر میں رونق ہے۔ ہماری جان بند ہے اس طوطی میں۔" وادانے زوار کے چنگارے پر کہا۔

"وادی! پچیلے نے کریش طوطی ہوں یا بیٹا۔" وہ لاڈ سے چٹکی تھی۔

"ایٹلے سب بہت ہوگئی بدتمیزی چلو گھوڑا سکوئی گھر ہو رہی ہے۔" بیٹھے تھیں انداز میں کہا۔

اور وہ دارا وادی مانا بایا کر بیاد کرتی ہوئی تھی کسی کچھ ہڈی دے پر کر۔

"وادی! کیا تو دل پڑھنے کے لیے ملک سے باہر جا رہا ہے۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں جا رہا ہے مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو اور یہ تو دل کی بات ہے کئی بار کہا ہے کہ پانچ سال بڑا ہے تم سے بھائی کہا کر وہ۔" وادی نے سر ڈش کی تو اس نے کچھ ہلا کر گویا کسی ڈالائی۔

وادی پچین سے ساتھ کھلا ہے جب سے ہی نام لے رہی ہیں تب منع کرنا تھا ان اب اچانک بھائی کہنے لگوں کی تو کرسی کو محسوس ہوگا اور جب سے زیادہ آپ کے کڑے کو محسوس ہوگا۔" وہ لاڈ پر وادی سے بولی۔

"تمہیں کس نے بتایا اس کے جانے کا؟" بیٹھے سے دودھ کا گلاس اسے صحابہ جودہ بیشک کی طرح چھوڑ کر بھاگ رہی تھی اور اس نے منہ بتایا۔

"خود بتا رہا تھا۔" اس نے کہہ کر دودھ کا گلاس ایک ہی سانس میں ختم کیا۔

"کب؟" وہ تو کہہ رہا ہے آئے سے پہلے چاہ گیا تھا۔" بیٹھے نے کہا

"جاتے وقت ہی بتایا تھا، دل میں ملتا تھا۔" اس نے بھی ایسے ہی شیخاں مار رہا ہے۔" وہ ڈھڑارت سے دارا وادی کو دیکھ کر بولی۔

"لڑکی نام لیتی ہے مگر بات تو عزت سے کر سکتی ہے آتا ہے جاتا ہے کوئی انداز گفتگو ہے۔" وادی نے

مرزش کی۔

"اچھا دادی اب عزت سے بات کروں گی پر اس۔ آتے ہیں، جاتے ہیں کھاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔" اس نے لاڈ سے دادی کے گلے میں بائیں ڈال کر کہا۔ دادی تو اس کی چکی والی کتھی تھیں اور دادی نے سکرابت کو لپٹے دے دیا۔  
"دیکھیں گے۔ اچھا اب چلو دینی آگئی ہے۔ اسکول جاؤ۔" اور وہ سب کو اللہ حافظ کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔

اور دادی اور بیبے نے جلدی سے آیت انگری سے باہر جانے کی دعا دار یا حفیظ یا رب پڑھ کر اس پر دم کیا۔

☆☆☆☆

"ماما میں جانے سے پہلے مٹکی کر کے جانا چاہتا ہوں۔" نونل نے لاڈ سے اپنی ماں کے گلے میں بائیں ڈال دیا۔

"اچھا اور وہ بڑی بہن کی موجودگی میں۔" عالیہ (ماں) نے چھیڑا۔

"مامی! مجھے سے کون سی بڑی ہے۔ صرف سو سال کا ہی فرق ہے۔" وہ ہنسا۔

"لیکن ہے تو بہن بہنوں کی شادی پہلے ہو جائے تو آنے والی کو تکلیف ہو سکتی ہے۔" عالیہ نے شرارت سے کہا۔

"ماما! آپ بھی ماں ایں مٹکی کی بات کر رہا ہوں آپ شادی تک چلی گئیں شادی تو اللہ پہلے لینی ہی ہوگی۔" اس نے لاڈ سے کہا۔

"ہوں! یعنی بیوی کا راستہ صاف کر کے ہی شادی کرو گے۔" وہ مزید شرارتی ہو گئیں۔

"ماما! آپ کو سیر بیوی کی سیر کی بات نہیں لگتی نا! ایں بابا سے بات کروں گا۔" وہ چڑ کر اٹھ گیا۔

"ہاں مٹی! لڑکی پسند آگئی ہے۔ اب ماں کیوں اچھی لگتی۔" انہوں نے شرارت سے ہونٹوں تلے سکرابت دہائی۔

"ماما آپ مجھے تنگ کر رہی ہیں نا!۔" وہ ہنسا۔

"ارے سیر کی ایسی مجال دیے ہو کون؟" انہوں نے لہجہ سرری سا رکھا تھا مگر نونل کے چہرے کا چرغاں دیکھنے والا تھا۔

"وہ وہ جو آپ کے دل کے بہت قریب ہے۔" اب ستانے کی باری اس کی تھی۔

"اچھا۔" انہوں نے لاہر و اسی لکائی۔

"اب آپ خود کس کریں۔" اس نے تجسس پھیلا دیا۔

"ہوں۔" انہوں نے سو پنے والا انداز اپنایا۔

"سو نیا۔" آخر میں انہوں نے کہا اور نونل کا قہقہہ نکلا۔

"آپ جانتی ہیں ماما وہ دنیا کی آخری لڑکی بھی ہو سکتی تھی اس سے شادی نہیں کروں گا۔" وہ بڑی طرح چڑ گیا۔

"کیوں اتنی بے ادبی تو ہے اور میرے دل کے بھی قریب ہے۔" انہوں نے اسی کا جملہ سہ لودیا۔

دوسرے دن 145

"آپ کو پتہ ہے ماما! وہ پلو پلو کر کے جاتیں بھی ہوگی تو بھی مجھے ناقابل قبول ہے۔" اس نے چڑ کر باہر جانے کے لیے قدم بڑھا دیے۔

"وہا نیل ہے نا!" پیچھے سے عالیہ نے کہا اور نونل ٹھٹھک کر رہ گیا تھا۔

"آپ کو کیسے پتہ؟" وہ ہجرت کی زبانی سے بولا۔

"کیونکہ ماں سب کچھ جانتی ہے۔" انہوں نے نیچک کے ایڈ کے انداز میں کہا۔

اور وہ شدت جذبات سے ماں کے گلے لگ گیا۔

"آپ بات کریں گی نا بابا سے۔" اس نے بڑی آس سے ماں کو دیکھا اور انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور اس نے شدت سے ماں کو کھینچ لیا۔

☆☆☆☆

عالیہ اینڈ کی چیئر پر بیٹھی ہوئی تھیں ان کا اور ان کے شوہر سکندر کا بچپن اسی علاقے میں گزرا تھا۔ سکندر ان کے بڑے بھائی کے زوار کے دوست تھے اور انہیں پہلی ہی سال چھل سا کر وہ سکندر کے لیے اہم ہو گئی ہیں۔ وہ تو اتنے محتاط تھے کہ کسی اور کو تو کیا خود کو بھی انداز نہیں ہو سکا کہ وہ سکندر کے لیے ایک شیت اختیار کر گئی ہیں وہ تو زوار بچا کے حوالے سے ان کو ہمیشہ بھائی ہی کہا کرتی تھیں سکندر بچا کرتے کرتے کرب کی تعلیم مکمل ہو اور وہ کب اپنی والدہ کو لے کر ان کے گھر آئیں اور ان کے ہمسافر بن گئے۔ نام محفوظ کر لیں۔

مگر یہاں قسمت ان کے ساتھ ہاتھ کر گئی، اعلیٰ عالیہ کی اہلیں ہی پارٹ دن میں ہی تھیں کہ ان کا خاندان میں سے ہی رشتہ آگیا لڑکا چرلے سے اچھا تھا وہ رشتہ قبول کر لیا گیا شادی کر بیچیشن مکمل ہونے پر ہوئی تھی اور ان دنوں سکندر کی جو حالت تھی اس سے پورا گھر واقف تھا ان کی جان کو تو روگ ہی لگ گیا تھا۔ ساری زندگی بڑی صاف ستھری زندگی تھی ان کے دل کی بنا صرف اور صرف عالیہ کے ان موٹے تصور سے آ رہی۔ اور اس مقام پر انہیں تقدیر کے ہاتھوں بڑی گہری شکست ہوئی تھی اور وہ کسی سے گلہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ان کی اس حالت سے ان کی والدہ اور بہن بخوبی واقف تھیں لیکن اب کیا ہو سکتا تھا سکندر پہلے سے بتا دیتے تو وہ رشتہ ڈال دیتیں اور ان کو انہیں کسی اعتراض کو نہ کر دیتے اور انہیں تو اس کو نہیں ہوتی تھی۔ ہاں مگر اب دیر ہو چکی تھی۔

مگر بیچیشن کے بعد عالیہ کی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں اور زوار نے اپنے بہترین دوست کے ہاتھ ملے انہیں ہر کام میں ساتھ رکھا ان کے فریڈ فریڈ کی خریداری، ہاں کی بنگلہ، گھر کی سجاوٹ، ہر تقریب کا ارگنٹمنٹ ہر چیز کے لیے زوار اور سکندر کی آواز میں پڑتی تھیں اور سکندر دل کا کرب چھپانے ہر کام میں آگے تھے۔ ہاں کے ارگنٹمنٹ سے لے کر ہمارات ریسپشن تک ہر کام میں زوار کے کاٹھ پھٹے پکڑا ہوا۔ انہوں نے عالیہ کے ہر سوپ کو انھوں کے راستے دل میں ادا کر لیا تھا۔

ہائیڈس کے پٹیلے فرارک اور جاگے میں پھولوں کے زیور میں جو گئی۔ مہندی کے سبز ہزارہی بادی سوٹ میں سات کدو کے پٹے اور پھولوں کے زیور میں اپر اٹھائی اور شادی دن کے دن کو تو تپش، کوئی استہارہ کچھ بھی ان کی ذات کے لیے آئیں لیکن قہارہ کیا لنگر ہی تھی اور ان کا خود کو پکڑنا یا نامکمل تھا وہ زوار سے طبیعت کی خرابی کا بھانہ بنا کر گھر آ گئے تھے اور اس میں ان کی متاعِ جاں سات کی تھی۔

دوسرے دن 145

عالمیہ کے شہر ہائی ان کے لیے اچھے ثابت نہیں ہوئے ایک تو خشکی مزاح بلا کے تھے اور پھر وہ پوری فصلی بلا کی لاکھوں لاکھوں بین اور مٹی ہونے کے سوا لے سے جتنے زیادہ کی امید وہ لگے بیٹھے تھے وہ انہیں مل نہیں سکا سوسارے گھر نے ان کو شش سہم بجایا تھا۔

ہر وقت جھیر گم اور غیر میناری (بیان کا خود ساختہ تجزیہ تھا) لانے کے طعنے دیتے تھے مانی کو وہ بنی سنوری بری لگی تھی اور وہ انہیں خراب گوشتوں سے تشبیہ دیتے تھے اور پھر گوشتوں نے دیکھا کہ کڑوں میں ہی ان کا رنگ روپ اچھا گیا۔ اتنی سادہ اور بڑے حائلوں میں تو وہ کبھی سیکے میں بھی نہیں تھے انہیں سادہ تو دیتی تھیں مگر میروں اجڑی ہوئی نہ ہوتی تھیں۔

نندوں نے بری اور جیسے کے سارے سوٹ اور زہر پر یکہ کر بھجھا لیے کہ جب بھائی کو پسند نہیں تو یہ سب روکنے کا کیا فائدہ؟ بیوی کو وہ کیسے ہی رہنا چاہیے۔ اور انہوں نے کوئی کچھ نہیں کیا وہ تو ویسے بھی سادگی پسند تھیں بات بات پر انہیں آ رام اور کھل پھندا کرنے دے جاتے تھے حالانکہ آ رام تو اس گھر میں آئے ہی ان کی زندگی سے رخصت ہو چکا تھا مگر انہوں نے اس رشتے کو نبھانے کی پوری کوشش کی تھی۔

اور بہت جلد ہی انہیں یہ چل گیا کہ مانی ان پر شک صرف انہیں ڈنچ کرنے کے لیے کرتے تھے کیونکہ ان کی زندگی میں کوئی اور بھی ایسے دو چارے اور اپنا چا چا تھے گھر وہ اپنی حیثیت میں ان کے ہم پل نہیں تھے۔ اور ان کی ماں بہن طبیعت سے لالچی تھیں۔ سوانہوں نے مانی کی ایک نہ چیلنے دی اور عالمیہ کے گھر ان کا رشتہ ذال، یا جو مانی کی حیثیت میں ان سے بہت بہتر حالت میں تھے۔ عالمیہ کو ان کی بیٹی ہونے کے بدلے ان کے والدین اور بھائیوں نے دل کھول کر تجویز اور تھکا دیا تو وہ بھی ان کے سسرال والوں کو کم اور غیر میناری لگتا تھا۔ آخر اتنا جھجھ لائے والی اور حیثیت میں ان سے برتر ہونے والی، یہ سوچنے والی، یہ سوچنے والی، یہ طریقہ تو سوا ہیہ طریقہ سوا کیا انہیں ان کی بہترین چیزوں کے تر ہونے کا احساس دلایا جاتا تھا وہ پہلے بھی کوئی زبان دراز یا بد فیئر نہیں اور خاموش ہو گئیں۔

دوسری طرف مانی تھے انہیں وہ بھی سنوری لیے بری لگی تھیں کس اس جگہ کسی اور کو کچا سنورا دیکھنا چاہتے تھے۔ اور بی ٹی کو اپنی آرائش سے روکنے کا نہیں ایک ہی طریقہ تھا آدھ یا کہ وہ ان کے دل میں یہ بات ڈال دیں کہ وہ ان پر شک کرتے ہیں سوانہوں نے ایسا ہی کیا اور انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی وہ ہم نہیں انہوں نے صاف اور سیدھی زندگی گزار دی تھی اور شوہران کے صاف اہل اور روشن وجود پر بدکاری کے داغ لگنا جاتا تھا وہ پہلے ہی سادہ مزاج تھیں اس تو اپنے پیٹھے سے ہی لا پرہا ہو گئیں مگر مسکون جب بھی نہ ملتا۔ مانی انہیں دیکھ کر طعنے لگتے۔

”کون ہے وہ جس کے سوگ میں دنوں میں اجڑ گئی ہو۔“ اور وہ تنہائی میں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں شک سے شکایت پر اتر آئیں اپنے بے سب کے یہ ان کی کون سی خاؤں کی سزا ہے اور اب تو بے نیاز ہوتے ہوئے بھی ستر گنا اس سے زیادہ بے بندوں سے محبت کرتے تھے۔

اور پھر جب انہیں بے چلا کر یہ ان کے وجود میں ایک اور وجود سانس لے رہا ہے۔ تو وہ دوبارہ جی انہیں لیکن مانی کو یہ بھی رنجی اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکی۔ انہیں اس خبر نے کوئی خوشی نہیں دی بلکہ وہ دھیل ہو گئے کہ اس طرح

سے عالمیہ کے قدم اس گھر میں منسوب ہو جائیں گے۔

اور پھر شوہری بیوی کی حیثیت کا تعین اس کے سسرال میں کرتا ہے جب شوہری بیوی سے غرض نہیں تھی تو ساس نندیں یہ کیوں گھر میں بلکان ہوتیں سواں خبر نے ان کی عینوں کو کم نہیں کیا بڑھا دیا۔

ساس نندیں اور شوہر اچھے بیٹھے ہر وقت ایک ہی صورتوں کے کانوں میں پھونکتے رہتے تھے کہ انہیں بیٹا چاہیے اور اگر بیٹا نہ ہو تو ان کی اس گھر میں کوئی چھ نہیں ہے۔ ہر وقت ایک ہی راگ کا نائی نڈا اور آ رام کی اوپر سے مسلسل دہنی باؤ سے وہ نفسیاتی ہونے لگی تھیں۔

اب اس کے کچھ نہ بتانے کے باوجود جی ان کے گھر والوں کو سب کچھ نظر آنے لگا تھا کہ کیسے دنوں میں ہی پھول کی بیٹی سر بھجھا کر مانی کی آبی جلدی کرنے پر انہوں میں ہوتا تھا کہ رشتہ خاندان سے ہی تھاب بھی تحقیقات ضروری تھیں مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

ڈیوری سے چند دن پہلے ان کی والدہ بی بی جان ان کو اپنے گھر لے آئیں ان دنوں ان کی ذہنی حالت بہت خراب تھی وہ تیز آوازوں سے بھی ڈرنے لگی تھیں کوئی کڑ سے بات کرتا تو سہم جاتی تھیں۔ دراز راہی بات پر آٹھوں سے آٹھو بیٹے لگتے تھے۔ اور بی بی جان اپنی اکولی لاڈلی کے اس حال پر چھپ چھپ کر دلی تھیں۔

پلا خرشادی کے پورے گیارہ ماہ بعد انہوں نے ایک پھول کی بیٹی کو جنم دیا اور اس سے اگلے دن ہی انہیں طلاق کے پیچہ زل گئے اور اپنی بیٹی کو گلے کا کر دو پڑیں کہ جس بیٹی کو انہیں نام کی نہیں ملا تھا اس کے وجود کو جوہ بنا کر اس کی ماں کو طلاق مل گئی تھی۔

وہ گھر آ گئیں اور اپنی بیٹی کو کسترا جاں بچھ کر اس کے وجود میں گم ہو گئیں اور سکندر کو ان کے حالات کے بارے میں پتہ چلا تو وہ تڑپ گئے دو مہینوں کے بعد عالمیہ کے گھر میں خوش و خرم ہیں گم ہو گیا انہیں اب پتہ چلا تھا کہ شادی کر کے تو ان کی زندگی سے خوشیوں کا لفظ ہی فنا ہو گیا تھا۔

اور وہ ایک بار پھر اس کے آگے بڑھ گئے۔ ماں نے ان کو سہیت لیا مگر اس بار ان کی بہن ان کی سب سے بڑی مخالف کے درپے ہیں ان کے سامنے کھڑی ہو گئیں آخر ان کے اتنے شاندار بھائی کے لیے وہ طلاق یا فائدہ ایک بیٹی کی ماں ہی بیٹی کی کرناں اور باپ نے ان کا سہا دیا۔

سکندر کا رشتہ کیا آسب پر شادی مرگ طاری ہو گئی زہاد تو سب سے بڑے حامی تھے اس شادی کے گھر وہ خود راضی نہ ہوتی تھی اپنی بیٹی کی وجہ سے بھی اور ایک سال میں شادی کے نام پر جو طویل دکات چکی تھیں اس کی وجہ سے بھی وہ صاف کہتی تھیں کہ ”جس بیٹی کی محبت اس کے گئے باپ کے بدل میں اس کی ماں کی محبت اور احترام کو مت چکا کی اس کے لیے وہ کسی سوئیے رہتے پر کیسے بھروسہ کر سکتی ہیں اور یہ کراب ان میں مزید دکھ اٹھانے کی سکت نہیں ہے۔“

اور جب سکندر نے خود ان سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا مگر بی بی جان نے کہا کہ پہلے وہ بات کر کے دیکھ لیتی ہیں اگر مان جاتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر سکندر کو خود کوشش کر کے دیکھ لیں۔

اور اس دن بی بی جان عالمیہ کے کمرے میں گئیں تو وہ لہلی کو تیار کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے باتیں بھی کرتی جا رہی تھیں۔



”مے ملے گیا کتنی پیالی لگ رہی ہے۔“ (اوسے میری گڑبگڑتی پیاری لگ رہی ہے) وہ اسے گلابی خراک پہنائے دیکھ رہی تھی۔ لی بی جان مسکرا دیا وہ کافی بہتر ہو رہی تھی۔ پہلے کی طرح بات بات پر دوا اور دوا چھڑا دیا تھا انہوں نے۔ وہ کھلی کی ذلت میں محکوم کر اپنا ماضی اپنا برا وقت بھول رہی تھی اور یہ ان کے لیے بہت اچھا تھا۔

لی بی جان نے کھنگھار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو عالیہ نے مکرر دیکھا۔ ”ارے لی بی جان آئیں آکر دیکھیں اپنی نوایں کو دیکھیں وہ ماشاء اللہ کتنی پیاری لگ رہی ہے۔“ عالیہ نے انہیں بچی کی جانب متوجہ کیا۔ ”ماشاء اللہ اب بالکل تھمارا بچپن ہے۔ تم بالکل ایسی ہی تھیں۔“ لی بی جان نے دو ماہ کی صحت مند گلابی لیلی کو دیکھ کر کہا۔

”بوجہ اللہ کہ صرف شکل مجھ پر بونیفیس نہیں۔“ اس نے آرزوگی سے کہا۔  
 ”نفسیہ سندر سے ہیں تو تم انکار کر رہی ہو۔“ لی بی جان نے بات شروع کی۔  
 ”نہیں لی بی جان میں یہ رسک نہیں لے سکتی۔ میری بیٹی بہت چھوٹی ہے بہت معصوم ہے میں اسے سوتیلی بہن کے ہم جنم نہیں دیکھ سکتی۔“ عالیہ کا لہجہ سخت تھا۔  
 ”سکندر بہت اچھا ہے بیٹا۔“ لی بی جان نے سمجھا دیا۔  
 ”سکندر بھائی لاکھا دیکھو میں کتنے ان کا رشتہ سولا ہو گا اور کتنے کوس جی پر نرم نہ پائیں گی کے لیے میں سوتیلے رشتے پر کسے اعتبار کروں۔“ عالیہ کے لہجے میں کوئی ٹپک نہیں تھی۔

”اگر بات لیلی کی ہے تو اسے بھیس دے دو میں اسے پال لوں گی۔“ لی بی جان نے ایک نئی راہ بھائی۔  
 ”واہ لی بی جان واہ! آپ نے اسے اپنی محبت اور شفقت کے لاف نہیں سمجھا اور ماں کی ممتا آپ لوگ اس کے سر سے ہر ذرہ جین لیں۔“ وہ ہنسی میں تھی۔  
 ”یہ تو میں نے تھارے اندیشوں کی وجہ سے کہا ہے۔“ ورنہ سکندر اور اس کے گھر والوں کو کھلی سے کوئی مسئلہ نہیں ہے وہ اسے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔“ لی بی جان نے کہا۔  
 ”ابھی نہیں ہے بعد میں ہو گا۔“ لیلی ان کی اولاد نہیں ہے۔ جب ان کی اولاد ہو گی تو مسئلہ نہیں مسئلے ہوں گے۔“ وہ غصے سے لہجے میں بولیں۔

”میری بچی مستقبل کے اندیشوں پر اپنا حال چاہیں کرتے ہیں۔“ لی بی جان نے سمجھا دیا۔  
 ”لی بی جان! امیر ماشی سب سے اور مستقبل اندیشوں سے پر۔“ مجھے بڑے حال میں رہنے دیں۔“ انہوں نے گویا اٹھائی۔  
 ”بیٹا مجھو میری بات تم جہیں تمہارے حال پر نہیں چھو سکتے۔ یہ نہیں میری اور تمہارے باپا جان کی کتنی زندگی ہے۔ اور بھائی اور بھادو میں کتنا پیار ہوئی ہیں۔“ لی بی جان نے آرزوگی سے کہا۔  
 ”کسی پر بوجہ ہی تو چاہ کر لوں گی مگر دوسری شادی قطعی نہیں۔“ عالیہ کا لہجہ خوش تھا اور لی بی جان چڑھ گئیں۔

”ٹھیک ہے کل سکندر آ رہا ہے تم سے ملنے تو خداس سے مل کر اسے انکار کر دیا۔“ لی بی جان بھی دو ٹوک لہجے میں جی کر کھڑی ہو گئیں۔

”مجھے کسی سے نہیں ملنا لی بی جان! امیر فیصلہ ملے۔“ عالیہ نے قطعی لہجے میں کہا  
 مگر لی بی جان سنی ان کی کڑی جلی گئیں۔

☆.....☆

دوسرے دن خواہش نہ ہوتے ہوئے بھی عالیہ کو سکندر سے ملاؤ پر اور انہوں نے سکندر کے سامنے جاتے ہی کہوایا۔

”سکندر بھائی آپ کو کوشش کرنی ہے۔ آپ کر لیں مگر ایک بات ملے ہے کہ آپ مجھے اس رشتے کے لیے راضی نہیں کر سکیں گے۔“ ان کا بوجہ دو ٹوک تھا۔

”عالیہ میں آپ کو راضی کرنے کی کوشش تو آپ کو کچھ بتائے آیا ہوں۔“ انہوں نے آہستہ سے کہا تو عالیہ نے حیرت سے منہ کھول کر سکندر کو دیکھا۔

اور پھر سکندر نے اپنی محبت کی شدت اور وارفتگیوں کے قصے چھیڑ دیے کہ وہ کب سے ان کے دل کی غامضانہ باتیں میں اور عالیہ منہ کھولنے لگی ہیں ہر عورت کی طرح چاہے جانے کی خواہش ان کے دل میں بھی تھی ہر ایک اور عورت کی طرح ایک گھر ایک دوپٹے اور ایک پھول کے بیج کی خواہش کی طرح چاہے والے ہم سفر کی خواہش بھی کیگیں نہ کہیں دل کے نبھاس خالوں میں سو جھومیں اور ان کے سامنے ایک ساحر موجود تھا جو جتنا اچھا دکھاتا تھا اتنی اچھا لگتی تھی جس کے الفاظ اور لہجے پر یقین کرنے کو دل کرتا تھا وہ اپنی جھٹوں کی داستان سناتے رہے اور وہ سنی رہیں باکوئی لفظ بولے بغیر کسی سوال جواب کے حالانکہ آئیں وہ بڑے جارحانہ انداز میں تھیں۔

”میں کوئی دھوکہ نہیں کروں گا کہ میں آپ کو بہت اچھی زندگیوں دوں گا کہ کچھ مسئلے مسائل ہماری طرف ہماری طرف بھی ہیں نہیں یہ دعویٰ کروں گا کہ میں کھلی سے کھلی آپ سے بڑھ کر اس کے لیے ثابت ہوں گا میں کوئی کوشش ضرور کروں گا ایسا کرنے کی۔“ ایک دفعہ ضرور کروں گا کرنا تھا انہیں آپ کو زندگی کے کسی خزانہ پر اپلا لیں چھوڑ دوں گا۔ آپ زندگی میں مجھے ہمیشہ اپنا ہم قدم اور ساتھ کھڑا ہو جائیں گی۔“

سکندر نے کوئی وعدہ نہیں کیا سوائے ایک وعدے کے اور عالیہ نے اسی وعدے پر بھرپور سہ کر کے ان کا ہاتھ تھم لیا۔

عالیہ اور دار کی شادی ساتھ ہی رکھی گئی اور خضعتی والے دن تو سکندر نے عالیہ کا دل مکمل طور پر جیت لیا۔ جب سب کا خیال تھا کہ کھلی کو بھی کچھ دن تاننا کافی ہے پاس رہنا چاہے اور سکندر نے کہا  
 ”نہیں کھلی تمہارے ساتھ جانے کی اتنی چھوٹی بچی کو ماں سے جدا کرنا غلط ہے۔“ اور ان کے اس فیصلے پر ان کی دونوں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ بہنیں جبر کھینچی ہوئی چلی گئیں مگر انہوں نے پروا نہیں کی۔

اور وہ دن سے اور آج کا دن انہوں نے اپنا واحد کیا جانے والا وعدہ ہی نہیں پورا کیا بلکہ وہ وعدے بھی پورے کیے ہوئے کیے تھے۔

کھلی کی ماں سے زیادہ باپ کی لاڈلی تھی حالانکہ شادی کے اگلے ہی سال تو فل صاحب بھی آن وار دہوئے تھے عالیہ کے سامنے سرسبز بہت اچھے لوگ تھے۔ انہوں نے کھلی کو کھیلنے سے قبول کر لیا مگر سکندر کی آہلیہ نے آہلیہ اور چھوٹی بہن نور پور نے کھلی کی کھلی کھلی سے قبول نہیں کیا اور اس کے خوالے سے وہ عالیہ کو ستانے کا کوئی موقع ہاتھ



سے جانے نہیں دیتی تھیں۔ بس شادی کے بعد ایک یہی تکلیف تھی جو انہوں نے کسی بھی نورینہ کو تلقین تھا کہ اس کے اسنے شاندار بھائی نے شادی کی بھی تو ایک طلاق یا نہ ایک بچی کی ماں سے اور وہ اس کا بر ملا اہلکار بھی کر دیتی تھی۔

”نیرے اسنے اچھے اور شاندار بھائی کے لیے ایک یہی بچی تھی آپ کو“ وہ اکثر ماں سے کہتی۔  
 ”کیوں کیا کی یا خانی ہے میری بہو ہیں۔ ماشاء اللہ چندے سے آفتاب چندے سے بہا بہا ہے میری بہو۔“  
 مسکندہ کی والدہ کو وہ بہت پسند تھی۔

”بہو بہو چندے سے آفتاب چندے سے بہا بہا، مگر بہن زدہ حسن ہے ان کا۔ چیز میں بچی کا تقد لاٹی ہیں۔“ نورینہ غصے سے کہتی۔

”کیوں کہ بہن زدہ کیوں ہوتا شادی ہوئی تھی اس کی نہ کمر سے بھاگتی تھی نہ خانو کی تھی جی اور چیز میں رست ہی لاتی ہے ہاں اللہ کا شکر ہے۔“ جیلہ خاتون اور ان کے شو پر عظیم صاحب نے عالیہ کو دل سے قبول کیا تھا اور وہ رب کے فیصلے میں راضی برضا تھے۔

”چند تیس اس جادو کرنی نے کیا جادو کیا ہے کہ بچی غلط لگتی ہے اور پورے دست۔“ نورینہ چڑھ گئی۔  
 ”الفاظ اور بوجہ درست کر رہا ہوں بڑے بھائی کی بیوی نے بچی میں اچھے والی یا اس گھر کی نوکرائی نہیں ہے اور جانا جاتی ہو یا تو سنو اس سے محبت و مخلص اور اخلاص کا جادو چلایا ہے مجھے آرام دیا ہے اس گھر کو جنت بنا دیا ہے۔ ابھی تم اپنی ماں سے مخاطب ہو تو آفتاب و لہجہ دیکھا ہے وہ اپنی ماں سے مخاطب ہوتی ہے تب بھی اس کے لہجے میں مٹھاس و محبت، قہر و رواداری کو محسوس کرنا میں پورا دل کام کروں تو بھی کبھی نہیں تکلیف نہیں ہوتی ویسے ہی ڈائجسٹ پرستی دیتی ہو اور وہ مجھے پورے دن میں ایک بھی کام کرنے دیکھ لے تو تکلیف میں آ جاتی ہے تو میں اس کی قدر کیوں نہ کروں جو میری بچی بنی ہوئی ہے اس کی قدر کیوں کروں جو بچی ہوتے ہوئے بھی مسکاتی ہو جی ہوتی ہے۔“ انہوں نے بھی بے لاگ دلچسپی لیا۔  
 ”بہنہ! انہوں نے یہ چاؤ چھلے تو کرنے ہی تھے ان جیسی کو آپ نے اسنے اچھے بندے کے لیے قبول کر لیا ہے۔“ نورینہ نے تنک کر کہا۔

”کچھ مطلب ہے تمہارا ان تیس سے اچیلہ خاتون کا لہجہ اچھا چاک ہی بلند اور تنک ہو گیا۔  
 ”کوئی برسے کر دار کی ہے وہ اور اپنی خوش فہمی سے دور کر لو ہم نے نہیں اس نے قبول کیا ہے تمہارے بھائی کو کیونکہ اس نے تو صاف انکار کر دیا تھا تمہارا بھائی سوالی بہن اس کے در پر گیا تھا اور ڈر اللہ کے غضب سے۔ اپنے الفاظ کی پکڑ سے۔ استغفار پڑھا کرو ان کا سدشیا لات کے لیے۔“ جیلہ خاتون کو کبھی بھی نصیحت آتا تھا مگر جب آتا تھا تو وہ اگلے پچھلے سارے کیزے چھاؤ دیتی تھیں اور نورینہ پر سختی مندی مندیں بڑبڑاتی تھیں۔  
 ”بہنہ! نہیں کبھی وہی ایک دور پر کی تھی بھائی تو دنیا میں حسن کا تقد ان ہو گیا تھا۔“

☆ ☆ ☆

## دو شیزہ ڈائجسٹ میں اشتہار کیوں دیا جائے؟

▶..... پاکستان کا یہ واحد رسالہ ہے جس کا گزشتہ چالیس (44) برس سے چار فیلیں مسلسل مطالعہ کر رہی ہیں۔

▶..... اس لیے کہ جریدے میں شائع ہونے والے اشتہارات پر قارئین بھرپور اعتماد کرتے ہیں۔

▶..... اس میں غیر معیاری اشتہار شائع نہیں کیے جاتے۔

▶..... پوری دنیا میں پھیلے اس کے لاکھوں قارئین متوسط اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو مستند اور معیاری مصنوعات کی خریداری کو ترجیح دیتے ہیں۔

▶..... اس لیے کہ دو شیزہ ڈائجسٹ کو گھر کا ہر فرد یکساں دلچسپی سے پڑھتا ہے۔

▶..... جریدے کے ہر شمارے کو قارئین منہال کر رہے ہیں۔

▶..... اس جریدے کے بڑی تعداد میں مستقل خریدار ہیں جو اعداد و شمار ہر دن ملک پھیلے ہوئے ہیں۔

▶..... آپ کی مصنوعات کے اشتہار ہر اقامت، اُن تک پہنچ سکتے ہیں۔

▶..... جریدے کی اعلیٰ معیار کی چھاپائی آپ کے اشتہار کی خوب صورتی میں اضافہ کرتی ہے۔

شعبہ اشتہارات: دو شیزہ

II 88-C 88-فیسٹ ٹیور، خیابان بی بی کریم شاہ، فیسٹ ٹیور، لاہور۔ فون: 7-برائی

فون نمبر: 35893122 - 021-35893121

اس سلسلے وار ناول کی دوسری قسط اگلے ماہ کے ملاحظہ فرمائیں



افسانہ

فرحین ناز

سہیلی

اس کو سلطوت کے گھر کا ماحول ہمیشہ سے ہی پسند تھا مگر وہ یہ

نہیں جانتی تھی کہ سبز پر صرف جگہ بدل لینے سے وہ زندگی کے کتنے بڑے عذاب سے بچ رہی تھی...

ماڈرن طرز زندگی سے مرعوب بچیوں کے لیے سبق آموز تحریر

اسلام اپنی سب سے پیاری کنبلی سلطوت کی

”آپ کے بغیر آج ہماری رات ہے۔ سب مہمان بھی چلے گئے ہیں۔ تم پہنچ آج رات یہیں رک جاؤ۔“ سلطوت آٹھویں میں آسو مجھے اس کو گلے لگائے اتنی بے چارگی سے بولی کہ امی کو بھی مانتے تھی۔

اسلام اپنی سب سے پیاری کنبلی سلطوت کی بڑی بہن کی شادی میں شرکت کرنے اپنی امی کے ساتھ خود بخود سے لاہور آئی تھی۔ وہ اسے دور کی رات دو بیٹوں کی فائل میں نہ اس طرح بھانے چل پڑنے کی گھراس کی کہ سامنے بار سامنے اس کے ساتھ آگئی تھی کہ بہر حال اسے اکیلا تو وہ بھی نہ بھیج سکتی تھیں۔ اسلام ان کی پرانی سوچ و اعتقادات سے خائف رہتی اور اپنی شادی کے بعد بلا روک ٹوک نہیں گئی آنے جانے کے حسین خانبختی رشتی تھی اس کے خت ماحول میں اس کا دم ٹھٹھا تھا۔

سلطوت اس کی پونہ رسی کی دوست تھی۔ اس کے گھر کا آزادانہ ماحول اسے ہمیشہ اپنی طرف کھینچتا۔ اپنے ٹپل کلاس گھرانوں کی تقریبات سے اس کا دل

ابوب چکا تھا۔ سلطوت کے یہاں آ کر اس کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اپنے بیٹوں کے گھر میں آگئی ہو۔ ہر طرف رنگ تھے۔ لڑکیاں جدید طرز کے خوبصورت پہناؤں میں لمبھی یہاں چھٹی بھر رہی تھیں۔ وہ جتنا یہاں آ کر خوش تھی آج یہ تمام اتنی ہی بے چینی محسوس کر رہی تھیں۔ وہ جلد سے جلد اس جگہ سے چلے جانا چاہتی تھیں مگر سلطوت کے اصرار سے مجبور ہو کر اور یہ سوچ کر کہ کیا رات کی ہی قیامت ہے وہ رکت گئی تھیں۔

سلطوت بہت خوش تھی کہ اب تک شادی کی بھگ دوڑ میں وہیں کھیل کھیلے کا سوچ تک نہ ملا تھا۔ سو آج رات خوب باتیں کریں گی۔ اس کی بہن کا دلیر دونوں کے فرق سے رکھا گیا تھا۔ سوکل وہ آرام سے اپنی کنبلی کو رخصت کر سکتی تھی۔ کیستہ دم میں ان بیٹوں کے سبز بھانے گئے گیسٹ روم باقی گھر سے تو زراہت کر باہر کی طرف تھا۔ وہ وضو کر کے واپس روم میں آ گئیں۔ اسلام مدی کے مارے سے سبز میں کھڑی ہوئی تھی۔ جبکہ سلطوت ان کے لیے چائے سبز بنانے گھر کے اندرونی پورٹ میں مٹی ہوئی تھی آئین

جائے نماز چاہیے تھی جو انہیں کافی حلاش کے باوجود بھی نہ دے سکتا تھا۔ انہیں ٹھیک سے اندازہ نہ تھا کہ وہ کونسی طرف جا رہی ہیں۔ وہ اس طرف آگئی تھیں کہ کوئی ذی روح دکھا تو اس سے جائے نماز مانگ لیں گی۔ مگر یہاں تو ہوا کا عالم تھا۔ سردی اور تھکات کے مارے سب دیکے پیٹھے تھے وہ سلطوت کو ڈھونڈنے اس کے کمرے کی طرف جانے لگیں۔

”جی ایک آواز نے ان کے قدم جیسے چھو کر دیئے۔“

”آج رات یہ کام لازمی ہو جانا چاہیے۔“

”چٹکی چٹکی ہے بڑی مشکل سے جال میں پھاس رکھا ہے۔ آج کی رات کے لیے معاوضہ بھی ٹھہرا ہوا تھا ہے۔“

”نہیں مال تمہاری مرضی کا وہ رہا ہوں تو بیست بھی نہ مانی لوں گا۔ رات تین بجے آکے لے جاؤ۔“

”کیا کہتا ہے؟“

”فون بند ہوتے ہی سلطوت کی ماں کی آواز آئی۔“

”آج رات کا پروگرام ہے۔ بہت خرچہ ہو گیا ہے سناڑہ کی شادی پر۔ اب چھوٹے بھائی ہو۔ سلطوت نے اٹھ کھڑا کیا اسے آج یہاں روک کر تم سوئے سے پہلے فون پر ضرور کر لینا کہ وہ کہاں سوئی ہے؟“

”کوئی پھولی ٹنگھوئی ان تک پہنچ رہی تھی۔ ان کا دل دھک دھک سے رہ گیا۔ ان کے بدترین دوسرے ان کے سامنے کھڑے ان کا من چڑا رہے تھے۔ رات کے اس چہرہ پر اپنی بیٹی کو کہاں لے کر جائیں۔ اندر باہر رجبہ روتی ہوئی تھیں۔ وہ روتی ہوئی تھیں۔ بنت حوا کی بنت حوا کی مقدس چادر تار تار کر رہی تھی۔ اگر ان لوگوں کا منصوبہ کامیاب ہو جاتا تو وہ کیا منہ لے کر واپس جائیں گی۔ سب تو یہی نہیں گھر کے بھائی تھے۔ اس مصروف پر کیا بیٹی اس کی پروا کئے ہوگی؟ انہوں نے کوئی سے کون بھوری کرنا ہے۔ انہیں اپنے ہاتھ پیروں سے جان لٹکی محسوس ہوئی۔ سلطوت کے باپ کی یہ ٹنگھوئی نہیں کسی انہوئی کا پتہ دے رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ کوئی ان کی موجودگی سے باخبر ہوتا وہ دے پائیں واپس پلٹ آئیں سلطوت کمرے میں موجود تھی۔ انہوں نے جا کر بیٹری سے اسامہ کے اوپر سے غلاف ہٹا دیا۔ وہ ہندی آنکھوں سے انہیں جھرنی سے کھنگلی گئی۔ جی آنکھوں میں غصے اور بے بسی کے آنسو تھے۔ دل چاہتا تھا مار دے اس کا منہ تھپڑوں سے لال کر دیں۔ تمام بات اسے بتاتے پھوٹ پھوٹ کر رو رہیں۔

”اسی لیے تمہاری اپنی سیدھی دوستیوں سے خائف تھی۔ بتا اب کہاں بھاؤں تھے؟ آج کی رات یہ لوگ ہمیں نکلے نہیں دیں گے باہر پھر بار بار کھڑا ہے اور نکل جائیں تو بھی میں تجھے لے کر کہاں جاؤں گی؟“

وہ ازراہ قہار روئے جاری میں اور اسامہ کے کان تو پردن میں ہوں نہیں کے صداقتی حالت ہوئی جاری تھی مگر ان کا چہرہ دیکھ جاری تھی۔

”اب جیسا کہوں کی دیکھا ہی نہ لیا جانا اللہ تم پر رحم فرمائے۔“

وہ اسے ہدایت دیتی اٹھ بیٹھیں۔ دوپٹہ بچھا کر اس پر بیٹھ کر نماز دو اہل بڑھ کر بے دعا کرنے لگیں۔ ان کی نماز طویل ہوتی گئی۔ سلطوت بھی آ کر جہاز کی ساز بیٹھ کر اسامہ کے پاس لیٹ گئی۔ کچھ دیر باتیں کرتی رہی مگر اسامہ غائب رہا مٹی سے ہوں، ہاں کرنے کی وجہ سے جلدی سوئی۔ آسیر جیکم جیسے ہی نماز ختم کر کے اٹھیں۔ سلطوت کی امی ان کے پاس آ کر بیٹھیں اور اسامہ دھڑکی باتیں کرنے لگیں۔ وہ ان کے کاتھمدہ جاتی تھیں۔ جیسی اسامہ کو جگ سے پانی ڈال کر پلائے کو کہا۔ سلطوت کی امی نے بہت غور سے اسامہ کو لیتے دیکھا۔ کچھ دیر باتیں کرتی رہی پھر اٹھ کر سونے چلی گئی۔ ان کے جانے کے بعد کچھ رات انتظار کیا پھر اندر داخل ہوا۔ کیا وہاں کوئی چھٹی تھی جس میں ایک بیٹھی لگا تھا جسے ٹھہرا ڈالا جس کا کٹھن اتنا ہی فائدہ تھا کہ آنے والے کو

সেইসেইসেইসেইসেইসেইসেইসেইসেইসেইসেইসেইসেইসেইসেইসেইসেইসেই

[illegible]

ہوئے ان میں سے ایک نے سلطنت کی ناک کے ساتھ کھانا لگایا۔ دوسرے نے سلطنت کو ہاتھوں میں اٹھایا اور سلطنت کے باپ نے زمین پر بوسہ چھڑائی۔ دوسرے شخص نے نہایت اعتراض سے سلطنت کو اس میں ڈال کر اس کا ہاتھ کر ایک باجر بھرے ہاتھوں میں اٹھالیا اور آٹا خانہ دو تین باجر بھر گئے۔ ان دونوں نے بستر کے اندر سے تمام کارہا دے دی۔ دوسری مہم کر سکی کہ باجر سے دی۔ آٹا، اسکا چہرہ آفسود ہو کر تھا۔ کدھر کدھر اس کا تھا کر انہیں یہ چل نکلی۔ اور اس کے آگے دو سو جوتہ پارتی تھی۔ دوسری کی جگہ پر پہلے کوئیں یہ تمام رات بھر گھومیں نہ سکی۔ اور انہوں نے بھی آٹا، چہرہ بگڑا۔ اس کا کدھر چلا اور وہی اٹھ نکلی۔ اب

☆ ☆ ☆

سلطنت کے کمرچنگ دوسرے سے اترتی تھی۔ جب تک وہ اشیاء بھیجی کرتے تھے۔ آٹا، خیران ہو جاتا تھا۔ پہلے تو وہ بھی نہ دے گا کہ ان پر کیا کرتی ہے اور جب تک سمجھ کر ان کی بھیجی ہوئی چیزوں کی جھوٹی گزارشوں کی مذبذب ہو جی گی۔ انہوں نے اسے بہت ڈھونڈا۔ دے جانے والوں کو کھانا زیادہ دے گا۔ وہ اس کا کرب خوار ہو کر کوئی نہ جانتا تھا۔ خدا کی ذمہ داری جو کبھی نہ جانی۔ جنہوں نے نہ جانے کتنی مصمم بیچوں کی عزتوں کا سودا کر لیا تھا اس نے اپنے ہی کھودے گھر سے شیخو کر کے تھے اب انہیں جب تک زندہ رہنا تھا۔ سلطنت کے گھر سے نہ رہنا تھا۔ ☆ ☆ ☆

غزل

زینب النساء زوجی

ساتھ میرا کہاں تک بھائے گا وہ  
دیکھنا اک دن چھوڑ جائے گا وہ

میں تو سمجھی تھی دل میں بسائے گا وہ  
عمر بھر ناز میرے اٹھائے گا وہ

دل میں شمع محبت جلائے گا وہ  
زندگی کو مری جھگڑائے گا وہ

زندگی اک گلستان بن جائے گی  
روح میں جب مری سکرانے گا وہ

موت سے بھی بھلا کیا بچا ہے کوئی  
موت سے مجھ کو کب تک بچائے گا وہ

اس سے کہنا، کہ ظلم اتنا اچھا نہیں  
اور کتنا مرا دل دکھائے گا وہ

بجز میں تیری مرمر کے جیتی ہوں میں  
اور کتنا مجھے اب ستائے گا وہ

میں نے سوچا نہیں تھا کہ زہی مجھے  
ایک دن اتنا آکر زلائے گا وہ

☆☆☆

سز مجید کی دعوت پر آئے تو انہیں صالحہ مجید اور اس کا  
گھر بہت پسند آیا تھا اور یوں بلا خوف و یقین میں  
بات چیت طے ہوئی اور منگنی کا دن مقرر ہو گیا۔

لڑکے کے والدین کی خواہش تھی کہ منگنی کی رسم صالحہ  
مجید اور عبدالودود کو آسنے سامنے بٹھا کر اٹھنے ادا  
کر لی جائے اس طرح لڑکا لڑکی ایک دوسرے کو بھی  
دیکھ لیں گے اور منگنی کی رسم بھی ہو جائے گی۔

مجید کی والدہ کو بھلا کیا اعتراض تھا کہ اب لوگوں  
کا پال چلن ہی ایسا ہے بھی نہ یوں نہیں جیسے کے لیے  
دنیا والوں کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ ان کی ہاں میں

ہاں ملانی پڑتی ہے اور یوں دونوں طرف زور دینور  
سے منگنی کی تیار ہاں ہو رہی تھیں۔ طے یہ پایا کہ منگنی  
کی تقریب ہوئی میں مستعد کی جائے اور بچہ منگنی کی  
رسم کا دن آئی گی جس کا سز مجید کو بے صبری سے

انتظار تھا۔ سب رشتے دار ہوئے کہ فرستہ نذر کے  
ہاں میں ایستے ہو چکے تھے۔ ہر طرف ہنسی کا طوفان  
تھا، ہنسنے کو بج رہے تھے، مہاروں طرف خوشیاں  
خوشیاں بکھری پڑی تھیں۔ خاندان کے کچھ مہنگے

لڑکے ہوئے کے باہر پٹائے چھوڑ رہے تھے۔ یوں  
محسوس ہوا تھا جیسے کہیں سے خوشیوں کا طوفان  
رقص کرتا ہوا آیا ہو۔ سبھی کو بے صبری سے لڑکے

والوں کی آمد کا انتظار تھا کیونکہ سز مجید کی  
طبیعت سے بخوبی واقف تھے۔

صالحہ مجید بار بار سے تیار ہو کر آتی تھی۔ آج تو  
اس کی بچ و بچہ کی زناں ہی چہرے پہ ہلکا ہلکا کسم، شرم  
و حیا کی لالی، آج صالحہ مجید حسن کا شایا بکار مجسمہ گھر  
رہی تھی۔ اس کا حسن کی کوئی ہوش و خد سے بیگانہ

کر سکتا تھا، کئی نامیں رنگ سے صالحہ مجید کو بکھری  
تھیں کیونکہ سز مجید ان کے بیٹوں کو بھی معمولی سی  
وجہ جا کر کھڑا چلی ہیں۔ سز مجید نے صالحہ کی فوراً  
نظر اتاری کیونکہ میک اپ کرنے سے صالحہ کا حسن

بے اور کبھی کہیں لڑکے کا رنگ کالا ہے، کبھی کہیں  
بھئی بہن بچ بھول لڑکے کے چہرے پر ہونے لگتی ہیں  
نہیں رہیں۔ کبھی کہیں ارے بہن یہ داؤزی والا ہی

رو گیا کیا اب میری معصوم بچی کے لیے؟ تاہم یہ  
مولوی تاپ لوگ بڑے سنگ نظر ہوتے ہیں۔ کبھی  
کہیں لڑکے کا رنگ بہت سفید ہے اسے لگتا ہے

جیسے بچہ شہر ہو، کبھی کوئی ملاوٹ کا نقص تو بھی کوئی  
نقص۔ نہجائے انہیں صالحہ کے حسن پر غور دیکھو تھا،  
حالانکہ اگر لوگ غور کا اصلی مطلب دیکھیں تو بھی  
غور کے پاس نہ چھٹیں۔ غور عربی زبان کا لفظ ہے

جس کے معنی ہیں دھوک، مطلب کہ آج تم جس چیز  
پر غور ہو کر دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہو  
پھر سراسر دھوک ہے، غریب ہے اور یہ دھوکہ آپ  
کسی اور کو کھنسا دینا ہی ذات کو دینے ہیں اور پھر

ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب آپ بچتاتے ہیں  
کا۔ صالحہ کی ماں ایک لمحے کے لیے ہی سوچ  
لیئیں کہ وہ کون ہوئی ہیں اللہ کی تخلیق میں نقص  
نکالے والی؟ کیا وہ کسی انسان کا تک آٹھ کان یا

چہرہ بنائے کا اختیار رکھتی ہیں؟ انہیں سمجھیں! پھر یہ  
ذات کا حسن کا مال دار غور کیسا؟ یہ بچہ جڑیں  
تو دھوکہ دے کر کبھی بھی وقت ہم سے دور جانے والی

ہیں کتنی تھی۔ جب بات ہے کہ اگر لوگ غور کر گھبرا کر  
ہی سمجھتے ہیں۔

صالحہ کی ماں کو بھی انتظار کرتے کرتے ہلا خر  
ایک رشتہ پسند آئی گیا جس میں وہ نقص نکالنے میں  
نا کام ہیں۔ رشتہ کرانے والی ماں نے باقاعدہ مگر  
جا کر درگت مٹھانے کے کو اہل ادا کیے کہ صالحہ کی

ماں کو آخروں کی رشتہ تو پسند آیا۔ عبدالودود ماں لڑکے  
کا رشتہ صالحہ کی والدہ کو پسند آیا تھا۔ سو فراسے بیشتر  
لڑکے والوں کو پسند یہی کی سند دینے ہوئے دعوت  
تاہم پچھلا دیا تھا۔ عبدالودود کے والدین بھی جب

آہستہ آہستہ وہی اس کی عادی ہو گئی اور وہ  
اس کی غلاوٹ لٹ سے فریڈ لٹ میں آ گیا اور  
یوں ان کے درمیان باتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ

شروع ہو گیا۔ دنیا کا وہ کون سا مومن ہوگا جس پر  
دونوں سے شاپسند انداز میں گفتگو نہ کی ہو اور پکی  
رشتہ رفتہ اس لڑکے سے بات کرنا اس کی عادت بن

گیا۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ دوسروں سے  
بہت جلد مانوس ہوتا ہے۔ خصوصاً انجان لوگ دیکھی  
کا محور بن جاتے ہیں اسی طرح وہ بھی اس سے

مانوس ہو گئی تھی۔ اس میں کچھ لینے بھی اسی اور اسی  
لیے ممکن کوشش کرتی کہ زیادہ سے زیادہ آن لائن  
رہے تاکہ اس سے بات چیت کرتی رہے، وہ اپنی

نئی نئی تصاویر پوسٹ کر کے اس کے منہ میں انتظار  
کرتی تھی کیونکہ اب وہ دراصل اس کی ایک عادت  
بن چکا تھا اور کچھ دامن ایسی ہوتی ہیں جن کا نشہ  
انسان کے دماغ کو بے بس کر دیتا ہے اور انسان

اسے چھوڑنا چاہے بھی تو نہیں چھوڑ پاتا، ایک ایسا ہی  
نشہ ہے۔ ہوش کرنا تھا وہ ہوش و دھواں کی دنیا سے  
قدم نکال چکی تھی مگر وہ اپنی حالت سے بے خبر تھی اور

بے خبری کی مار بہت بڑی ہوئی ہے۔

صالحہ مجید کی بڑھاپا جیسے ہی ختم ہوئی اس کی  
والدہ کو اس کی شادی کی فکر ستانے لگی۔ بہت سے  
رشتے آتے تھے لیکن انہیں وہ چاہے تھا جو ان کی

بچی کو بچوں کی طرح رکھ سکے۔ صالحہ کے شعلہ خیز  
حسن کی طرح اس کی والدہ کی شراکت بھی بڑی تھی۔  
رشتے والی ماں اب تک نہ مٹنے دکھا چکی تھی مگر

صالحہ مجید کی ماں کو کبھی کوئی پسند نہ آیا تھا۔ ہر کسی میں  
خامی نکال کر اٹھا کر دیتیں اور خامی بھی ایسی نکالیں  
کہ بندہ سر پکا کر بیٹھ جاتا۔ کبھی کہیں لڑکے کا نشہ  
تھاری لڑکی کے ہمارے کہ لڑکا تو راز نہ دیا اچھا گلستا

مزید دو آئینہ ہو گیا تھا۔ جیسی شور بلند ہوا لڑکے والے آگے۔ سب لڑکے دالوں کا استقبال کرنے کے لیے آگے بڑھے تھے۔

سز مجید نے اپنی لاڈلی بیٹی کے متوقع سرسرا دالوں کا اسی قدر شاندار طریقے سے دالوں کا استقبال کیا تھا کہ اس کی داستان لوگوں کے دلوں میں ایک لمبے عرصے تک یادگار رہی تھی۔ سب خوش تھے۔ لڑکے والے آج کی جانب بڑھ رہے تھے، سب آگے عبدالودود اپنے والدین کے ساتھ آج کی طرف بڑھ رہا تھا، چاک اس کی نظر آگئی اور آج پانچ بیٹھی سالہ پر پڑی۔ یہ دو بھائیوں کا کھیل تھا۔ وہ پیچھے کی طرف لڑکا اور بغیر کسی سے کچھ کہے سیدھا مال سے باہر نکلا۔ لڑکے کے والدین اس کی حرکت پر شرمندہ تھے جس کی نے یہ صورت حال دیکھی وہ حیران تھا، ابھی جب سے عبدالودود کے والدین کی جانب دیکھ رہے تھے جن کے ماتھے پر سینے چھوٹ رہے تھے لیکن ایسا کرنے کے پیچھے کیا وجہ؟ وہ لڑکا تھے۔ عبدالودود کے والد اسے مشکل فون کر رہے تھے۔ تھک ہار کر عبدالودود نے فون کال کیا کہ اس اور صالحہ مجید سے رشتہ جوڑنے سے صاف انکار کر دیا۔ صالحہ مجید کا حسن عبدالودود پر اثر انداز نہیں ہو سکا، جس کی نے بھی سنا انگلیاں بندھیں داب لیں۔ عبدالودود کے والدین نے یہ حد شرمندہ تھے لیکن کیا کر سکتے تھے ان کا بیٹا کھنگلی کرنے سے انکار کر رہا تھا۔ نیانے کا کیا جیسی بھلی؟ خود خاندان میں چھ گھوٹاں ہو رہی تھیں، ہر زبان پر کوئی تو کھاسی تیر تھا۔ کوئی زہر اگل رہا تھا تو کوئی دل کے بلے پیچھولے پھوڑ رہا تھا مگر پوری محفل میں صالحہ مجید کا ذکر تھا۔ سب اپنے اپنے مفروضے پر ابل رہے تھے۔ جب عبدالودود کے والد سز مجید کے قریب آئے اور بولے

”ہمارا بیٹا آپ کی بیٹی صالحہ کو جانتا ہے وہ کہتا ہے وہ مگر ہمارے والی لڑکی نہیں ہے جلدی ہر وقت نہیں یک پر آن لائن رہتی ہو مجھے ایسی لڑکی سے شادی نہیں کرنی۔“ یہ کہتے ہوئے وہ معذرت کرتے ہوئے ہال سے خاندان سمیت نکل گئے۔

سز مجید ہکا بکا تھا لیکن۔ کچھ کہہ بھی نہ سکیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ان کی بیٹی کتنے مضبوط کردار کی مالک ہے لیکن وہ صفائی کیسے دیتیں، مننے والے کے پاس ساعت نہ تھی اور بولنے والے کے پاس قوت گویائی نہ تھی۔ لیکن ایسے کو تیسرا تو قدرت کا اصول ہے۔ سز مجید نے جس حسن کے فرد میں اتنے اتنے اچھے رشتے معمولی وجہ بنا کر ٹھکرائے تھے وہاں سے کتنے لوگوں کے دل دکھائے تھے جس کی بنا پر آج انہیں بھرے گھر میں یہ دن دیکھنا پڑا تھا۔

سز مجید پر غم کا شدید دورہ پڑا تھا۔ قوت گویائی جن چکی تھی انہیں لگا وہ خود ہی اپنی بیٹی کی بھرم ہیں یا اپنی ہی لگا ہوں میں انسان کیسے کرتا ہے یہ وہ آج بھی نہیں۔ دوسری طرف صالحہ اس سائے پر گم تھی کسی عجیب بات ہے نا یہ وہی شائستہ لڑکے کا مالک لڑکا تھا جو تین سال سے اسے فالو کرتے ہوئے اس کی فریڈ لکس تک پہنچا تھا نے اسے اپنی عادت بنالیا تھا جس کا نشان اس کے سر چڑھ کر چلا تھا، منہ سے اپنا کچھ نہیں کہتی۔ لیکن قدرت نے آج اس کا اصل چہرہ دکھایا بھی تو کس موقع پر؟ ذلت اور رسوائی۔ لیکن جو بھی تھا اب اسے اس کو ٹھنکنا تھا اور حالات کا سامنا کرنا تھا یہ لازمی نہیں کہ خوشیاں حاصل کرنے کے لیے حسن کو ہتھیار بنایا جائے حسن سے زیادہ قسمت سے خوشیاں تقدیر ہی ملی ہیں۔

اور پھر اس دن صالحہ مجید نے جانے کس طرح اپنی والدہ اور درشتے داروں کو سنبھالا تو وہیں وہی جانتی تھی یا اس کا رب جانتا تھا مگر جو اس کے

## باپ کا احترام

☆..... باپ کا احترام کرنا کتنا ہی اہم اور تہجدار احترام امر ہے..... باپ کی عزت کرنا کہ اس سے نفیس پاس ہو..... باپ کا حکم ماننا کہ خوش حال ہو سکو..... باپ کی حاجتیں غور سے سنونا کہ دوسروں کی باتیں نہ سنی پڑیں..... باپ کے سامنے اونچا نہ بولاور نہ چٹا کر دیا جائے گا۔

سید انیس جعفری کراچی

والدین کی بے عزتی ہوئی بھی اس کا سبب اس کی ذات تھی، اسے اس بات کا مدد سے زیادہ تھا۔ جس ہال میں کچھ دیکھ کر خوشیاں کا طوفان قفس کر رہا تھا اسی وقت وہاں غلوں کی برسات بھی ذلت اور رسوائی کا رگڑ چارہ تھا۔

ہال سے گھر کا صلا انہوں نے کیسے کیسے کیا یہ وہی جانتے تھے۔ گھر آکر سب سے پہلے عبدالودود کو بلا کر کیا تھا اور پانچیں ایک اکاؤنٹ ڈی اکاؤنٹ کر کے کس ایک ان انفال کی گئی۔ وہ اس دوغلی دنیا سے نکل گئی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ دوبارہ کبھی پلٹ کر واپس آ سکے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کبھی نہ پلٹ سکے لیکن یہ بات غلطی ہے کہ آئندہ صالحہ مجید اور سز مجید کی بھی پرانی غلطی نہیں ہو پرائیں گی۔

”اور ایلوں میں وسعت کے لیے بھائی کی بھی نہیں یک لیکن ہم اس سے کام لیتے

اس قدر کام لیتے ہیں کہ وہ شرمندہ ہونے لگی ہے ہم چھپیں گئے آن لائن رہتے ہیں پہلو میں بیٹھے گھر والوں سے بے خبر رہتے ہیں رشتے داروں پر نظر رکھتے ہیں حقوق العباد اب صرف قفس یک پر نظر آتے ہیں ہم مولوی بنے بھرتے ہیں ہم عطا کر رہے ہیں ہم صرف اپنے ہی نظریات کی ذریعہ دیتے ہیں

دل کے رنگ

سچی خوشی روپیہ اور پیسہ نہیں بلکہ عزت اور مان ہے جو شوہر بیوی کو دیتا ہے..... یہ بات سہا کو جلد سمجھ آ گئی تھی.... دکھا دے سے مرعوب لڑکیوں کے لیے سبق آموز تحریر

”خدا کے لیے سہا اٹھ جاؤ! میری کلاں نکل جائے گی۔“ کشف شیعہ کے سامنے کھڑی تیار ہو کر رہا تھی۔ زبان کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ بھی چہرے پر بہا تھے۔ تیزی سے کام کر رہے تھے۔ کوئی جواب نہ پا کر اس نے لوشن کی بوتل کھینچ کر ماری تو سٹکل بیڑ پر لیٹے، سر تک خائف تانے وجود میں پیش ہوئی۔

”یارسہ دوسری سے جاؤں گی آج!“ خائف کے اندر سے یہ نیند میں دوڑے اور آواز آئی۔

”یہ بات رات میں نہیں جانتا تھی؟ میں پندرہ منٹ سے بھی تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔“ ٹھک کر کہا اور اس وقت میں وہ دیکھ نیکل پر مڑا کاہل اٹھا اور دوسرے کس کے لگے لگتی۔ یہ دیکھ نیکل بھی بس براے نام تھی۔ گول شیعہ کے پچھلوں کے پتلے کھینچ کر کھینچی، کس کے دیکھ نیکل کے خاصوں کو پھرا کر کھینچی، کیونکہ ہاٹل میں دستیاب تھا۔

سہا نے خائف سے اپنا سپرہ نکال کر بڑی



162 دوشنبه



دستگیری نہ ہونے کی وجہ سے داخل میں وقت ہے وقت اس طرح کی آسائش ملنا کس نہ تھا۔  
 ”آج چٹ گروپ کی دوبارہ جانچ کر کے اس میں چٹی ہوئی تھی۔“ کرن نے ڈرامائی غروت بھاگتے ہوئے تازہ ترین سنائی۔  
 ”کیوں؟ آج کسی کی شامت آگئی؟“ ہانی نے  
 گرم پانی کیوں میں اڑا دیا اور گرین کا ایک کیک اس میں ڈالا۔

”یاد رکھی لطف کا ٹاپ کا لڑکا آواز میں کس رہا تھا کینٹین میں لڑکی پر، جٹ گروپ بھی وہ تھا۔“ اتو بس تھا اور وہ جیٹوں جٹ کے ہماری بھر کم ہے۔  
 ”کوئی نالا لڑکا تھا کیا کر جٹ گروپ کے سامنے ایسی حرکت کی؟“ کشف نے افسوس کیا۔  
 ”یہ تو نہیں پتہ! مگر وہ لڑکا اب ہسپتال سے ایک ہفتے سے پہلے ڈسچارج نہیں ہو سکتا۔“  
 ”ارے! اسپتال میں آئی اب تک؟ میں نے اس کا کپ بھی دیا۔“ اٹی کرے اس سب کے درمیان دیکھتے ہوئے بولی۔

”میں دیکھ کر آئی ہوں۔“ کشف جیل پر میں اڑتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔  
 کمرے کا دروازہ کھول کر اس کی پہلی نظر سامنے بند پر بند خالی تھا اس نے گردن کھما کر دوسرے بند پر نظر ڈالی تو سہا ہالوں کا ڈھیلا جڑا بنائے زور دھک کا سو منہ پہنچے، موبائل پر ویڈیو چیت میں مصروف تھی۔ کشف بناوٹ بھئی جاتی تھی کہ دوسری طرف کال پر کون ہے۔ وہ سہا کو بلاتا ہے کا تھا، وہ دروازے سے نکلتی تھی۔

”بڑا! ہے صحت کا خیال رکھا کر۔“ کیسے ڈھانچہ فنی جاری ہے۔“ پیٹنگر سے ابھرتی ہوئی ہے جی کی ضعیف آواز خاموش کمرے میں کوئی۔ سہا کی ماں کے گرد جانے کے بعد اس کے لبا دہی چلے گئے وار

اپنے گمے کہ کبھی پلٹ کر نہ آئے۔ نہ آنے کی وجہ پہلی بڑی کے گزر جانے کا گم نہیں تھا بلکہ ان کی دوسری بڑی اور بچے جن کے ساتھ کہ وہ دہائی میں ایک خوش و خرم زندگی گزار رہے تھے۔ بے جی نے ہی سہا کو بال پس کر دیا تھا، اگر ان کی جان ہر وقت اس میں اگلی رہتی تھی تو سہا کے لیے بھی وہ متراغ کل تھیں۔

”آپ کی اس ڈھانچہ کو لوگ کٹے نہیں۔“ وہ بٹی۔  
 ”فدے کر لوگوں! کچھ بھی بول دیتے ہیں، بس اپنی غذا کا خیال رکھا کر۔ یہاں ہوئی تو میں اپنے ہاتھوں سے کھاتی تھی۔“ پیٹنگر نے کبھی دوسرے شہر جا کر پڑھنے کی۔ یہیں فیصل آباد سے لی آئے کر یا تھا تو آگے بھی اور ہی پڑھتی، میری نظروں کے سامنے تو رہتی۔“ ان کے لہجے سے اداسی جھٹک رہی تھی۔ بے جی کو تکلیف دے کر خوش تو سہا بھی نہیں تھی مگر وہ فیصل آباد میں رہ کر سنی تاتی جی اور کرن کے مزید ملنے سن کر وہ ڈپریشن کا شکار تو ہو گئی تھی مگر بڑا حالی نہیں کر سکتی تھی۔

”اٹی کشف سے تو نہیں آتی ہے جی۔“ وہ آپ بھی جانتی ہیں۔“  
 ”یہ سارے تو جھٹے ہیں۔ تو ان لوگوں کی باتوں کو دل پر کیوں لیتی ہے؟ جہاں اسنے سال گزار لیے تھے وہاں کبھی وقت اور برداشت نہ کی۔“  
 ”برداشت ہی تو ختم ہو گئی تھی۔“  
 ”میں بھی ناچہ تیرے ساتھ، کبھی وقت کی بات تھی پھر میں اگلی جگہ تیری شادی کر دیتی۔“

اور آپ جانتی ہیں کہ ان کو کون کے پیسے پر میری شادی کر دیں تاکہ ان کے احسانوں کی تعداد زیادہ ہو جائے مجھ پر اور غصوں کی اس سے زیادہ؟“  
 ”تو نے اپنی بے جی کو کھنکھاندا سمجھ لیا ہے کیا

میں سے جو جین کیا ہوا ہے وہ تو اسی ہے سب۔“  
 ”نہیں ہے جی! یہ غلط ہے۔ آپ کی بچڑوں پر صرف مجھ اکیلے کا کتا نہیں ہے، آپ کی اولادیں اور دوسرے پوتے پوتیاں کا بھی حق ہے۔“  
 ”چار بھائی تھے پھر کراچی ہے جی کو بچھ غلط نہ بتا! میری بچڑ ہے، جسے دل چاہے دوں۔“ ان کے تنگم بھڑے لہجے میں محبت کی آواز تھی۔  
 ”اچھا ٹھیک ہے۔ میں آپ سے بحث نہیں کر سکتی۔“ وہ جی بٹی نہیں۔

مزید اور اصرار کی باتیں کر اس نے کال بند کر دی۔  
 ☆.....☆  
 ”میں لوٹ لینے جا رہی ہوں؟ تم دونوں میں سے کوئی چل رہا ہے؟“ کشف سامنے کھڑی تھی پھر رہی تھی۔ سر حیدر کی کلاس ہو چکی تھی۔ کلاس میں آکا دکا اسٹونٹ ہی بیٹھے تھے۔  
 ”ارے ہاں میں تو بھول ہی گئی نوٹس کا۔“  
 شرمین نے موبائل پر سے نظریں ہٹا کر کہا میں ساتھ چلتی ہوں،“ میرے پاس پچھلے بھی نہیں ہیں۔“  
 کشف نے سوالیہ نظروں سے سہا کو دیکھا۔  
 ”سری کہت ہے ہاں شرمین نہیں ٹھیک ہوں۔“ وہ سستی سے بولی۔

وہ دونوں باہر چلی گئی۔ سہا لیچر کال کر اگلی کلاس کے لیے پڑھنے کی جب پیچھے سے ٹھٹکی آواز آئی۔  
 اس نے پلٹ دیکھا تو لٹھ (tinted) گلاس کے دروازے کے پاس عاصم چوڑے منہ کر کھڑا تھا اور دروازے کے باہر دو کچھ رہا تھا جہاں کے اس کے دوست تھے۔ سہا نے ایک کرکے دیکھا تو ان لوگوں کے ہاتھ میں دروازے کی چابی تھی۔ وہ کڑھ کھا کر سیٹ

سے اٹھ گئی، عاصم کو سب کے سامنے ہاتھیں ستائے ہوئے زیادہ نوٹس نہیں بیٹے تھے۔ خطرے کی گھنٹی آنے لگی۔  
 ”ارے تم بھی یہاں ہو، مجھے نہیں پتہ تھا۔“  
 عاصم نے پلٹ کر محبت سے اسے سے دیکھا۔  
 ”سب پتہ تھا، ہونہ! ادا کار کی اولاد۔“  
 پلان ہے اس کا سارا۔“ ہاں! مگر یہ دروازہ کیوں بند کر دیا؟“ وہ جی بھرا ہوا پتہ پتہ پتہ بولی۔  
 ”ان بد تمیزوں نے مذاق میں بند کر دیا۔ مجھے واقعی نہیں پتہ تھا کہ تم بھی یہاں ہو۔“

سہا نے کھنکھانے لگا اور انداز میں سر ہلایا اور موبائل اٹھا کر اس کی کلاس کرنے لگی۔ عاصم کہاں کہاں کر، راستہ بنا کر اس کی جانب آ رہا تھا اس کا دھواں سچ ٹاپ کر سہا کی طرف نہیں گیا۔  
 ”جلدی کلاس میں آؤ۔ عاصم نے کلاس کا دروازہ لاک کر دیا ہے اس کے کلاؤں سے ٹھٹکی نہیں لگے۔“ اس نے جلدی جلدی سچ ٹاپ کر کے شرمین کو بھجا۔  
 اسے پتہ تھا کہ کشف شاید، کیسے جٹ شرمین اپنے مگتیر کی وجہ سے موبائل ہاتھ میں لیے پھرتی ہے، اس لیے وہ ضرور دیکھ لے گی۔  
 عاصم اس سے دھت دروازہ۔ سہا کا دل اچھل کر طعن میں آ گیا۔

”عاصم میں جانتی ہوں کہ تم ایک بہت اچھے انسان ہو، میں نے اس دن جو بھی کہا تھا دل سے نہیں کہا تھا۔“ (کہاں وہ جی دوںوں)  
 ”تو؟“ وہ اس کے بالکل قریب آ گیا تھا۔ سہا دو قدم پیچھے ہٹ گئی، اس سے زیادہ پیچھے وہ نہیں ہٹ سکتی تھی کیونکہ اس کے پیچھے دیوار تھی۔  
 ”تو تم انتقام میں کون کی جانتی تھی کہ تم نہیں اٹھاؤ گے، ہاں؟“ خوف سے اس کی کھنکھاندا بندھ رہی تھی۔  
 ”ارے نہیں اتم مجھے غلط بھڑھو رہی ہو۔ میں تو اس

روشن دان سے باہر نکلنے کا سوچ رہا تھا۔ اس نے  
میں سہا کے اوپر سے روشن دان کی طرف اشارہ کیا  
”یہ کہنے اب دروازہ نہیں کھولیں گے اور  
میرے پاس سوا کچھ نہیں ہے۔“

سہا کی سانس بحال ہوئی۔  
”میرے پاس ہے۔“ اس نے اپنا سوا کچھ آگے  
گھمایا، عام سے ہاتھ بڑھایا مگر اسی وقت دروازہ پر  
زوردار انداز میں ہاتھ مارا کیا اور اس کے دونوں ہتھ  
کھل گئے۔

جنت گروپ کے دو بندے اندر گھسے اور عام کو  
سہا کے اتنے قریب دیکھ کر آؤ کھینچا تے عام پر ہل  
پڑے۔ شرین اور کشف نے سہا کے پیچھے کھینچ کر اپنے  
قریب کیا۔  
”کیا ہم وقت پر پہنچ گئے؟“ دونوں مگر مندی  
سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”کیا ہو گیا ہے؟ چھوڑو مجھے۔“ عام چلایا۔  
اس ساری صورت حال پر سہا ہلکا سا  
”ہاں مگر انہیں روکو۔ مجھے غلط فہمی ہو گئی تھی۔“  
”کیا؟“ دونوں دلی آواز میں چلائیں۔

جنت گروپ کے گھونے اور عام کی چیخ و پکار  
جاری تھی۔

”دیکھو یہ جنت میں ان کے دامخ کا بھروسہ  
نہیں ہے ایسا ہو کہ حقیقت بتائے یہ یہ ہماری بھی  
ٹھکانی کر دیں۔“ کشف نے تھکے خدشات سے آکاہ  
کیا۔

”کیا آپ ٹھیک ہیں؟“ جنت گروپ کے عمران  
نے ہاتھ روک کر سہا سے پوچھا۔

”جی ہاں۔ بس آپ ذرا ہاتھ ہولار کیجئے گا۔“  
شرین نے پلٹ کر کہا اور تینوں وہاں سے ٹھسک  
لیں۔

”رکو! کہا جا رہی ہے تم؟“ عام انہیں جاتا

دیکھ کر چلایا۔

مگر وہ گونجی بھری بن کر بھاگ گئیں۔

☆.....☆

ہاسٹل کے کمرے میں وہ تینوں پیٹ پکڑ کر بیٹھ  
رہیں تھیں۔

”تم جنت گروپ کو وہاں تک لائی کیسے؟“  
سہا نے ہنسی کی شدت سے آنے والے آنسو کو صاف  
کرتے ہوئے پوچھا۔

”پچھلے انہوں نے تو ہماری سی سی نہیں۔ مگر ہم  
نے انہیں ان کے اپنے ہی بھاری کے لا زوال قصبے  
سنا کر جوش دلایا، انکی کھیرت کو بنگایا۔ بس پھر ہم آگے  
آگے اور جنت گروپ ہمارے پیچھے پیچھے۔“ کشف  
ہنسی میں سے ہرک ہار کر بولی۔

”جنت گروپ کے لیے برا لگ رہا ہے۔ ہم اسے  
کیا وضاحت دیں گے؟“ سہا کو کوشش ہوئی۔

”اگر ہمارے بتانے پر عام کے دوست فوراً  
پہنچ بھی گئے ہوں تو بھی عام کا اتنا زور حال تو ہو چکا  
ہوگا کہ اسے بدلے سے اترنے میں دو ہفتے ہی لگیں۔  
اس لیے جب تک تم بے فکر رہو۔“ شرین نے اسکی  
فکر ہوا میں آڑا دی۔

☆.....☆

اگلے دن ہفتہ ہونے کے باعث پونی کی چٹنی  
تھی۔ سہا دوسرے خیر پوری کر کے بھی گئی کیونکہ اس  
ہفتے کمرے کی صفائی کی باری کشف کی تھی۔ ان  
دونوں کا دور پھر تک کچھ پڑے لینے کے سلسلے میں صدر  
جانے کا ارادہ تھا۔ تاہم سے فارغ ہو کر وہ تیار  
ہوئے کھڑی ہوئی تو کشف اس سے پہلے ہی تیار  
کھڑی تھی، سبز رنگ کے سوٹ میں لٹکے میک اپ  
کے ساتھ ہائی پونی ہائے وہ بہت فریض اور بڑے اعتماد  
لگ رہی تھی۔ سہا اسے دیکھ کر سکرانی۔

”تمہیں وہ لڑکی یاد ہے جو فرسٹ سسٹر میں

”ہیں لی تم؟“ سہا الماری سے اپنا پسندیدہ بلیک  
ڈریس نکال رہی تھی۔

”کون؟“

”وہی جو جنت کے برابر چادر لیٹ کر آتی تھی،  
تیل کے بال والی، میر پور خاص کی بلوے کے  
ٹرک میں اپنا سامان لیے پریشان سی بیٹھی تھی کیونکہ  
اسے اپنا کمرہ نہیں مل رہا تھا اور کسی سے پوچھنے کی اس  
میں ہمت نہیں تھی۔“

اس کی بات پر کشف کا بے ساختہ ہنسنے لگا۔  
”مجھے وہ لڑکی ایک سینے کے بعد نرسنگ کی میں  
جبران ہوں کہ وہ کہاں گئی۔“ سہا مسکراتے ہوئے  
ہاسٹل کی یاد پر سے گرد جھار رہی تھی۔

”جنت کے ساتھ سب بدل جاتے ہیں، میں  
بھی بدل گئی، پچھلے وہ میر پور خاص کی دو لڑکی  
تو نہیں رہ سکتی تھی نا۔“ کشف کے انداز میں تنقید کی  
تھی۔

”جنت چنچ اچھا ہوتا ہے۔“

مگر کیا تک ایک خواہش ہے میری۔“  
”کیا؟“

”شادی تو میں اسی سے کروں گی جو مجھے تیل  
میں چڑے ہالوں میں دیکھ کر پسند کرے۔“ وہ ہنسی۔  
”اگر تم انسان کے ساتھ زندگی گزارنا بہت  
مشکل ہے۔“ سہا نے ظاہر بھوری سے کہا۔

جب تک کشف کو اس کی بات سمجھا آئی وہ ہاتھ درم  
میں گھس چکی تھی۔ کشف نے ہاتھ میں پکڑ لی پانی کی  
بوتل کا ہاتھ درم کے دروازے پر ہی مار دی۔

”اوچھ! اندر سے سہا نے سر پڑا اس کا مذاق بنایا  
وہ ہیر پچھتی باہر چلی گئی، مگر جانے سے پہلے وہ  
ہاتھ درم کے آگے پڑی بوتل اٹھا کر کچھ پر کھڑکی۔  
آج کشف کمرے کی صفائی کرنے میں اس کا بہت  
وقت لگا تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ دونوں بہت

پھر چڑھیں اور ان کا سامان بکھرا رہتا تھا بلکہ اس لیے  
کہ کچھ کچھ بڑی ہوئی، بلا تھ سہا کو ماری کی چیزوں  
کی تعداد بہت تھی۔

☆.....☆

وہ دونوں بکٹ لے کر میزرو کے اسٹاپ پر چٹنی  
شرین کا انتظار کر رہی تھی۔ یہ میزرو کا اسٹاپ بالکل  
انگلیش ٹولوں میں دکھائے گئے انڈر گر کاؤڈ ٹرین  
اسٹیشن جیسا ہی تھا، ہلکے آسٹین اور انتظار کرنے کے  
لیے جگہ بہ جگہ۔ بس فرنیچر اتنا تھا کہ یہ آسٹین انڈر  
گر کاؤڈ کے بجائے اوپر چل رہا تھا۔ یہاں جب بھی  
انہوں نے اپنی شاٹنگ شرین کو دکھائی تو اس نے  
بچی کہا کہ وہ لوگ کچھ خرید لائے۔ اس لیے مقامی  
کے ٹاپس اس کی بارود خود بھاتا تو کروا کر کشتی  
شاٹنگ کرانے گی۔ انہیں کھڑے پندرہ منٹ ہو چکے  
تھے اور وہ میزرو بس روک کر جا چکی تھی جب شرین کا  
سیج آیا۔

”تم لوگ صدر پہنچو، میں وہیں بازار میں جوائن  
کروں گی۔“

وہ میزرو کے آنے کا انتظار کرنے لگیں۔ سہا  
کو بے ساختہ جنت کے بچے میں بتائی ہوئی استنبول  
کی کوئل یاد آئی، جس کے آنے کے مخصوص اوقات  
ہوا کرتے تھے۔ اگر کوئل بس ہو جائے دوسری  
سواری کا انتظام کرنا پڑتا تھا مگر سہا نے اپنے پاکستان  
میں ایسا نظام نہیں تھا، میزرو چھوٹ جانے پر دھنٹ  
بعد ہی دوسری میزرو آ جاتی تھی۔

”مجھے یہ والا بہت اچھا لگ رہا ہے اسکارف۔“  
وہ لوگ شرین کے انتظار میں باہر کی جانب بی جایا  
اور اسکارف کی شاٹ میں مگر کی گئی۔

اسی وقت میزرو سٹاک آکر کی ڈرائیونگ سیٹ  
پر بیٹھ بیٹھ کر وہ لوگ پہچان نہیں گئے مگر جب دوسری  
طرف سے شرین اتری تو اس کے لب ”اؤہ“ کے

انداز میں گول ہو گئے۔

”سور میں بہت لپٹ ہو گئی، دراصل فہدا بھی تلی فری ہو رہا تھا۔“

اس کے تانے پر گاڑی لاک کر کے اپنی طرف آتے ہوئے فہدا کا دلوں نے تسلی جاتزہ لیا۔ وہ ویسای تھا جیسے وہاں کے مقامی مرد ہوتے تھے۔ گورا چہرہ، اونچا لبہا۔

”یہ ہے کون؟ اور کیا ہمارے ساتھ بازار میں گھومے گا؟“ یہ سوال تیسس میں جٹا کشف نے کیا۔ ”اے جی تھار کراواتی ہوں۔“

فہدا بہت دکان میں داخل ہو گیا تھا۔ ”یہ فہد ہے میرا چھوٹی زاد۔ اور فہد یہ میری دوست ہیں، شاک۔ اور سہا۔“

خیر محمدی میں مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا۔ ”فہدا کو اپنی بھی شاک کرنی تھی اس لئے یہ ساتھ آ گیا۔“

وہ سب مختلف دکانوں میں گھومتے گئیں۔ اپنی شاک کے لیے آئے والا فہد دیکھنے لڑنے کے بعد بھی انکے ساتھ تھا۔

”موقع پر فہد نے سہا کو کھڑی رنگ کی ایک کھنڈ دکھائی۔ کشف شرتیں سے ضد کے نیک اب کا سالان لینے کے لیے شاک کی دوسری طرف بے لگتی تھی، سہا کو ان سب چیزوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

”تھیں میں یہ بکڑ نہیں پہنتی۔“ اس نے جان چڑائی جاتی۔

”تو کون سے رنگ پسند ہیں آپ کو؟“ وہ فری ہوا۔

”میں اپنی پسند پسند ہر کسی کو تانا ضروری نہیں سمجھتی۔“ مخالف جٹانے والا انداز میں گویا۔

بے جی کا فون آواز دیکر وہاں سے ہٹ گئی۔

”پڑا یہاں اسلم نے ہنگامہ کر دیا ہے۔ وہ اپنے نیکے پتے تیری شادی کرنے کے لیے باضد ہے۔ میں بہت دن سے مال رہی تھی مگر آج وہ مجھے بنا تانے لینے کے لیے فیصل آباد کے لیے نکل گیا ہے۔“

”کی کے اچھی آواز ہو گیا ہے؟ وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں میرے ساتھ؟“

”تو پریشان نہ ہو، میں نے تجھے اطلاع دینے کے لیے فون کیا ہے تو بس ملامت اس سے ورنہ وہ زبردستی لے آئے گا تجھے۔ چاہے لاکھ دھکی دے۔“

”بے جی یہ ممکن نہیں ہے۔ میرے سر پرست کے طور پر ان کا نام لکھا ہے، میں ہاسٹ والوں کو کیا کہہ کر منج کروں گی؟“

”کچھ بھی بہانہ کر لے، میں کچھ بھی کر کے ملنا مت۔ یہاں واپس آئے گا تو میں سنیاں لوں گی۔“

بے جی کے فون بند کرنے کے بعد وہ مزید پریشان ہو گئی۔

”کیا ہوا؟ کوئی مسئلہ ہو گیا ہے؟“ فہد نے پوچھا۔

”نہیں کچھ نہیں اے جی خیر خیر یہ تو چھری تھی۔“ ٹینشن اس کے سر پرانی ہوا ہو گئی تھی کہ وہ بھول گئی تھی کہ تھوڑی دیر پہلے وہ اس انسان سے ہی بے ازار انداز میں بات کر رہی تھی۔

”آپ کا چہرہ آپ کے الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہا۔“

”یہ لوگ کہاں رو گئے۔ دیر ہو گئی ہے بہت شام ہو رہی ہے۔“ وہ آگے بڑھ گئی۔

شاک نے اسکا دل اجاٹ ہو گیا۔ بے جی کے بعد گھر میں اگر کوئی اسے خودا بہت پیار کرتے تھے تو وہ تاجا ہی تھے۔ اس کے دوسرے شرتیں پڑھنے

کے لیے وہ بھی خوش نہیں تھے مگر انہوں نے منع بھی نہیں کیا تھا، جیگر کی ہاسٹ میں بھی وہ پیش پڑے تھے۔ اس سب کے بعد یہ وہ سہا کی کچھ سے باہر تھا۔ اس کے ذہن میں بہت سوال تھے، جواب کوئی نہیں تھا۔

وہ خود کو کہہ دے کہ ان کے ساتھ گھومتی رہی۔ فہدا کشف کے گرد منڈلا رہا تھا۔ کشف اور شرتیں نے بھی سہا کی بے توقیری کا ٹکس لے لیا تھا۔ اس لیے خلاف توقع وہ لوگ پڑی کی مشہور ڈاسٹریٹ کے کچھ کھائے باقی واپس ہاسٹ آگئی۔ راستے میں سے فہد نے اپنے اور شرتیں کے لیے کباب رول لیے اور ان دونوں کے لاکھ کھانے کرنے کے باوجود جیگر ان کے لیے بیک کر دیا ہے۔

”تناؤ اب کیا ہوا ہے؟“ کمرے میں داخل ہوتے ہی کشف شاک بیکر کا ڈیمبر اپنے پیڑ پر پھینک کر سہا کے ساتھ آن پہنچی۔

کچھ نہیں۔ بے جی کی طبیعت خراب ہے۔ شاید جانا پڑے مجھے واپس! اس نے بہانہ بنایا۔ وہ اپنے مسئلے اپنی حد تک رکھنے کی کاکھی تھی۔

”انتظام اللہ! وہ ٹھیک ہو جائے گی۔“ چلو تم یہ رول کھاؤ۔“ وہ پلیٹ میں رول پر سے ہر بھیجے اتارنے لگی۔

☆.....☆

پیر کے دن وہ لوگ کلاس میں بیٹھے تھے۔ بس معاملہ کے چھٹی کرنے کے باعث وہ لوگ بکری تھے۔

”بے جی کی طبیعت کیسی ہے اب؟“ شرتیں موہل پرس میں ڈال کر بولی۔

”بہت بہتر ہے اب۔“ ایک ملامت انکے چہرے پر تھا۔

”دیکھا تم نے کار میں پریشان ہو رہی ہیں، میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”مگر میں تم میں کار لیا اور دوڑا کیور ہونے کے باوجود جیگر میں جب وہ دو برس بدل کر آٹھ بجے یونیورسٹی سے گھر آئی تھی آپ ان کو ان کے

”خود سے سب ٹھیک نہیں ہوتا، عقل اور ہمت سے ٹھیک کرنا پڑتا ہے۔“ اس نے ڈھمکی بات کی۔

کلاس میں شور برپا تھا اور شرتیں بھی ہنس کر مراد کی کوئی بات بتا رہی تھی مگر یہ سب بھی اس کے ذہن کی مسکرتیں پر اس اچھرنے والے منظر کو روک نہیں سکا۔

”بے جی تمہیں بہت یاد پڑتی ہیں، تمہارے یہاں آنے سے بہت اگلی اور اس ہو گئی ہیں۔“

تاجا جی وینک روم میں اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ صبح ہی صبح اسے تاجا کی کچھنی کی اطلاع مل گئی تھی بے جی کے منع کرنے کے بعد بھی وہ ان سے ملنے آگئی۔ کیونکہ وہ پانچ بجے کی کلاس کے منہ چمپا کر بھاگ کر کلاس کا کمر نہیں ہوتا، ہمت سے ان کے سامنے ڈٹ جاتا تھا۔

”آپ سب لوگ ہیں نا ان کے پاس تو کیسے اگلی ہیں وہ۔“

”نہیں! انہیں اٹا ہے۔ ہم سب اماں کے ساتھ ہیں بہت خیال رکھتے ہیں ان کا مگر تم سے زیادہ لگاؤ ہے تو اور کچھ بات ہے جتنا صرف بے جی ہی نہیں سب ہم بھی نہیں بہت یاد کرتے ہیں۔“

ان کی کبت بھرے سب سے سہا کو ملامت کی بو آ رہی تھی۔

”یہ کوئی محبت ہے تاجا جان جو پچھلے ایکس سالوں میں آپ ان کو ان کے دل میں نہیں جا کی اور ایک سال میں بیدار ہو گئی؟“

”جتنا حالات بھی تو ٹھیک نہیں، وہاں تم سامنے کی تو بے لگاری تھی مگر یہاں ہو تو سب کو خیال لگا رہا ہے۔“

”مگر میں تم میں کار لیا اور دوڑا کیور ہونے کے باوجود جیگر میں جب وہ دو برس بدل کر آٹھ بجے یونیورسٹی سے گھر آئی تھی آپ ان کو ان کے

☆.....☆



نیک اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوگی کہیں۔“

”اور وہ مان گئے؟“

”کیسے نہ مانا؟ میرے گھر میں بیٹھا ہے اور میرے ہی علم سے انکار کرے گا۔“

سہا نے گہری سانس خارج کر لی۔

یہ چلی پاؤں پانی نے خوابی تھی اور بے جی کے ام

کردی کی۔ ابھی تک بے جی نے اس وراثت کو تسلیم

نہیں کیا تھا۔ اسی لیے گھر والوں کے لیے بے جی کی

بات کو اہمیت دینا ضروری تھا۔ ورنہ وہ پوری صورت

میں ہی گھر مان کے ہاتھ سے نکل سکتا تھا۔ انہیں دینے

میں ہر وقت اس بات کا دھڑک رہا تھا کہ بے جی

گھر سب کے نام نہ کر دیں۔

”ایک اور چیز بھی تھی۔ تیرے باپ نے تیرے

خواب کے پیچھے ایک لاکھ بیٹے کا کہا ہے۔“

”ایک لاکھ بیٹیں یا چار لاکھ فائدہ۔ مجھے تمہاری

ملیں گے۔“

”نہیں اس بار اس نے یہی شرط رکھی ہے کہ تیرا

بیک اکاؤنٹ کھلوا لیا جائے تو وہ ہیں بیٹے گا۔“

”اس سب کے پاس انتہی ہے گاؤں کا کاروبار

دو گنا۔ پھر کبھی انہیں میرے پاس لاکھ چاہیں؟“

”یہی تو لالچ ہوتا ہے پتر! اب اس انسان کو اندھا

کر دیتی ہے۔ تیری تائی نے ہی اس کو کمزور کیا ہے۔

دو دنوں کی یہی سوچ ہے کہ تو اپنے باپ کے پیچھے اور

اپنی نوکری سے ان کے نکلے چڑ کو پال لے گی، اور اگر

میں نے گھر تیرے نام کیا تو تجھ سے شادی کر دیا کر

گھر ان کے ہاتھ آجائے گا۔“

سہا کے منہ سے کوئی الفاظ نہیں نکل سکے مگر وہ

اپنے آنسو ٹپکنے سے نہیں روک سکی۔

☆.....☆

اس دن وہ بے جی کے ساتھ بازار سے واپس

آئی تھی تھی۔ اس کی ساری چٹیاں بے جی کے

ساتھ بازار اور ریشہ داروں سے ملنے ملانے میں گزار

دی تھی۔

اس کا فون بجنے لگا۔

”میرے پاس ایک زبردست خبر ہے۔ میری

زندگی میں ایک بہت اچھا ہونے والا ہے۔“ کشف

چبک رہی تھی۔

”کیا شادی ہو رہی ہے تمہاری؟“

”ہاں! دو۔“

”یہ ہل اریشہ! سہا کی تیرا دل حد سے سواتھی۔

ہل اریشہ! پکا ہو گیا ہے۔ جلد ہی شادی کی

امید ہے۔“

سہا کا دل کر رہا تھا کہ اگر پہنچ جائے کشف

کے پاس اور اس خوشی کے سوچ کوئی کر مٹائے۔

”نام کیا ہے؟ اور لڑکے کی تصویر دلائیں اپ کر

فورا۔“

”روان نام ہے۔ دیکھی میں رہتے ہیں، کافی

امیر ہیں۔“

”ماشاء اللہ! نام اچھا ہے جیسا ہے۔“

”دیکھئے میں بھی میرا جیسا ہی ہے۔“ کشف

ہنسی۔

”تعمیر دلائیں! پھر کرو۔“

”صحیحیت ہو۔“

”مجھ سے چٹیاں فتح ہوئے گا انتظار نہیں ہو رہا۔“

☆.....☆

یوندر دئی کے شروع ہوتے ہی اسنو ڈنٹ ویک

شروع ہو گیا تھا، سارے اسنو ڈنٹ انتہام سے اس

کو مٹا رہے تھے۔ یوندر دئی کو برقی قوتوں سے بچایا

گیا تھا۔ کلاسز ایک ہفتے کے لیے کینسل ہو گئی تھی۔

یونی میں رات کے آٹھ آٹھ بجے تک بھی من بٹے

گائے لگا کر رو دیتی لگائے رکھتے تھے۔ ہفتے کے آخر

میں ایک گریڈ فکشن تھا، جس میں مختلف خنزور اور

کھانے کا پورا نظام رکھا گیا تھا۔

”کشف بس بھی کر دو، ہم دینے ہی بہت لیٹ

ہو گئے ہیں۔“ سہا تیار کھڑی تھی اور آنکھوں پر اسوکی

آز بنا بیٹھ ہوئی کشف سے بولی۔

وہ دونوں اس گریڈ فکشن میں جانے کے لیے

تیار ہو رہی تھی۔ سہا سہری رنگ کی خوبصورت سفید

موتیروں سے ملبی کھنوں تک آنی شارت شرٹ اور

ٹراؤزر میں لبوس تھی۔ ڈوپٹے کو اس نے کندھے پر

ڈال رکھا تھا۔ بچلے گا ایک میک کے ساتھ وہ سین لگ

دی تھی۔

”بس! ہوئی کیسی گلی رہی ہوں؟“

سہا نے بیک ٹرک کی سی پیٹہ اور گھر سے نیک

اپ کے ساتھ تیار کشف کے کو اوپر سے نیچے تک

دیکھا۔

”اگر تم کا لے رنگ کی بیکی کے بجائے لال

بیکی لیں تو پوری طرح سے کراچ کی لڑکی بن

”بس! دو لہیا کی ہے۔“ کشف نے غصہ دیا۔

سہا نے دوڑ دوڑ سے تیر میں سر ہلایا۔

”اور تمہارا دولہا پہلے سے ہی موجود ہے، اس

لیے بہت لوگوں کے دل توٹنے والے ہیں آج! دو

دونوں نہیں۔“

یونی میں فکشن اسٹارٹ ہو چکا تھا۔ انٹرنش پز

ایک اسنو ڈنٹ شاہی ساجی کا روپ دھارے کھڑا تھا

اور ہر ایک کی آہ پر بلند آواز میں بانگ پر اعلان کر

رہا تھا۔

”باری! کشف اینڈ سوان پرنسز سہا۔“ سہا اور

کشف کے آنے پر اس ساجی نے شاہانہ انداز میں

ان کے نام کے ساتھ تعریفی الفاظ لگائے۔

سہا اور کشف کو اس طرز مخاطب پر ہنسی آتی تھی۔

انٹرنش سے لیکر اپنی کلاس کی نشستوں تک

آئے تک بہت ہی گریڈوں نے مرکز انہیں دیکھا تھا۔

فکشن اپنے عروج پر تھا۔ آج ہر موجود یونی کا

ایک بیڈل کے نام پر عروج پر تھا۔ اور گھر بیٹھے

لوگ بھی کم شوش نہیں کر رہے تھے۔

شرین مراد کے ساتھ آئی تھی اور ان دونوں سے

ملنے کے بعد سے اب تک غائب تھی۔

شوق سے ہونے کے بعد کھانے کا دور چل گیا تھا۔

سب نشستوں سے اٹھ کر گھر رہے تھے۔ سہا اپنی

پلیٹ میں گولا کباب لیے کھانے لگی تھی۔ کشف کے

پاس اب کوئی اور لڑکا لائی اور سے کھڑا تھا۔ سہا کو

کی آواز میں نہیں آ رہی تھی مگر کشف کے لیے نیاز

انداز اور اس کا لڑکے کا فریک انداز اسے گفتگو کا

اعزاز ہو رہا تھا۔

وہ بچی تو پیچھے جٹ گروپ کا عمران کھڑا تھا۔ وہ

سائینڈ سے نکل کر جانے لگی۔

”سہا! سن! ا!“

وہ ٹھہر گئی، اور اس کی جانب دیکھا، وہ مقامی

نہیں تھا مگر وہی صاف تھا اس کا جم، کی بدلتی

مضبوط جسامت کی اس کی۔

”عام سے آپ کو وہ بارہ پریشان تو نہیں کیا۔“

اس نے بات کا آغاز کیا۔

”نہیں! انہیں! آپ کا بہت شکر ہے۔“

”آپ! یہی! اے! کی اسنو ڈنٹ ہیں؟“

”جی! اسٹریٹ سسر ہے میرا۔“

”گھو! میں ٹیل کام کے کاؤنٹنٹ میں ہوتا ہوں۔“

”جی جانتے ہیں سب، جٹ گروپ کا ڈاڑ!۔“

وہ ہنس۔ ”میری! کو قسم کرنے کے لیے چلا تے

ہیں، ہم دو! اڈا! ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹہ کر اور نہ سے

نظام کے لیے دوسروں کو الزام تو دیتا تو آسان ہوتا





میں بات کرتی تھی۔

سب۔

”میں نے جب تصویر نہیں دیکھی تھی، اب مجھے

نہیں پسند وہ ہے جی۔“

”کیوں؟ کیا برائی ہے اس میں؟ انگڑا ہے؟

کانا ہے؟“ بے جی طلال میں آگئیں۔

”جی جی اس کا رنگ۔۔۔“ وہ چپکائی۔ ”وہ

خوبصورت نہیں ہے، قابل قبول ہے بس۔“ اس نے

دو ٹوک بول دیں۔

”تو اس کی صورت کی وجہ سے اعتراض کر رہی

ہے؟ شادی کے لیے صورت نہیں، دل دیکھا جاتا

ہے بس۔“ وہ حیران نہیں تھیں، سہا کی خواہش

جاتی تھی۔

”جی جی دل کا کیا کرنا ہے۔ ساری زندگی تو

صورت دیکھ کر ہی گزارنی ہے۔“ وہ جھلجھلائی۔

”صورت تو اللہ نے بنائی ہے، تو اللہ کی چیز کو بُرا

کہہ رہی ہے؟“

”نہیں بے جی۔“ وہ دھیمی ہو گئی۔

”صورت کا خوبصورت ہونا یا نہ ہونا انسان کے

ہاتھ میں نہیں ہوتا۔ دل کا خوبصورت ہونا انسان کے

اعتقاد میں ہوتا ہے۔ اور اگر تو سمجھ تو اصل خوبصورتی

بائیں کی ہوتی ہے، ظاہر کی نہیں۔“

”کیا تجھے کوئی اور پسند ہے؟“ بے جی کو غیاغندہ

ستایا۔

”سہا کے ذہن میں عمران کی تصویر مجھ سے آگئی

مگر وہ ایک جھٹکے کی بنیاد پر اس کے ارادے کے

بارے میں یقین سے نہ سمجھتی کہہ سکتی تھی۔

”نہیں۔“

”پھر میں مجرورہ دیکھ کر اپنی بے جی۔ یہی کہا تھا

تو نے کہ میں تیرے لیے بہترین پسند کروں گی۔ تو

اپنی ہی بات پر یقین رکھ اور مجھ کی درخواست کا

بددوست کر، مجھ سے، ایک ہفتہ پہلے ہی یہاں آ جانا۔“

☆۔۔۔☆

اگلے مہینے اسکی چٹکی کی خبر کشف کے در پہلے

سب کو لگی تھی، کشف کو کئی بات سے غرض نہیں تھی

وہ تو بس اپنی بیسٹ فرینڈ کی شادی کے لیے کیا تھا۔

”سب نے اسے دل کھول کر مبارکبادی، شرمین

نے بھی سوکھے منہ ”مبارک ہو۔“ کہہ کر جان چڑھا

کی اس نے اسے جاکس رائٹ کے سبکی مبارکباد کو کھول

کیا تھا۔ ایک خاموشی نے اس کے وجود کو لیے حصار

میں لے رکھا تھا۔

”کیا یہ سب اجاگ ہو ہے یا آپ جانتی تھی

اس بارے میں؟“ وہ کشف کے ساتھ کھینچیں

پیشی تھی جب عمران اس کے سر پر کھڑا ہو چڑھا تھا۔ وہ

اتنے غصے میں تھا کہ کشف کی موجودگی کو کوس نہیں

کیا۔

”آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“ کشف نے

بے ساختہ پوچھا۔

”جب ہمارا دل کسی کو مستحق کے ساتھ کے طور

پر چین لے اور ایک اس کی چٹکی کی اطلاع مل

جائے تو پوچھنے کا حق ہوتا ہے۔“ وہ بول کشف سے

رہا تھا مگر ظہیر سہا پرستی تھی۔

”سہا کے دل کو دھکا سگیا۔

”کیا آپ نے اپنے دل کی بات مجھے بتائی

تھی؟“ سہا بولی۔

”میں بتانے والا تھا مگر آپ نے موقع نہیں

دیا۔“

”اب آپ کو موقع ملے گا بھی نہیں۔ میں جس

کے نصیب میں میں اسے لے چکی ہوں۔ میری شادی

میں ضرور آئے گی۔“ سہا نے مضبوط لہجے میں کہا اور

منہ موڑ لیا۔

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا دہاں سے چلا گیا۔ سہا

کی خاموشی ایک جامد چپ میں بدل گئی۔

☆۔۔۔☆

وقت جیسے پڑکا کر اڑنے لگا۔ کشف کی شادی

کی ڈیٹ کس ہو گئی تھی۔ اس کا زیادہ تر وقت رحمان

سے کال پر باتیں کرنے میں گزر رہا تھا۔ سہا سے

شہرام نے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس کی انٹرن شپ

مکمل ہونے کے بعد ہی ختم ہو گئی۔ وہ چھٹاں لے کر فیصل

آباد سے مکمل کی تقریب چیل کر آئی۔ اسے یوں

خصوص ہو رہا تھا کہ اپنی بیس وہ کسی اور کی چٹکی

کرنے لگی تھی۔ فائل پیجز سر پر آگئے تھے۔ پیجز

کے نورالبد کشف کی شادی تھی تو وہ جان چڑھنے

کے انداز میں تیاری کر رہی تھی اس کے برعکس سہا

جان توڑ مدت میں ایک ہی چھوٹا سا رزلٹ آنے کی

صورت پر غصے سے ایک میں جا بھل گئی تھی۔

”پیجز بے خبر و رعایت گزر گئے۔ اب وہ سب

چھڑنے والے تھے۔ سہا کا دل بہت اداس تھا۔ وہ

اس شہر اور اس سے وابستہ لوگوں کو بہت یاد کرنے

والی تھی۔ شرمین نے اس سے معافی مانگ کر اس کا

دل صاف کر دیا تھا۔ کشف جانے سے پہلے شادی کا

کاڈا سے دے کر لگی تھی۔ سہا کو جاب کی آخر آگئی

تھی اس نے فیکل آباد والی برانچ میں کرنے کی

درخواست دے دی تھی۔

”پتھر تجھے جاب کی کیا ضرورت ہے؟“

سہا نے فیصل آباد کی کرٹوش خوشی بے جی کو یہ بات

بتائی کہ بے جی بالکل خوش نہیں ہوئی تھی۔

”بے جی میرا اٹھنا یہ میں اپنے پیروں پر

کھڑی ہونا چاہتی کی اور سب کو اپنی قابلیت ثابت

کرنا چاہتی تھی۔“

”کون سب؟ تیری تائی اور چاچی؟“ وہ کبھی

نہیں مانتے تھے۔ کیا اسے سارے عمر سے مجھے

یہ بات نہیں آئی کہ وہ سارے طعنے اس لیے دیتے

ہیں کہ جلتے تھے۔ تیری ذہانت، صورت،



اور پیر۔، درند تیری پڑھائی اور اچھا رزلٹ کافی تھا بات کرنے کے لیے تو نے جتنا پڑھا ہے، خاندان کی کسی لڑکی نے نہیں پڑھا۔“

”بے بی میری خواہش تھی کہ میں اپنا کماؤں اور کسی پڑو بھی نہوں۔“

”تو ابھی کسی لڑکی پر پڑو نہیں ہے، تیرے باپ نے ہمیشہ تیرا چہ اٹھایا ہے، ان کمپنوں نے جن کی باتوں کو تو دل سے لگا کر بیٹھی ہے۔“

”مگر بے بی۔۔“

”میں کچھ نہیں سن رہی مزید۔ وہ مجھے بعد شادی ہے تیری۔ تو یہ جاہ نہیں کرے گی۔“

”سہا کا دل مزید خراب ہو گیا۔“

☆ ☆ ☆

کشف کی شادی کا نقشہ میر پر ہوا تھا۔ اور ویسے کا کراچی میں۔ سہا کا ارادہ تھا کہ بارات میں چلی جائے گی، مگر کشف نے فون کر کے اصرار کیا کہ وہ دونوں فکشنز میں آئے اور اگر یہ ممکن نہیں ہے تو صرف ویسے میں لازمی آجائے۔ بے بی با دل باخواسہ کراچی جانے کے لیے راضی ہوئی تھی، سہا کی شادی تربیہ کی اور وہ نہیں جانتی تھی کہ سہا کا دل نہ ہو۔ کراچی آکر اس نے ضد تو ساحل سمندر پر بھی جانے کی بھی سکرے جی انجان شہر میں اکیلے کھونٹے پر بکرز راضی نہیں تھی۔

ویسے کا فکشن لڑی میں اراج کیا گیا تھا۔ مہمانوں کے لیے لی ای کے رومز تک کرائے گئے تھے۔ پیر پانی کی طرح بہا گیا تھا۔ ایک ایکے چیز سے لے کر والوں کی امیری کا اندازہ ہو رہا تھا فکشن میں کشف اور وہ جان کی جوڑی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ لہن ہونے کے باوجود بھی کشف کے دانت ای اڈر نہیں ہو رہے تھے۔ سہا سارا وقت اس کے ساتھ آج پر رہی، دہن کی بیسٹ فرینڈ ہونے کی

وجہ سے اسے خاصہ پڑو ٹول ملا تھا۔

”بے بی ماشاء اللہ کشف بہت خوش قسمت ہے۔ اتنا چھاو پر اور اچھا سسرال ملا ہے۔“

”واپسی کے راستے میں اس نے بے بی سے کہا۔ وہ کشف کے سسرال والوں سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں ایک ہی سوچ تھی کہ کیا اس کی شادی بھی اتنی شاندار ہوگی؟ کیا اس کی اور شہر امی جوڑی بھی یوں سجے گی؟ یا ایسے سوال تھے جس کے جواب سہا کو بخوبی معلوم تھے۔ اس کے دل کی دیرانی بڑھ گئی تھی۔“

”مجھے تو خاندانی نہیں لگ رہے تھے۔ پیرہ کم دکھاؤ اور اڑوہ تھا ان لوگوں میں۔“

”پیرہ سے تو خرق تو کریں گے نا دکھاؤ کیا؟“

”خاندانی لوگوں میں عاجزی ہوتی ہے۔ عزت دینے ہیں وہ سب۔ مگر عمر اور تھا ان لوگوں میں بڑے۔ اپنے سے کا بہت ذمہ ہے انہیں اور تو دیکھنا بہت جلد کشف بھی ان کی بھی ہو جائے گی۔“

”کشف بھی نہیں بدل سکتی۔ اس نے یقین سے کہا تھا۔“

☆ ☆ ☆

”اپنے باپ سے بات کر لے۔ بیج سے بہت بار فون کر چکا ہے کل تیری شادی میں آنا چاہتا ہے۔ بے بی اس کے پاس آئی۔ وہ باہوں کی دہن میں ٹیکو مہندی لگاوا رہی تھی۔ پیلا سادہ جوڑا اور پچھلوں کا زیور پہنے وہ سادگی میں بھی غضب لگ رہی تھی۔ مگر اس میں اس کی شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ بے بی نے تاپا اور چاچو سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ سہا کے بیکے کامان وہ کراس لگھری بیٹی کی طرح عزت سے رخصت کریں گے تو وہ یہ گھران لوگوں کے نام لکھ دیں گی۔ انکی تانی اور چاچنی کا رو یہ سہا کے ساتھ بہت اچھا ہو گیا تھا، ساری کزنز رات میں دھونکی کا

مغلل رکھتی تھی اور سہا کو ساتھ کھینچتی تھی جیسے ان سب کی ہمیشہ بہت دوست رہی ہو۔ سہا نے بھی اپنے دل سے ساری پرنس اور کمری کی، وہ اس گھر سے رخصت ہو رہی تھی۔ شبت خیالات کے ساتھ جانا چاہتی تھی۔ مگر یہ سب بھی اس کے اندر کی قسم کی خوشی کو جا کر نہ کر سکا۔

”میں ان سے کبھی بات نہیں کرنا چاہتی۔“

”خند چھوڑو بہتر۔ باپ ہے وہ تیرا۔“

”بہی تو بے بی۔ باپ ہیں وہ میرے۔ پھر بھی مجھے اس وقت اکیلا چھوڑ کر چلے گئے جب مجھے ان کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ ان کے لہجے میں عمر وہاں بول رہی تھی۔“

”وہ صابر کی موت کے بعد بہت حد سے میں تھا اور تیری لگر ہے اسے بھی تو ہمیشہ خرچ پھیچتا رہا۔“

”آپ کے خیال میں پیرہ بہت کا رو بدل ہے کیا؟“

”وہ بہت دھمی لگ رہی تھی۔“

بے بی خاموش رہی فون دوبارہ بجنے لگا۔

”بڑ پرانی باتوں کو بھول جا۔ بات کر لے۔“

اس نے ہنسنے کے لئے اٹھ کر صوفے پر بٹھا لیا۔

”اگر آپ چاہتے ہیں کونسل شادی والے دن میری خوش خراب نہ ہو تو براے سہرا بی آنے کی تکلیف مت کیجیے گا۔ اس نے ہاتھ جوئے فون بند کر دیا۔“

بے بی نے منکھول کر اسے دیکھ رہی تھی۔

”یہ کیا کیا توئے؟“

”بہی جانتی تھی؟ آپ کہ بات کرلوں میں، تو کر لی میں نے۔“

بے بی بڑھاتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی۔ اور دوبارہ نمبر ڈائل کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

وہ اپنے کمرے میں سرخ اور کمرے کے استراخان

کے جوڑے میں دلہن بنی تھی، بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ پرنسٹن کا مہمات سے کیا گیا مگر ایک آپ اس پر بہت بیچ رہا تھا۔ وہ بیسٹ سے لگا میک آپ کرنے کی عادی تھی، اس لیے گھر سے میک آپ میں وہ خود کو پہچان نہیں پاتی تھی، مگر سے میں آنے جاتے واسے پرنس کے ایک ہی سوال کر رہی تھی۔

”میں سچ لگ رہی ہوں؟ میک آپ اور تو نہیں لگ رہی؟“ اور جواب میں سب اسے سلی اسے رہی تھی۔

”وہ کشف کو بہت پسند کر رہی تھی۔ وہ بی سون پر دلزدہ کرنے کے لیے بھی بولی تھی۔“

وہ سر جھکا کر بولی تھی۔ جب بے بی کمرے میں آئی مگر وہ لگتی نہیں تھی۔ ان کے پیچھے کوئی اور غیر عمر محض نہیں تھا۔ یہی نظر میں وہ پہچان نہ سکی مگر وہ بیکنڈ میں اس کی بصارت نے اس انسان کو پہچان لیا تھا۔

”ہوا“ پہلی اس کے چہرے پر حیرت آئی اور پھر غم۔

سہا ابھری بیٹی۔ وہ آگے بڑھے۔ سہا نے منہ موڑ لیا وہ دھم لگے۔

”مجھے صاف کر دو میں اولاد کے سارے حقوق بھول گیا تھا۔ بس اپنا دکھ یاد رہا، اور تمہیں چھوڑ کر چلا گیا۔“ وہ ہاتھ جوئے معافی مانگ رہے تھے۔

سہا کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے مگر اس نے منہ نہیں موڑا۔

”پرنس کر دے۔“ بے بی نے پیچھے سے کہا۔

سہا نے چہرہ موڑ کر انہیں شکوہ کناس نظروں سے دیکھا۔

میں نے اپنی بیٹی کی ایک بہت نہیں کی کہ باپ ہاتھ جوئے لگا رہا اور وہ معاف نہ کرے۔“ بے بی آگے بڑھ کر سہا کا چہرہ دیکھا۔

”آپ پہلے کیوں نہیں آئے؟“ کہہ کر اس نے

ان کے بندھے ہوئے ہاتھ کھولے اور لگے لگ گئی۔  
وہ بچپن کے روز ہی تھا، اعجاز اس کے سر پہ  
بیار کر رہے تھے۔

باہر بات آنے کا شروع کیا۔

”چلو بس! اتھارے اور بیٹھیں ہیں، آرام سے  
بات کر لیتا ہوں۔“ بے نی سے باپ بچی کو انگ کیا۔  
”سہا کو تونے سارا ایک باغ خراب کر لیا۔ رک  
! میں بیٹھوں کو بلاتی ہوں، اور اچھا مذاق دیتا ہوں، باہر  
بات کے استہلال کے لیے۔“

☆ ☆ ☆

شادی کے بعد شہرام نے اسے بہت محبت دی  
تھی۔ اس کی ہر خواہش پوری کرنا اس کا فرض تھا۔  
سہا کو سب کچھ اچھا لگتا تھا۔ اسے یقین تھا شروع  
شادی کا خدا قسم ہوگا تھا تو یہ تیری نیل بھی ختم ہو  
جائے گی۔

شہرام کا چھوٹا سا گھر تھا۔ گھر میں آرام کا زیادہ  
سامان نہیں تھا مگر جو بھی تھا، بہت غائب سے سما  
تھا۔ اس کے سرال میں شہرام سے اسی اور لیا ہی  
تھے۔ ایک بڑے بھائی باہر مارا کھائے اپنی بیوی کے  
ساتھ بیٹھتے تھے۔ کاموں کے لیے ایک بڑی ملازمہ  
آتی تھی۔ سہا کے سر پر زیادہ ذمہ داریاں نہیں  
تھی۔ بے نی بہت خوش نہیں، اسے بیویوں والی بھی  
تھی، اور اسے ہر وقت شہرام کو رکنے کو کہتی تھی۔ سہا  
بھی خوش رہتا تھا جتنی گھر اس کا دل ایک ماحول  
ادا میں گرفتار رہتا تھا۔

وہ اپنی اپنے گھر سے بیٹھنے پر بیٹھی بی بی دی  
دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظریں لی دی پر بھی مگر ذہن  
کھٹک رہی تھی۔ سہا کی کچھڑ میں ایک تھا۔ اسے اس  
بات کا دکھ تھا کہ وہ لوگ بی بی منوں کے لیے پاکستان  
نورک کے لیے نہیں جاسکتے۔  
”سوری! میرے آفس سے چھٹیایں نہ ملنے کے

## غزل

پروفیسر ساجدہ پروین

تنجی الم کی نوک ہے دل میں جیسی ہوئی  
مرے لبوں پہ بھر بھی ہنسی ہے جی ہوئی  
پھر بھی انھیں ملی نہ کہیں منزل مراد  
چہرہ پہ جن کے گرد ستر ہے انی ہوئی

ایسا نہ ہو چمک پڑیں احوال غم کے بند  
رنجِ دالم کے آب سے آنکھیں بھری ہوئی  
پچھلی ہو جس کی روشنی بزمِ شعور میں  
دل میں ہے ایک ایسی ہی شمع جلی ہوئی

کیا پھر سے آنے والی ہے آفت کوئی نئی  
ہے کیوں بھی کے چہرہ کی نکتہ آؤی ہوئی

کیسے کہوں کہ سارے ہی طوفانِ مگدوڑ مجھے  
کیوں ہے حصارِ آب میں نشی گھر ہوئی  
ہے اس کو اپنے آپ پر کیا کیا غرور و ناز  
اپنی ادھر ہے چشمِ مرآت تھی ہوئی

مجہوروں کو اپنی وہ کیسے بیان کرے  
ہو جن لبوں پہ مہرِ خوش لگی ہوئی  
ہم سے وہ ساجدہ نہ ملیں گے خلوص سے  
ہے جن کے دل میں اب بھی کدورت بھری

باعث ہماری منوں کے لیے نہیں جاسکتے۔“ شہرام کی  
بات پر وہ مڑی طرح سے چوکی۔ وہ اپنی سوچوں میں  
اتنی گم تھی کہ اس کی کمرے میں آمد کی خبر ہی نہیں  
ہو سکی۔

”آپ کو کیا ایک اس بات کا خیال کیوں آیا؟“  
اسے پورا محسوس ہوا جیسے شہرام اس کی سوچ باندھا ہو۔

”آپ نے اس بارے میں مجھ سے کچھ نہیں  
کیا اس لیے میں نے سوچا کہ وضاحت کر دوں۔“  
”وضاحت کی ضرورت نہیں، میں سمجھتی ہوں  
آپ کی مجبوری۔“

”آپ اپنا دل نہ انداز کریں۔ انشاء اللہ جلد ہی ہم  
کھولنے جائیں گے۔ آپ جگہ جو آپ کسب سے زیادہ  
پسند ہے۔“ وہ ڈھکی بات کہہ کر چلا گیا۔ سہا بیچھے  
اس کی بات پر سوچتی رہ گئی۔

ختم سے اس کی طبیعت خراب تھی۔ سر میں بے  
اجتہاد کے باعث اس سے کوئی کام نیک سے نہیں  
ہو رہا تھا۔ ای نے ہر ممکن مدد کروائی تھی، مگر  
خجڑوں کے درد اور شوگر کی پیادگی کے باعث ان  
سے کام کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

”ای آپ آرام کریں۔ میں کرلوں گی سب۔  
آپ کے پرنے لگال دیں اسے استری کرنے کے لیے  
، میں کس فارغ ہو کر کروں گی۔“ انوار کا دل کاٹنے  
کی وجہ سے بڑی بڑی ملازمہ بچھی رہ گئی۔

”نہیں جیٹا میں نہیں جلدی تھوڑی طبیعت  
نوک نہیں ہے۔ کیا کیا کیا کر دوں گی۔ پتہ نہیں تھا میرے  
الہ کے دوست کو کیا سوچتی ہے اس عمر میں مانگ رہا ہوتا ہے  
کی میرا تو بالکل دل نہیں ہے جائے گا۔“

”ای! آخر خیال منانے کی کوئی تمکوڑی ہوتی  
ہے۔ اور دوسروں کی خوشی میں شریک ہونا تو مجاہدات  
ہوتی ہے۔ اور میری فکر نہ کریں، ذرا سار رو رہے  
نوک کو جائے گا۔“

”آپ بے فکر ہو کر تیار ہونے جائیں، میں  
آپ کی لاڈلی بیوی کا پورا خیال رکھوں گا۔“ شہرام  
فروٹ باسکٹ سے سیب اٹھتے ہوئے بولا۔ اس کا  
موز خوش گوار لگ رہا تھا۔ اسی کے سر پر چھت لگاتے  
ہوئے چلی گئیں۔ سہا سہرا رہی تھی۔

”آہ! ایک تو خیال کر رہا ہوں، اوپر سے یہ  
سلوک کیا جا رہا ہے میرے ساتھ۔“ وہ ہلکا سا  
اپنی ای کو کٹا کٹ کر کہنے لگا۔ ”آپ کے معصوم ہونے  
کے ساتھ میرا عالم ہوا اور آپ مکر رہی ہیں۔“ وہ  
پلٹ کر سہا سے بولا۔

”بھئی آپ میرے شوہر باہل بھی معصوم نہیں  
ہیں۔ دوسری بات کہی تو نہیں ہوا آپ کے ساتھ۔  
اور دوسری جگہ، میں بے کاٹ دوں۔“ اس نے شہرام  
کے ہاتھ سے سیب لیا۔

”نہیں میں ایسے ہی کھاؤں گا۔“ وہ بڑا سب کا  
بڑا سا باعث لیتے ہوئے بچنے سے نکل گیا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ سرور کی ٹیبلٹ  
کھا کر لیٹ گئی۔ شہرام پاس ہی بیٹھا لیپ ٹاپ پر  
کام کر رہا تھا۔

کالی دیو بعد اس کی آنکھ کھلی تو مغرب کی آواز ان  
میں کچھ وقت ہی رہ گیا۔ شہرام کمرے میں نہیں تھا وہ  
جلدی سے اٹھ کر شوگر کے لگی۔

غماز بڑھ کر جب اس نے دوسرا سلام پھیرا تو  
ساتنے ہی شہرام جا چکے کے دو گ لے لگا رہا تھا۔

”آپ کے سر میں درد تھا تو میں نے سوچا جا چکے  
بتاؤں۔“ اس نے اسے گ چن کیا۔

”ضرورت نہیں اس کی، میں اٹھ کر بیٹھتی۔“  
”ابھی آپ نے میرے ہاتھ کی جانے نہیں لی،  
ورنہ آپ کتنی کدو دوا ضرورت ہے اس اچھی جانے

گی۔“  
”میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ آپ کو پچانے

بنائی آتی ہے۔“ وہ دونوں اپنے کمرے سے ملحقہ  
بہرے پر کھڑے تھے۔  
”مجھے سارے کام آتے ہیں مگر کے۔ بھی امی  
کی طبیعت خراب ہوتی تھی یا انہیں مدد چاہیے ہوتی  
تھی تو میں بل کر کروالیتا تھا ان کے ساتھ۔ بلکہ آج  
رات کا کھانا بھی میں نادوں گا۔ آپ آرام کریں  
بہن۔“  
”ارے نہیں نہیں۔ میری طبیعت ٹھیک ہے۔  
میں کروالوں کی۔“  
”سوچ نہیں لڑائیاں تو خواہش کرتی ہیں کہ ان  
کے پرہیزگار کے لئے کھانا بنائیں۔ آپ کو یہ موقع  
بنائے گا لیکن رہا ہے، صانع ذکر ہیں۔“  
”اچھا ٹھیک ہے۔“ اس نے گرم چائے کلاپ  
لیا۔ ”چائے پیتی ہے؟“  
”شہرام نے فرضی کارکھڑے کیے۔  
”دوبے اگر آپ چاہیں تو ہم باہر زمر پر بھی جا  
سکتے ہیں۔“

”میں باہر کی شیف کے بجائے اپنے گھر کے  
شیف کے ہاتھ کا کھانا زیادہ پسند کروں گی۔“  
”آپ کے گھر کا شیف آپ کو باہر نہیں کرے  
گا۔“ اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہنے کو ہونے کہا۔  
سہبا اس اعلان پر بے اختیار داس پڑی۔

☆.....☆

”سہبا اٹھ جائیں، جرجل جاتے گی۔“  
شہرام روزانہ جرجر اٹھنے کے بعد کمرے کی  
لاٹھ آؤن کر دیتا تھا کہ سہبا اٹھ جائے۔ مگر آج سہبا  
نہیں اٹھی تو وہ اس کے سر پر کھڑا زمری سے اس  
کے بالوں میں انگلیاں پھیر کر اٹھا رہا تھا۔  
”شہرام ایسے بالوں میں انگلیاں چلانے سے  
میرے اٹھنے کے بجائے دایں سو جانے کے چانسز  
زیادہ ہیں۔“ وہ انھیں کھول کر بولی۔

”دل تو میرا بھی نہیں کرنا کہ آپ کی نیند خراب  
کروں، مگر نیند زخمی تو ضرور ہے۔“  
شہرام کے لیے سہبا کا آرام اور خوشی اہم تھی اس  
کا اعزاز وہ سہبا کو ہونے لگا تھا۔  
سہبا کچن میں اس اور ابا کے لیے صبح کی چائے بنا  
رہی تھی جب شہرام کچن سے واپس آیا۔  
”سہبا! اس نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔  
سہبانے پلٹ کر دیکھا تو اس کے ہاتھ میں ایک  
باسکٹ تھی۔ وہ نیچے جھکا اور باسکٹ کا ڈھکنا کھول کر  
کوئی چیز باہر نکالی۔ سہبانے آگے بڑھ کر دیکھ تو وہ  
ایک سفید رنگ کا پڑھن کی کپڑا تھا۔ سہبانے خوشی  
سے ایک چٹخاری۔  
”یہی بڑھتھ ڈے مانی بیوٹی ٹل وانف! وہ“  
سیدھا کھڑا ہر لولا۔  
سہبانے جذباتی ہو کر اس کی کپڑے کو گود میں  
اٹھالیا۔

”یہ میری بڑھتھ ڈے کا سب سے بہتست تھو  
ہے۔“ وہ لگھلگھاتی۔ وہ ہمیشہ سے ایک کیسے کے بچے  
کو اپنا جانتی تھی مگر بے جی کو نہیں پسند تھا اس لیے  
اس نے اپنا دل دلیا تھا۔  
”آپ کو کیسے پتہ کچھ پسند ہیں لمباں؟ وہ“  
جرجل تھی کہ شہرام نے اس کی آواز کو نہیں سمجھا تھا  
اپنی اس خواہش کا کمر اس نے بنا کے ہی جان لیا تھا۔  
”آپ کی فطرت سے واقف ہوں میں۔ آپ  
جیسے لوگوں کو (pets) رکھنا پسند ہوتا ہے۔“  
”آپ نے پہلے انہیں ترک کر دی یا سیکھ لی؟“  
وہ ہنسا۔ ”دراصل جب میں گیارہ سال کا تھا تو  
مائی کے ساتھ آپ کی بے جی کے گھر آیا تھا۔ وہاں  
گھر کے بچے جیسے ہی ایک پیاری سی بچی سفید رنگ  
کے کیسے کے بچے کو گود میں لیے رو رہی تھی، اس کے  
کز نے اس کے کیسے کے بچے کو کھیل کھیل میں

چھت سے پھینک دیا تھا، جس کے باعث وہ مر گیا  
تھا۔ اور اس بچی نے چھپ کر اس بچے کو ہلا تھا اس  
نے وہ گھر سے بھی اپنے کزن کی حکایت نہیں کر سکتی  
تھی۔“ وہ سہبا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بول رہا  
تھا۔ سہبا کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر کھنکھنے لگا۔  
”تو اس دن میں نے اس بچی سے ایک وعدہ کیا  
تھا کہ میں جلد ہی اسے دیکھا ہی کی کپڑا لا کر دوں  
گا۔ آج میں نے وعدہ پورا کر دیا۔“  
”شہرام آپ کو کیا تھا؟ اس کی آواز میں بے یقینی  
کی گونج تھی۔  
”میں جن سے محبت کرتا ہوں ان کے بارے  
میں کب نہیں بھولتا۔“ وہ اس کا گال صحت تھا کہ کچن کی  
جانب آیا۔ جہاں چائے کا پانی پک چکے گھر خراب  
ہو گیا تھا۔

سہبا کے دل کی دیرانی آج پوری طرح سے  
چھت تھی۔

☆.....☆

”روحان نے مجھے بڑھتھ ڈے پر گاڑی گفت کی  
ہے۔ میں نے پکڑ کر بھی اسے لوڈ کی نہیں بک پر۔ تم  
لے دیجی۔“ کشف ملوں پر چپک رہی تھی۔  
”نہیں میں نے دیکھی، مگر میری سہاک ہو  
جیوں۔“ اس نے کھلے دل سے سہاک بادی۔  
”بہت خیال رکھتے ہیں روحان میرا۔ میرے  
منہ سے کچی پر خواہش پوری کرتے ہیں۔ مجھے تو کتنے  
لگا ہے کہ میں کوئی نلکہ ہوں۔“  
”بہت اچھی بات ہے، اللہ جیوں مزید خوشیاں  
دے۔“  
”ارے تمہاری بڑھتھ ڈے بھی آئی ہو جی نا۔“  
شہرام نے کیا گفت دیا؟  
”ابوں نے مجھے بہت خوشعورت دیا تھا، بے  
ایک بہت پیارا پریشان نہیں۔“ اس کے لیے میں خوشی کی

کھلک تھی۔  
”سہبا! وہ نہیں۔“ تم کتنی سے خوف ہو، اس  
نے بچوں کی طرح ایک کی کپڑے کر بھلا یا  
تھیں، اور تم بیل میں تھی۔“  
”میری لیے اس کتنے سے زیادہ ان کی وہ محبت  
اہم ہے جس سے انہوں نے مجھے وہ تھوڑا سا ہے۔“  
”پھر بھی سہبا! ان کم از کم کوئی ڈائریکٹ سیٹ یا گاڑی  
تو دیکھا تو بیل کی چاہیے تھی تاہمیں مگر چھوڑو شاید وہ  
انور ڈی کر سکے۔ اس کے لیے میں ضرور بول رہا تھا۔  
”مجھے چیزوں سے غرض نہیں ہو، مجھے ان سے  
جڑے جذبات اور محبت کی قدر ہے۔“ اس نے سختی  
سے کہہ کر فون بند کر دیا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی  
کشف سے بات کر کے کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

☆.....☆

وہ پریشانی سے صوفے پر بیٹھی اپنی انگلیاں مڑا  
رہی تھی۔ اسے پتہ تھا کہ شہرام اسی کے کمرے میں  
ہے اور اس سے ابھی بالکل بات نہیں کرے گا۔ بلکہ  
صرف آج نہیں۔ اس لیے انھیں تھا کہ وہ اس کی غلطی کی  
سبھی معافی نہیں دے گا۔  
”وقت پڑا نہیں دو اور انمولین نہ دینے کی وجہ  
سے ان کی حالت بگڑی تھی۔ شہرے آپ لوگوں نے  
دقت پڑائیں دیکھ لیں۔ ہسپتال جانے کی ضرورت  
نہیں ہے، بس ان کی دوا نیوں کی ٹائمنگ کا پورا خیال  
رکھیں۔ دو بار ایسی بے احتیاطی ہونے کی صورت  
میں صورتحال سنگین ہونے کا خطرہ ہے۔ اس کے  
ذہن میں ڈاکٹر کی بات گونجی۔

دو پہر میں جب وہ ای کو بلائے آئی تو وہ صوفے  
پر بیٹھی کمرے کے کمرے سے سانس لے رہی تھی، اور کچن میں  
بول پارسی کی ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس  
نے لپک کر باہر سے ابا کو بلا دیا۔ ڈاکٹر کے آنے تک  
شہرام کو بھی فون کر دیا تھا۔

ڈاکٹر کی بات پر اس کے ہوش اڑ گئے۔ سب جانتے تھے کہ امی کو روٹلی دینی کی ذمہ داری سہا کی تھی مگر کسی نے سہا کو قصور وار نہیں سمجھا۔  
ڈاکٹر کے جانے تک سہا اپنے کمرے میں آگئی تھی۔ اور اب احساس غمات میں گہری بیچھی تھی۔ اس نے جو غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا تھا وہ خود کو اس کے لیے معاف نہیں کر پارہی تھی۔ اگر وہ وقت پرانی کے کمرے میں آتی اور انہیں کچھ ہو جاتا تو..... وہ اس کے آگے سوچنا بھی نہیں جانتی تھی۔  
”سہا! امی کے لیے سوچ بنادیں“ شہرام کمرے کے دروازے سے کہہ کر جانے لگا مگر جب سہا نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تو وہ اس کے پاس آیا۔  
”شہرام! آٹم سواری، میری.....“ اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا ایک ٹھک گیا تھا۔  
”سہا!“ وہ اس کے سامنے بچوں کے مل بیٹھ گیا۔ ”انسان سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔“  
”غلطی نہیں تھی شہرام۔ میری لاپرواہی تھی۔ میں آخر کیسے بھولی امی کی روٹلی کا۔“ آنسوؤں کے درمیان بولی۔  
”بھول ہو جاتی ہے سب سے۔ آپ کو تو شکارا کرنا چاہیے اس بات کا کہ آپ وقت پر امی کے پاس آئی اور ڈاکٹر کو بلا لیا۔“ وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامے بیٹھا تھا۔  
”شہرام مگر.....“  
”مٹش! امی اب ٹھیک ہے سب۔“ اس نے ہانگی کی پور سے اس کے آنسو صاف کیے۔  
”چلیں! انھیں اب لاپرواہی دینی چاہیے تھے ہیں امی کو ایسا کیا ہو؟ اس وقت ٹھیک تھیں۔“ وہ اٹھا اور ہاتھ پکڑ کر سہا کو کمرہ لایا۔  
”آپ کو کچھ پر غصہ نہیں آ رہا؟“  
”آپ نے جان بوجھ کر نہیں کیا کچھ بھی۔ تو

کیوں غصہ کروں میں؟“ اس نے نرمی سے انہیں اس سے سوال پوچھا۔ اور ہار چلا گیا۔  
سہا نے ایک بڑے سکون گہری سانس خرچ کی اور کہیں میں آگئی۔ اس اب امی کے لیے اچھا سا سوپ بناتا تھا۔  
☆.....☆  
شہرام کی چو پھو کی بیٹی کی شادی تھی۔ امی طبیعت کی وجہ سے کہ اپنی تک کا ستر نہیں کر سکتی تھی۔ مگر شادی میں جان ضروری تھا اس لیے انہوں نے شہرام اور سہا کو جانے کا کہہ دیا تھا۔ ان دونوں میں سے کسی کا دل نہیں تھا امی اور بابا کو اپنے چھوڑ کر جانے کا مگر چو پھو نے بہت اصرار سے بلایا تھا تو انہیں ہائی بھر لی پڑی۔  
”چلیں سہا تیار ہو جائیں ہم باہر جا رہے ہیں۔“ چو پھو کی بیٹی کی شادی ختم ہو گئی تھی۔ ان کی اگلے دن واپسی کی گارنٹی تھی۔ سہا ہینک کمرہ تھی۔  
”ابھی کہاں جاتا ہے؟“  
”آپ تیار ہو جائیں۔ پتہ چل جائے گا۔“

☆.....☆  
”ہم کہاں آگئے ہیں؟“ وہ ڈرائیو کر رہا تھا جب سہا نے پوچھا۔  
”ڈیٹکس میں داخل ہوئے ہیں۔“  
”اے یہاں تو کشف کا گھر ہے۔“ فیر آٹھ میں۔ مجھے اس سے ناٹا ہے۔ پھر آپ کو جہاں لے جانا ہے لے جائے گا۔“  
”اس نے بنا اعتراض کیے گاؤ کی کارخ موڑ لیا۔“  
”اے۔ رات یاد ہے آپ کو؟“  
سہا نے سرائٹات میں ملا دیا۔ اس کی مطلوبہ جگہ پر لا کر اس نے گاؤ کی روکی۔  
”میں نماز پڑھ کر آتا ہوں، جب تک آپ اپنی دوست سے مل لیں۔“

## شیر منڈل

شیر دہلی کے چودہ دروازوں میں سے ایک دہلی دروازہ ہے اس سے کچھ فاصلے پر بنی اور پرانی دہلی کے درمیان واقع راج کھاٹ دروازہ کو کوٹھی دروازہ بھی کہتے ہیں وہ جیسیہ ہے۔ یہ کہ دہلی پر قبضے کے بعد اگر یزید نے اس مقام پر بہادر شاہ ظفر کو اس کے بیٹوں کے سرطنت میں رکھ کر پیش کیے تھے سر و دیکھ کر بادشاہ نے ایک تاریخی جملہ کہا تھا ”بھجان اللہ تھو کی اولاد ایسی طرح سرخ ہو کر رہے ہوں کہ کسے سامنے جایا کرتی ہے۔“ (دروازہ انجسٹ جولائی ۲۰۰۰ء)

سہا اس باج چارز کے عالی شان بیٹکے کے سامنے کھڑی تھی۔ بیٹکے میں ریونیٹ کے باعث تہہ پٹیاں آئی تھی۔ اس کے دل میں احساس کمتری اجاگر ہوئے لگے۔ دروازہ کھلا تھا، وہ اندر داخل ہو گئی۔  
”اے سے وسیع و عریض لان میں کس طرح کباب اجتاس ہو رہا تھا۔“ وہ لاؤنچ میں آئی۔ لاؤنچ کے اندر بھی ہر طرف لو کر رہی تھے۔ اسے کہیں بھی کشف نظر نہیں آ رہی تھی۔  
”کشف کدھر ہیں؟ میں ان کی فریڈ ہوں۔“  
اس نے ایک ملازم کو روک کر پوچھا۔  
”آئے نیم ایہاں ویٹ کیجیے۔ میں میڈم کو بلاتا ہوں۔“ وہ اسے ادب سے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر کرایا۔  
سہا نے ارد گرد دیکھا۔ ڈرائنگ روم بھی پورے گھر کی طرح شاندار تھا۔ خوبصورت اور نرس چڑوں سے آراستہ۔  
”سہا!“ کشف ہنسی جوش کا مظاہرہ کیے، سچ سچ چلتی ہوئی اس تک آ رہی تھی۔ مگر سہا نے یہ سردہ کی نوٹ نہیں کی۔ وہ نہ کھول کر کشف کو گلے کو دیکھ رہی تھی۔ وہ پہلے رنگ کے لیے سلک کے گاؤں میں بیٹوں تھی، جس کی ایک سیلین غائب تھی اور دوسری پوڈی تھی۔ گاؤں اس کے ٹخنوں سے ٹھوڑا پر تھا جس سے اس کی پٹیاں ناگین اور ننگے واضح دیکھ رہے تھے۔

”کشف آ کر اس کے گلے لگی۔ سہا نے گلے لگتے ہوئے نوٹ کیا کہ وہ ہے انتہا کمزور ہو گئی تھی۔  
”کیسی ہوتی؟ یہاں کیسے آتا ہوا؟“  
”میں ٹھیک ہوں۔ مگر تم بتاؤ۔ اتنی بیچھی ہو گئی ہو تم اور سہا کی بلی تھی۔“  
”تماری سوسائٹی میں خود کو کشف اور میٹھیں رکھنا پڑتا ہے۔ روحان کو بھی میں ایسی ہی پسند ہوں۔“  
خود سے اس کی گردن تکی ہوئی تھی۔  
”آؤ میں تمہیں گھر دکھائی ہوں۔“ وہ اسے باہر لے آئی اور ایک کدھر دکھانے لگی۔ ہر گھر شاہانہ انداز میں بننا تھا۔ بیشتر کمرے تو ایسے تھے جن میں کوئی ٹیکس نہ رہتا تھا مگر چھ مٹی اس طرح سیٹ پیسے کوئی اچھی آکر رہنا شروع کرے گا۔ کشف کے گھر کی چمک تک اس کی آنکھوں پر کر رہی تھی۔  
”اؤ یہ ہے ہمارے بچوں کا روم! روحان نے ہی بہت دل سے سیٹ کیا ہے۔ اور یہ دیکھو یہاں سے نظارہ کتنا اچھا ہے۔“ کشف نے فریج وٹرز کو کھل کر اسے دکھایا۔ سہا متاثر سی آگے جا کر کمرے سے ملحقہ بیڑس کو دیکھنے لگی۔  
”یہ سہماں آنا شروع ہو گئے ہیں، اور تم اس تک نہیں لڑی ہو، کسی چیز کا بوسہ دے رہے ہیں؟“  
روحان کمرے کے دروازے پر کھڑا کشف پر چڑھا رہے تھے۔

## میرے انگنٹے میں.....

میرے انگنٹے میں.....

میرے انگنٹے میں.....

جو آپ کو اس مشکل دور میں بھی سکرانے پر مجبور کر دے گی

میرے انگنٹے میں.....

حد ہو گئی مرزا بھائی نے اخبار کے اشتہار دیکھ کر ایسا منہ بنایا جیسا وہ اکثر بھائی کے ہاتھ کی بنی  
مخالطہ ہوا کہیں کوئی اخلاق سے پرے تصویر منظر



تھا، سہیا بیکس پر تھی اس لیے وہ انکی موجودگی سے  
لاطم تھا۔ سہیا کو اس کی واضح آواز آرہی تھی۔  
”روحان میں.....“ کشف نے کچھ کہنا چاہا مگر  
وہ نہ نہیں رہا تھا۔

”یہ کس قسم کا رنگ پہنا ہے تم؟ میں نے کہا  
تھا کہ ڈیفنٹ ڈریسنگ کرتا۔ یہ نہیں تمہیں کب  
آئے گی؟ ڈریسنگ سٹس۔ مگر کوساری دنیا میں تم جیسی  
گنوا لڑکی سے ہی میری شادی کروائی تھی۔“  
سہیا پھٹ کر ہونٹیں مچی۔ شہرام نے آج تک اس پر  
چلا تا تو دور کی بات اونچی آواز میں بات تک نہیں کی  
تھی۔ شہرام کی اتنی جبت، عزت اور مان کے بات  
مچی وہ آج تک دل سے اس کے لیے راسی نہیں  
ہوئی تھی، کیونکہ وہ اونچی زندگی کا موازنہ کشف  
کی زندگی سے کرتی رہی تھی، اور ہمیشہ اسے کشف کا  
پڑا بھاری ہی لگا تھا۔ مگر آج اس پر کشف کی زندگی  
کی حقیقت ملنی تھی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ جس  
دولت پر کشف غرور کرتی تھی، وہ تو ریت کا پہاڑ تھا۔  
اصل دولت تو سہیا کے پاس تھی، عزت کی! مان  
کی! اسے وہاں کی ہر چیز سے دشت ہونے لگی۔ وہ  
جلد از جلد وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ وہ وہاں  
کرے میں آئی تو کشف دھواں دھواں ہوتا چہرہ  
لیے لکڑی کی۔

”روحان جب غصے میں ہوتے ہیں تو.....“  
”کوئی بات نہیں۔ میں سمجھ سکتی ہوں، مجھے دیر  
ہو رہی ہے،“ وہ کہہ کر کچے اتر آئی۔ کشف اسے  
ساتھ لے کر اس سے پہلے کہ سہیا آخری بار کشف سے  
ملتی۔ ایک مہمان ”اوہ کشف ڈارلنگ“ کہہ کر ان  
کے سچ میں آیا اور کال سے کال مار کشف سے ملنے  
لگا۔ سہیا کی دشت مزید بڑھ گئی اور وہ بنا کشف  
سے ملنے باقی تیزی سے باہر آگئی۔ شہرام گاڑی  
میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ سہیا نے گاڑی میں بیٹھ کر

”پانا ہوں میں آپ کو اس لئے آپ کی ہر خواہش  
کاظم ہو جاتا ہے مجھے۔“ وہ مسکرایا۔ وہی مسکراہٹ  
جو شادی سے پہلے سہیا کو نظر نہیں آئی تھی مگر اب تو  
اسے اس مسکراہٹ کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا  
تھا۔ ”مڑی سے اتریں اب۔ یہاں بیٹھ کر سمندر  
صرف دیکھنے کی خواہش تو نہیں ہے آج کی۔ بیٹیا پانی  
میں نہ ڈالنے کا بھی دل کر باہو کا آپ کا۔“  
”شہرام!“ وہ سبے ساختہ لکھی۔ اسے وہ غصے  
جاوہر لگتا تھا۔ تاکہ یہی وہ اس کے دل کی بات  
جانا جاتا تھا۔

سمندر کے کنارے کنارے پانی میں چلتے ہوئے  
سہیا نے مضبوطی سے شہرام کے بازو کو تھام رکھا تھا۔  
اسے اپنی دولت کی قدر و قیمت کا اندازہ ہو گیا تھا۔  
اب وہ اسے کھو نہیں جانتی تھی۔

☆☆☆

تاسے برا بھلا نہ آئی ہو۔ میں نے مذکورہ اشتہار دو بار دیکھا مگر نہیں دیا تو کھلونوں دلوں کی دھڑکن عید الاسلام سے میوزیکل بینڈ "آواز" کے ساتھ ساتھ ہاتھ میں بائیک تھا سے سر بکھیر رہا تھا پس منظر میں چند اور موسیقی کے دیوانوں کی سر دھڑکی شہید خود کو دیکھیں جو بیٹھے کھڑے ہیں یا معقول نہیں لگ رہے تھے۔ انھیں روزانہ اخلاق سے گری ہوئی تصاویر تو اخیر والے نہیں چھاپتے تھے اور اخلاق سوز رسالے ہمارے گھر میں منورہ تھے میں اپنی اصل کو ٹوٹل رہی تھی مگر مجھ سے بالاتر تھا آخر مرزا بھائی کے پاس یہ لیزنگ آپ آ کر دیکھو دیکھیں جو موجود نہیں ہے یہ تو اس میوزیکل ٹائٹ کے دھوکے سے لا اشتہار تھا جو ابھی کل ہی مرزا بھائی کو موصول ہوا تھا جہاں بڑے بڑے موسیقار اپنے فن کا جادو چکا رہے تھے جو ہمارے سر پر چڑھ کر ہوتا تھا یہ دھوکے نام نہ نہ عام دھوکے نام نہ نہیں تھا بلکہ شہر کے چیدہ چیدہ لوگوں کو ہی موصول ہوا تھا۔ جن میں سیاسی مشائیر اور ادبی شخصیات شامل تھیں اور مرزا بھائی ادبی منتوں میں ایک جا پہنچا تا نام تھے۔ مگر ان کے نزدیک یہ میوزیکل ٹائٹ نہ ہی بے ادبی تھی۔ جس کا ادب سے دور نیک کا واسطہ نہ تھا۔ انھوں نے اس منتوں موسیقی کے دھوکے اشتہار پر لگاؤ ڈالی اپنی نتائج کیسٹ پر بھائی آٹھ کر اچکن کی سلوشیں انتہائی نفاست و چار سے سیدھی کیں، پان داتوں میں دیا چھری کو منبوجی سے تھا۔ اور منہ سے اگلے "ہم نہیں جاتیں گے۔" اس کے ساتھ ہی میری ساعتوں میں ایک صد آگونی نہیں نہیں، نہیں کہہ دو کہ یہ جھوٹ ہے میرا دل چاہا کہ کاش یہ انکا ایک بھائی خواب کے سوا کچھ نہ ہو! کھلے تو اس پان دان کے سامنے سرد تا لیے تجاہل نہ کر رہی ہوں، ان کے برابر کلا جو اور گونے کے کام سے مرین غرارہ زیب تن کیے نہیں

تیم جن کی شادی کو بارہ سال ہو گئے تھے اور میرے چھ بچے تھے۔ پان سے شرق نہ فرما رہی ہوں اور مرزا بھائی کالی اچکن کی جان چھوڑ چکے ہوں جس کو اپنے آٹھ سال پہلے تر کے میں چھوڑا تھا، کاش یہ ایک اینڈ وائٹ منظر بدل جائے اور حقیقی زندگی میں اور حقیقت کو دیکھ کر نہ کہنے کا یہ نایاب موقع تھا اور اب میں نے اس بے رنگ خواب کا پردہ چاک کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مرزا بھائی نے یہی اماں کو بتا کر تا میرے لیے آسان تھا۔ اماں میری بات پال ہی سکتی تھیں۔ مرزا بھائی کے بعد صرف میں تھی اور میں بھی بڑی منتوں مرادوں کے بعد دنیا میں آئی تھی۔ اگر میری زبان اماں کے سامنے لڑکھائی تو تو کھلی آئی جیگی کر اماں کا خدا نیا جاو وہاں میری نظروں کے سامنے گھوم جاتا تھا۔ ان کا نسب نہ جانے کب "دنگوں" میرا مطلب مغلوں سے چلا تھا۔ اب منتوں رہے نہ تاج و تخت کمرخص جلال چھوڑ گئے جو اماں سے خدا نیا میراث کچھ کر کیجئے۔ لگا رکھا تھا ہمارے گھر میں یہ مثال تو صادق آئی ہی تھی کہ کوئی چڑیا یا اماں کے حکم کے بغیر نہیں مار سکتی تھی نہ ہی کوئی بچہ لپسکا تھا مگر کمر سے باہر جانے پر ہی تخت کا ٹھونکنا نافذ تھے۔

اب اس کا تائیس بار بار تھوڑی آئی ہیں اپنے گھر میں خان میں کے لیے راگ من کن کر اب میرے کان بھی بج چکے تھے مجھے اس تازہ ہوا کہ جھونکے کی شدید سرور سے ہی روز نہیں تھا کہ میں بھی منبذہ ہوا تھا۔ مگر کے کسی گونے میں نظر آؤں۔ آخر کار کیڑا کر اکر کے میں نے اماں کے سامنے اپنا مدعا رکھ دیا جسے نہ کر اول تو اماں کو یقین ہی نہ آیا کچھ نہ ہو! کھلے تو اس پان دان کے سامنے سرد تا لیے تجاہل نہ کر رہی ہوں، ان کے برابر کلا جو اور گونے کے کام سے مرین غرارہ زیب تن کیے نہیں

امیر اور کتنی ہوں مگر جب میں نے ایک پانچ ستارہ ہوئی کے جاو دھشت اور لنگم و منبذ طعام و انتظام کا چہ چا کیا اور تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے تو اماں میں بھی سوچ میں پڑ گئیں مگر اگر بچہ اور انگریزی انتظام سے میری پڑاوی میں شامل ہوگئی۔

لہذا انگریزی کو سائیز پر کر کے موسیقی کو دیکھ کر کہہ چڑا۔ کیا منتوں ادب؟؟؟ کون کون نے شعر ادا کر پیش کریں گے؟؟؟ اماں نے شرق سے پوچھا۔

اماں اتنے ادبی لوگ ہیں کہ کیا بتاؤں اتنے سارے شعر ادا ہوں گے نہیں احمد شیش، غالب، اقبال، احمد فراز، پروین شاکر، جون لیلا۔ میں نے مدلی جلدی ان شعرا کے کے نام کو ابھیرے جو مجھے یاد تھے مگر اماں پر ان ناموں کا خاطر خواہ اثر نہ ہوا بلکہ اتھے پرل پرل کئے تھوڑا پان چڑھا کر بولیں۔ جگڑا مشاعرہ عالم ادراچ میں منتقد ہو رہا ہے۔ اماں نے ایک گلدوزی منہ میں دبا لی اور تھپے سے رنگے ہاتھ مہندی زدہ بالوں سے پوچھ لیے۔

میں..... میں بھی نہیں میں نے بے نیاز بیٹھی اماں کی جانب معصومیت سے دیکھا۔

اے یہ سب اللہ میاں کو پیارے ہو گئے ہیں بے جا رہے۔ اللہ بخشنے ہمارے ابا کے زمانے کے شاعر ہیں کوئی زندہ شاعر بھی ہوگا وہاں یاں لوگ آسمان سے خطاب نہیں کریں گے؟

میری زبان گونگی ہو گئی مدد ہی اتنا کر اٹھا تھا کبھی سوچا بھی نہیں تھا اتنے عظیم شعر ادا کر رت کر جان آؤ گے سے زیادہ خشک ہو جائی ہے اس دنیا کی بے ثباتی کا شکار ہو چکے ہیں۔

یا اللہ میں سے غریبی کی دیوار کا سہارا۔

اف ہمارا ادب تو ادب سے خالی ہو چکا ہے اب کس کا ادب کا حوالہ دوں صد سے کی جب سے

دماغ نے کام نہ بند کر دیا۔

دل نے کہا چھوڑ دو اب کو سیاسی شخصیت بھی تو ہمارا زندگی اور معاشرے کا اہم ترین جز ہیں میں نے بات بدل لی۔

اچھا!! اس کی آنکھیں پھر چمکیں۔ اماں کو سیاست سے بعد شغف تھا سارا دن سیاست میں مشغول رہتیں مجال ہے جو کبھی دینیم کلا کوئی داؤد اماں پر لگ جائے۔ ایسا وہو بیٹا دینیم کو دیکھ کر بیگم چاروں شانے چنت۔

اماں با شرت کبیرے گھر کی واحد مکر انھیں بھلاؤں کون آ رہا ہے، یہاں کا اگلا سوال تھا۔ وہ اب میرے دماغ نے مطالعہ پاکستان کو کھانا شروع کیا۔

فائدہ اعظم..... میرے منہ سے نکلا مگر اماں کے تپور دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ اتنی اچھی ہماری قسمت کہاں نہیں ہو تو نہیں آ سکتے۔ میں نے دوسرا نام سوچنا شروع کر لیا لیاق علی خان..... سرید..... مولانا محمد علی جوہر کے علاوہ دماغ میں کچھ نہیں آیا خواہیں یہ منتوں کے گھوڑے دوڑائے تو بھی بیگم رحا لیاق علی خان خیر فاطمہ جناح جیسی ہتھیان دماغ کے پردے پر ابھریں اور وہاں سے حمل کر اماں کی ساعتوں سے غرا گئیں۔

ایک بار پھر اماں کا مندر بخ ہو گیا خدا جانے شرم سے یا خوشی سے مگر فطرت بذات آکھوں سے ابل پڑے زبان سے بولے سے قاصر تھی کیونکہ منہ پان کی جگہ لی فار ہا تھا۔

مگر اماں نے اکل دان میں منہ دے کر سارا غبار دل بھی اکل دیا۔

ار کی مکت..... کیوں بیماری نیک، رجو کو سیاست میں کمیٹ دین سے یہ گونگی سیاست دان تصور دی تھے تو محبت وطن لوگ تھے جن کا کام کھل



وطن کی ترقی تھا..... سیاست تو کبھی کی نہیں انہوں نے..... کی ہوئی تو شہر بھر مفلون جیسا ہوتا..... اب میرا عریضہ سرت دکھاؤ۔

میر کی شکل پر انتہائی سبکیں چھائی۔  
مگر اہل وہاں..... بڑے بڑے لوگ آئیں  
کے طرح طرح کے کھانے بھی ہوں گے..... میں نے آخری کوشش کی۔

کیا فائدہ..... اماں بھر بیڑ اور ہر کوئیں۔  
وہاں میں کھانا کیسے کھاؤں گی مجھے نہیں آتے  
انگریزی کھانوں کے نام.....

ادبوا! اس میں پریشاں ہونے والی کیا بات ہے آپ سے کوئی کھانے کا پوچھتے تو کہہ دیجیے گا۔  
کھاؤں گی پر نام نہیں بتاؤں..... میں نے مشورہ دے کر مسئلہ کر دیا۔  
جو کہ اماں کی سمجھ میں نہ آیا پر انہیں پسند ضرور آیا اور انہوں نے انتہا میں سر ہلایا۔

جنرل بلا داد آئی گیا ہے تو بڑی بے ادبی کی بات ہے کہ ہم نہ چائیں..... کوئی بلائے تو جانا ہی چاہیے..... تم میرا تارکی زری کے کام والا خراہ نکال دو تم پورے خاندانی تہذیب و ذوق کے ساتھ مغل ادب میں شرکت کریں گے۔

اماں کی باتیں سن کر اب تو مجھے بھی دل رینگنے لگا  
حاکم میں کسی نامت بیوز کی گھنٹریں میں نہیں کسی  
یا گار پر سوم جہاں جلاتے جا رہی ہوں مگر تارکیا نہ کرتا..... چارہ و چارہ مجھے اماں کی بات مانتی ہی پڑی۔  
اور ہا خرم شہر کے سب سے بڑے فانیو انٹاروئل میں موجود تھے جہاں ہر طرف گہما گہما کی لوگ عید اسلم کی ایک منقلہ شائع و شکت کی حال اماں کسی عجوبے سے متنبہ نہیں۔

زری کے کام سے جے سفید فرارے میں

## غزل

سبیلہ انعام صدیقی

کس قدر دل سوز ہیں لمبے یہ انساں کے لیے  
دوست ہی اور ہے ہیں اب چاکر کہاں کے لیے  
لے گئی آنسو کی اڑا کر مبر کے سب بادیاں  
کسکشی دل منتظر ہے جیسے طوفاں کے لیے

ہر جگہ شیطان دیکھے روپ میں انسان کے  
کوئی چارہ گر لے قلب پریشاں کے لیے

دشمنیں اور دشمنیں سب کرب کے ہیں سلسلے  
کیا تدارک کچھ نہیں ہے شہزادوں کے لیے

آج بیاں یک خواب دیکھا ڈس لیا تھا ساپ نے  
زہری تسمیر پائی ہے دل و جاں کے لیے

ہم سفر ایسا لے جو ہم نوا بھی ہو مرا  
قرتیں ہوں جس کی مرہم غم کے درماں کے لیے

پھول، خوشبو اور بہاروں نے سبیلہ یہ کہا  
ہے رواں باو مہا تیرے ہی اماں کے لیے

ملہوں گڑیا کی لگ رہی تھیں..... اماں سلاش لگا ہوں  
سے چاروں جانب دیکھ رہی تھیں اور مایوس ہو کر ان کی بے چینی پر جتنی ہی جا رہی تھی۔

تم نے تو کہا تھا کہ بڑے لوگ..... کہاں ہیں  
بڑے بڑے عظیم قاتل لوگ یہاں تو مجھے صرف  
لوگوں کا جھوم نظر آ رہا ہے قاتل اور قاتل قدر رغبت  
تو کوئی نہیں۔

میر کی بھی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا..... کروں  
تو کیا کروں اماں کو لے تو آئی تھی مگر اب اماں کو  
سمجھا نہ تھا قاتل۔

مجھے وہ رد کر نہ رہی آ رہا تھا۔  
کوئی قاتل شخصیت آجانی آخر مات  
کسرت میں تو کسی کا کیا چلا پاتا۔

کیا قاتل لوگ جاز اور راک نہیں سننے محض  
ضروری اور غزل اور تو اب ہی موسیقی میں شمار ہوتا ہے  
یہ قاتل قدر عظیم لوگ بھی کس قدر رشید اچھے  
ہوئے افراد ہیں نہ جانے ہمیشہ ان کو مشکل چیزیں ہی  
کیوں پسند ہوتی ہیں۔

میر کی شکل بھرنے والی ہو گئی  
میرے کانوں سے فلور نیجی کی آواز نکلتی  
"Excuse me may I help u" ma'am  
انتہائی شہ نہ لہجہ کانوں میں دس کھول گیا۔

یہ کون ہے اماں نے ٹیبلر کو سر سے لے کر  
پاؤں تک گھورا۔

یہ چوکیدار ہے یہاں میرے ہاتھس دماغ  
میں فلور نیجی کا بھی ترجمہ آیا۔

تم چوکیدار ہو بڑا انصاف ہوا بددق تو چلائی  
آتی ہوگی۔

اماں کی بات سن کر چوکیدار نے اپنی بوڑھی  
بڑی ہلکیں جھپکائیں انتہا حیرت با حیرت سے یہ  
مجھ سے لیے کھتا حال تھا..... اگلی صبح اس سے بھی

جہاں کن بلکہ پریشاں کن تھی مگر تیرکان سے نکل  
چکا تھا جو سوچا چوکیدار کے دل پر لگا۔

ڈاکو جب آتے ہیں تو سب سے پہلے ہمارے  
چوکیدار کو گولی مارتے ہیں۔ اماں کی بات سن کر فلور  
ٹیبلر مایوس ہو گیا۔

آپ مجھے پلیز بتا دیں گے کہ اس دعوت  
تائے کے لیے کھانے کی نشستیں کہاں مخصوص ہیں۔  
میں نے انتہائی شرمندگی سے مذکورہ دعوت  
نامہ دے دکھایا۔

فلور ٹیبلر ابھی تک کتے کی حالت میں تھا اس  
نے ہاتھ کے اشارے سے ہمیں سیڑھی جانب جانے  
کا مہذبہ دیا.....

میں سمجھا کر آگے بڑھ گئی میری ٹیکل نائٹ  
ہوئی گئی میری دھن سے میں خرواہ ہو گئی مگر میں کسی  
ادب کا ڈبہ۔

ایک بڑے ہال میں آنے کے بعد میں ابھی  
ادب گرد کا جائزہ لے لی رہی تھی کہ اماں ایک بار بھر  
چچکیں مارے شہزادی تم.....

اپنا نام سن کر کمرٹ بوت میں ملیں ایک باقار  
شخصیت اماں کی جانب متوجہ ہوئی..... جن کا وہ قاتر  
اماں کو دیکھ کر پیٹنے کی صورت ہاتھ پر نمودار ہو گیا تھا۔  
عالم آرا بابی..... آپ ان کو بھی اماں کو  
یہاں دیکھ کر اتنی ہی حیرت ہو رہی تھی جتنی اماں کو  
انہیں دیکھ کر۔

اسے شہزادی اسکول کے بعد اب نظر آتے ہو  
مگر ذرا نہیں بدلے وہی بیڑا صورت میں تھیں  
تہا رہا یہاں تک سے چھٹی پریشانی سے پہچانی اسکول میں  
بال نہ ہونے کے باعث سارا تیل پریشانی پر رقع رہتا  
تھا۔ مجھے یاد ہے تم ہماری جماعت کے سب  
سے، نگے، اناں محض کد ذہن سنچے تھے اور ہمیشہ  
اسکول دیر سے آنے پر استادی سے مار کھاتے تھے یا



## موسم ہاجر کا سناٹا

سرد اور صوفیہ بھی حالات کا شکار تھے.... جب انسان دوسروں کے

لیے جینا شروع کر دیتا ہے تو وہ زندہ تو محسوس ہوتا ہے مگر زندگی کی  
رقی بڑی مشکل سے ملتی ہے....

شام کے سامنے گہرے ہو رہے تھے۔ کوآہستہ آہستہ گل کر جسم کو کھوکھلا کر ڈالتے ہیں۔

اندر واردہ کی گولے ہوئے گلے رہا تھا جیسے غم خوشی خزان، بھار کو کھا جاتی ہے۔ دیرانی اپنے پر پھیلا کر



ہاں کیو... مصطفیٰ جمال

زیست کا ہے آزار

اپنی ہی اولاد کی بچ

بھولیں ماں کا پیار

☆

کو ابولا کا نہیں

گھر میں بھوک کا ڈیرا ہے

گیسٹ نہ آ جائیں!

انگریز چلا گیا انگریز کی چھوڑ گیا یہ ہی پلٹ  
میں دکھ کے لا دو۔

اماں کی بات سن کر ویرز دار براندہ مانا۔

آپ کیا کھانا پسند کریں گی.... اس نے  
دوبارہ پوچھا مگر اصل مسئلہ یہ تھا کہ اماں کھانسی کی  
کیا... اماں نے سیر دار تار تار جواب دیا میں۔

میں کھانسی کی تو پر نام نہیں بتاؤں گی۔ اماں کا  
جواب سن کر ویرز نے شکر یہ کے ساتھ اپنی چٹکی کسر  
سیدھی کی اور سیدھی چلا گیا۔

پوری میز پر تو بوز وہ واحد ڈش تھی جس میں  
اماں کو کھانا نہ تھا میری بھوک.... میرے ارمانوں  
کے ساتھ فوت ہو چکی گی۔

گھر آنے کے بعد اماں کی دن تک اپنے بور  
میرے نام مقول تقریب کے بد ذوق اور گلیا میرا  
مطلب ہے خلیہ سلطنت کے زوال پذیر ہونے پر  
میر حاصل ہنرہ کرنی رہیں اور اس تمام تر واقعہ کے  
بعد میں نے بھی میرے آگے میں بلیک اینڈ وائٹ  
ادب کو رنگین ادب کے ٹکٹے لگانے سے تو بچ کر لی  
تھی۔

اسکول ہی سے غیر حاضر رہتے تھے۔ کبھی کوئی کام  
وقت پر نہ کرنے کا اعلیٰ ریکارڈ جمہارا.... پر یہ کیا....  
تم سے یہ امید نہیں تھی۔ کمر میں پٹے گلے میں رسی  
یہ لباس انسانوں کے لیے بنائی نہیں اس کو پہن کر  
ویسے ہی گردن تن جاتی ہے میں تو کبھی ہوں انگریز  
لباس چھوڑ کر واپس اپکن پہن لو اپنی سوچ کا دروازہ  
کھولا تاکہ شخص و دانش کی چڑیا تہارے دماغ میں  
گھولنا سکے۔

نہیں عالم آرا باہتی یہ لباس اب ہمارا اخلاقی  
فریضہ ہے۔ اگر ہم ایسے موقعوں پر اسے زیب تن نہ  
کریں تو ماحول میں اشتکار کا اندیشہ رہتا ہے۔ لوگ  
پتھانی کیفیت کا شکار ہو کر.... ماحول سے عجیب  
انجمن بیزاری اور گمن کا اظہار کرتے ہیں میں اس  
کھلی دہشت گردی کا انجام کار نہیں بن سکتا....  
شرابی انکل نے فیصلی جواب دیا۔

کیا شکر کے کوئی ہو گئے ہو شرابی انکل کی  
بات سن کر اماں نے سر کوئی کی۔

نہیں عالم آرا باہتی.... میں تو ایک مہذب  
شہری ہوں اور ایک سرکاری ادارے میں اعلیٰ عہدے  
پر فائز ہوں۔

شرابی انکل کی بات سن کر اماں مسکرائیں  
.... میں نے تو پہلے ہی کہا تھا تم ہانگل نہیں بدلے  
دیے کے ویسے ہی ہو۔

میز پر کھانا چٹا جانے لگا غالباً شرابی انکل  
نے میرا ایک ٹوکہ ہمارے نظروں سے کاٹی کرے  
تھا منتخب کیا تاکہ کھانے سے انصاف کر سکیں.... میں  
بھی اماں کے ساتھ ایک مناسب جگہ بیٹھ گئی۔  
• کھانے کی میز کو دیکھ کر اماں کی آنکھیں  
حیرت سے پھٹکی ہوئی تھیں.... ویرز نے اماں کے  
نزدیک آ کر پوچھا

What can i serve maam  
اماں نے حیرت سے اسے دیکھا۔

سو کے چوں کوئی کر ڈالتی ہے۔

ایسے عالم میں یہ تیر تیز قدم اٹھانی میڈیکل اسٹور میں داخل ہوئی۔ مطلب یہ ادویات کے لے کر اسی تیزی سے باہر نکل کر سامنے آئے وجود سے بری طرح ٹکرائی۔

جلد بازی پیشہ لفظ کام کر دیتی ہے۔

دواؤں کو الفاظ پہنچے کرنا لازمی تھا۔ وہ جلدی سے چلی گئی۔ اس شخص نے اس سے پہلے پھری دکھائی اور الفاظ اٹھا کر اس کے سامنے کیا۔

صوفیہ نے نظریں اٹھائیں۔ دونوں کی نگاہیں کیا ملیں۔ گویا زمانے بھر گئے۔ کائنات کی گردشیں رک گئیں اور دھڑکنیں عجیب بگنمہ برپا کرنے کو تیار ہوئے۔

صوفیہ نے کچھ پاتے ہاتھوں سے لفظ بکڑا۔

مقابلہ بھی دست کر لیا تھا۔

صوفیہ تم۔ سرمد تم۔ دونوں کے کیوں سے بیک وقت یہی الفاظ آدا ہوئے سرمد اور صوفیہ

آج کی برسوں بعد روہتے۔

دونوں ملے ہوئے سڑک پر آ گئے۔

سرمد کی آنکھوں میں آج بھی بے قراریاں

تھیں اور صوفیہ کا دل بھی اسے دیکھ کر دھڑک رہا تھا۔

دل کے معالے سے کسی کی زد میں تھے۔

دونوں خود فراموشی کے عالم میں برسوں پیچھے

چلے گئے۔

کبھی وہ سرمد نے بد مذہبوں خیر آدھ میں

اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا

جواب میں صوفیہ نے اپنی معنی مڑی بلیکس

اٹھا کر بڑی بڑی ہادای آنکھوں میں تیرتی بلیکی نو

خلق میں اتنا راسخا تھا میں بلا دیا۔

سرمد کو صوفیہ آج بھی دیکھ رہی تھی،

وہی آنکھیں سرخ آنکھیں، وہی سر پر بندھ کاٹا

اسکارف، اگرچہ رنگت میں قدرے سالواہٹ مٹلی

ہوئی تھی مگر سرمد قدر مٹاؤ کی اور پرکاری میں اک وقار

آج بھی سرمد کو چا دکھائی دے رہا تھا۔

صوفیہ نے چند لمحے اس کی جانب دیکھا اور

اس کا حال پرچھا۔

کھلی سے بھلے بھلے سرخی ہال، نظر کا چشمہ

اور دونوں پر دیکھ دیکھ دیکھ دیکھ دیکھ دیکھ دیکھ

جو اس عمر میں کسی صوفیہ کو بے چین کر گئی۔

ٹھٹھک ہوں۔ جی پر ہاتھوں۔ سرمد کی آواز میں

برسوں کی تسکین اور توانائی تھی۔

صوفیہ نے تپ کر اس کی جانب دیکھا۔

شکر بلڈ پریشر کا مریض بن گیا ہوں۔ وہ

پھینکی ششیں کر بولا۔

تسکیم کی دوا لی لیٹے آئی ہو؟ سرمد اس کا حال

جانے کو بے قرار تھا۔

اپنی ہی۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہو گئی ہوں

مٹھنے کی آواز کو کھلی ہوئی تھی۔

آؤ۔ کچھ دیر نہیں بیٹھ جائیں۔ سرمد نے

روہ سے ڈوبے بیٹھنے میں کہا تو صوفیہ اندر تک لڑکی۔

اور اسے بے بسی سے دیکھا۔ وقت کہاں تھا اس

کے پاس۔

زیادہ دیر نہیں ہوگی بس کچھ لمحے۔ کچھ منٹ۔

کچھ صدیاں۔

سرمد کی آواز میں لاجت اور منت رتھیں تھیں۔

آس و امید کے جھنڈوں کی آنکھوں میں چمک رہے تھے

اور اس کے لیے ہر لمحہ میو جڑن میں۔

صوفیہ نے چند لمحے سوچا پھر برسوں کی تسکین

اتارنے کو۔ چند منٹ خیریت جانے اور اس کے

ساتھ چل پڑی۔ یہ کچھ لمحے تو اپنی زندگی جیسا جائے۔

زیادہ وقت نہیں لوں گا تمہارا کیونکہ اب "ہم"

وقت نہیں گذار رہے ہیں بلکہ وقت "ہمیں" گذار رہا

ہے۔ ختم کر رہا ہے۔ ختم کر چکا ہے۔

سرمد کی آواز میں صدیوں کی تسکین اور اپنی

کی لہر نے صوفیہ کو اندر تک تیرا دیا تھا۔ اس نے

سرمد کی ساری ساری طرف دیکھا جس کے

چہرے پر دھڑکن کی گہری دبیز تہہ تھی۔ آنکھوں

میں ترس خورنی تھی اس کے اندر دلی کرب کا واضح

اظہار تھی، خود صوفیہ کو سن سا خوشیوں کے جھولے،

جھول رہی تھی۔

اس کا دل تو سوختہ ہو چکا تھا۔ انگارہ بن کر

اے جلانہار جتنا تھا آرزوؤں کو رکھ کر بنا کر۔

آؤ! بیٹھو۔

اپنی سوچوں کے دو جزر میں گردش کرتی

صوفیہ یکدم چوگی۔ جب سرمد نے اسے کرسی پر بیٹھنے

کو کہا۔ یہ ایک ہول کا جی کی تھیں تھا۔

خوشنما پردوں سے ڈھکا ہوا۔ ہلکی ہلکی موسیقی

اطراف میں سر بکھیر رہی تھی۔ دونوں آئے سامنے

تھے درمیان میں بیڑی بالکل ایسے جیسے ان دونوں

کے درمیان سماج حائل تھا، برسوں سے۔

صوفیہ خود کو سنبھالتی بیٹھ گئی۔ دونوں خاموش

تھے کچھ دیر نے کافی کے دو بڑے گلاسٹیکس کی

پلیٹ پر رکھ کر چلا گیا۔

تو تمہارے والدین نے تمہاری شادی اپنی

مرضی سے کر دی تھی۔ سرمد نے آفر کا رس کی دھن

رگ پر کچھ دیر کچھ صوفیہ کو پہری جان سے لڑا دیا تھا۔

صوفیہ نے بے بسی سے نگاہیں جھکا کر بس

اس قدر کہا "ہاں"۔

تم۔ خوش ہو نا؟ سرمد نے اب

روگوں میں ابھڑکا طوفان بھڑا دیا تھا۔

"چین نہیں" صوفیہ نے ڈاک کی ذرا اوپر دیکھا

اور مختصر بول کر کافی کا گلاسٹیکس سے لگایا۔

تج، گرم کافی نے شرارہ سا مہر دیا تھا چہرے

جسم میں۔

خوشی کا یہ تو چہرے سے لگ جاتا تھا ہے۔

سرمد سادے راز خود ہی کھول رہا تھا۔ انہیں آئے

ہوئے چندہ منٹ ہو گئے تھے۔

اور صوفیہ کو جانے کی جلدی تھی۔

اور یہ بھی جانتی تھی کہ قدرت کی نگاہیں کھینچ کر

اسے یہیں روک دے مگر "وقت" اس کے بس میں

کہاں تھا۔ بھی کبھی نہیں تھا۔

تمہارا شوہر کیسا ہے؟ مطلب تمہارا خیال تو

رکھا ہے ناں سرمد نے دل سے دیکھتے ہوئے پھوڑے

پر الفاظ کا دوزخ باشت پھوڑ دیا تھا۔ اب

رد بر سر رہا تھا۔

وہ کافی کا کونٹ بھر کر گلاسٹیکس آہستہ آہستہ رکھ

کر اسے اخوند دیکھتے ہوئے بولا

صوفیہ کے چہرے پر ان دیکھے گہرے گھاؤ

سرمد کو نظر آ گئے تھے۔

سرمد جیسا ہم سوچتے ہیں چاہتے ہیں تقدیر

وہاں جاتا۔ جو ہمارے مقدر میں لکھا ہوتا ہے

بس اپنی قدر مٹا ہے۔

غائب باقی معمولی پڑھا لکھا گھر ہماری

"ذات" کا تھا۔ یہ بھی تمہاں کے پاس۔ بہت برا

ڈیپارٹمنٹل اسٹور تھا اس کا وہ واحد مالک۔ اس کی اور

میری ذاتی حالت میں بہت فرق تھا۔ ہے۔ اور رہے گا۔

زبان کا تیز اور انتہائی بدگوار انسان ہے۔ میری اس کی

بھی نہیں تھی۔ وہ تھیں میری تعلیم کے ملنے دیتا ہے۔

اور شروع دن سے اس سے کچھ پراگندہ کر دیا تھا کہ

میں اس پر اپنی تعلیم کا رعب نہ بٹھاؤں۔ انا اب اپنے

بس اپنی "ذات" کو ترجیح دے کر میری "ذات" کو

سج کر دیا ہے۔ ذمیری تعلیم کام آئی نہ تیرا سلیقہ۔

کچھ بھی تو نہیں۔

یکدم وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر سسک

انہی۔ سرمد کے دل پر جیسے آدے چلنے لگے۔ وہ جب بھی بے بس تھا اور اب بھی۔

میرے دو بچے ہوئے۔ بی تین سال کی عمر میں شدید بخار کی وجہ سے ناگوار سے معدوم ہو گئی۔ بیٹا دنیا میں آیا اور ایک جھٹک دکھا کر چلا گیا۔ اب میری کس کائنات رانی ہے۔ غالب نے دور میری شادی کر لی ہے۔ اسے مجھ سے اور اپنی بیٹی سے کوئی وجہ نہیں جسی اعتراضات پورے کر کے وہ اپنی ذمہ داری سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ پچھلی آواز اور گھر کے آسٹوں کے درمیان وہ لا چار کی آخری حد پر کھڑی تھی۔ اس کا قطرہ قطرہ دوسرے گولہ ہاتھ کس کو قصور وار ٹھہرائوں؟ ماں باپ کی ضد کو کیا اپنے مقدور؟

جینے کی آرزو تو ڈھکی ہے۔ صرف رانی کی وجہ سے سانسوں کی ڈور تھامے بیٹھی ہوں۔ صوفی نے لڑوہ خیر حقیقتوں سے پردہ کیا اٹھا یا سرمدی آنکھیں بھی پھر آئیں۔

صوفی نے پس سے نشوونگال کر آنکھیں اور چہرہ صاف کیا۔ سرمد کا اچھا اختیار نہ تھا کہ اپنی پوروں پر اس کے آسٹوں کو لین۔

پندرہ منٹ مزید وقت کی گرفت سے پہلے صوفی نے کٹائی کھا کر کم آنکھوں سے وقت دیکھا اور پچھلی آواز میں زبردست مسکراہٹ کی آمیزش کرتے ہوئے بولی۔

نشاۃ سرمد۔ اس دن سالوں میں تہباری زندگی کیسے گذری۔

آدہ۔ سرمد کے بولوں سے ایک سر آؤنگی۔ جو اس کے دکھوں کو بھی حیاں کر گئی۔ میری شادی کس ریت سے ہو گئی جو ہمارے دور کے رشک داروں میں سے جس کا کس چاند کو شرماتا

## کرکسی نوٹ

مہذب قومیں اپنے ہیر وز کی اس سے زیادہ عزت اور کچھ بھال کرتی ہیں جو ہمارے چھپے معاشروں میں کی جاتی ہے جاپان والے اپنے کرکسی نوٹوں پر اپنے بڑے ادیبوں اور شاعروں کی تصویروں چھاپتے ہیں جبکہ ہمارے یہاں بڑے ادیب (احمد ندیم قاسمی) نوے سال کی عمر میں بھی روز کی کسانے کے لیے دن رات محنت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں ہم گلہ کرنے کے بجائے ہاتھ اٹھا کر بی بی دعا مانگتے ہیں کہ خدا کرے کہ کمری ارض پاک پر اترے۔ وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو (امجد اسلام امجد اردو بیورو ۲۱ جون ۲۰۰۶)

زندگی۔

اک دہی جتے جو برسوں بعد وہیں ٹھہرے تھے۔ اسی مقام پر جہاں جدائی شروع ہوئی تھی اسی موز پر جہاں پھرتے تھے۔

پھر بلوکی؟ اک حسرت و امید بھر احوال سرمد کی طرف سے آیا اور دل میں پوست ہو گیا۔

نہیں۔ صوفی نے فوراً جواب دیا۔ ان رخصتوں کو نہیں چھیڑ سکوں گی میں کشمکش تو ان پر کھڑی آتا ہے پھر سے لوبہاں ہونے کی سکت نہیں مجھ میں۔ صوفی کے اندر جوار بھاتا گندہ پا تھا۔

ہاں ٹھیک کہا تم نے منہ دل ہوئے رخصتوں کو پھر سے ٹھیک کر چا کر کے۔ ناسور بن جاتے ہیں ایسے دہم۔ اور پھر ساری عمر نہیں ملتے۔ میں بھی واپس چلا جاؤں گا بھی نہ آنے کے لیے۔ مجھ سے بھی یہ آبلہ پانی کا ستر بھر سے ملے نہ پوائے گا۔

بھلا فائدہ ہی کیا ہے، دل پر پھیلے گی کم بوجھ ہیں؟

صوفی یہ بھتوں اور جدائیوں کے بوجھ زندگی بار جاتے ہیں۔ میں دعا کروں گا کہ تمہاری زندگی میں آنے والے باقی تیل پر سکون ہوں، خوشگوار ہوں۔ سرمد نے دل سے اسے دعا نہیں دیں۔

میں بھی دعا کروں گی کہ تم صحت مند رہو،

زندگی کے پہلے سے خوشی کشید کرو۔ یہ کہتے ہوئے اس نے سرمد پر ایک بھر پور نگاہ ڈالی اور سامنے آئے آنکو کا ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

صوفی یہ لمحات جو ہم نے ساتھ گزارے ہیں یہ ہمارے چلنے چسوں پر پھوکاری یادیں پرے ہیں۔ سرمد نے دھمکے لہجے میں کہا تو صوفی نے بھی سر ہلا دیا۔

پتہ ہا کر وہ آؤں میں بھٹکی۔ سرمد ہیں کھڑا احوال اور خوشی کے سرخوٹوں میں جاتے آؤ کو کو دیکھتا رہا۔

صوفی جہاں بھی چلی جائے، اس کی یاد کا دیا اس کے دل کے ایک کونے میں سدا جلتا رہے گا۔ محبت کا وصف ہی تو ہے کہ

محبت کا نام نہیں جوتن کا نام نہیں

جدائی بھی محبت کو تو آواز اور جوان کسمتی ہے سرمد بھی سوچتا آنکھوں کی دلی میں ادا تار

سر جھک کر اپنی منزل کی جانب چل دیا کہ زندگی تو اب اس شہر کی صدائیں ٹھہری

سنگ رہی ہے زندگی شمع کی مانند اک اک قطرہ یادوں سے عبارت ہے

## ہائے وہ زود پشیمان

والدین کی تربیت اور گھر کا ماحول یہ وہ دو چیزیں ہیں جو انسان

کبھی نہیں بھول سکتا..... ہماری کوشش ہوئی چاہیے کہ یہ یادیں

ایک اچھا سرمایہ ہوں۔

والدین کی تربیت اور گھر کا ماحول یہ وہ دو چیزیں ہیں جو انسان

ایمرٹس وارڈ میں مج سے اس کی اپنی باتیں کرتے ہوئے ہوں۔ میں بالکل خاموش تھی آج یہاں گھبراہٹ کی کچھ زیادہ سی اس وارڈ کی ڈیوٹی بالکل تھک گئی تھی اسے ویسے بھی اس وارڈ کی ڈیوٹی بالکل پینہ نہیں تھی بذات خود وہ تنہائی پینہ کی اور زیادہ تھی آج کل وارڈ کی ڈیوٹی کو پینہ کر رہی تھی کیونکہ وہاں سسٹن سکون رہتا تھا۔ ابھی وہ گھر جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ ایک عورت ڈیڑھ دو سال کی بچی کو گود میں لیے وارڈ میں داخل ہوئی وہ سیدھی راحیلہ کی طرف آئی تھی۔

”میری بچی کو چوٹ آگئی ہے دیکھیں شاہد اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے۔“ اس نے روتے روتے کہا۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا راحیلہ اس بچی کو دیکھ کر چونے لگی تھیں وہ بچی اسے بچی کی آنکھوں میں نہ جانے کیا بات نظر آئی تھی کہ وہ مسلسل اسے ہی دیکھے جارہی تھی اسے اس بات پر جرت تھی کہ زیادہ تر بچے چوٹ لگ جانے پر بے

تھا۔ وہ بچے کے چہرے پر کچھ ایسا تھا جیسے بچے کے عالم میں ہوا اس کا سیدھا ہاتھ ہے۔ میں نے اسے بھول رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا تھا جیسے اس کے کا

”ہاں اس کی ماں نے جواب دیا۔“ لیکن میں وہاں موجود نہیں تھی یہ گھر کے لان میں کھیل رہی تھی اور میں باورچی خانے میں کام میں مصروف تھی عورت نے کہا اور راحیلہ کو لگا کہ وہ آج تو بول رہی ہے اس بچی کو دیکھ کر راحیلہ کی آنکھوں میں ایک اور بچی کا چہرہ محو کیا تھا اس کی عمر بھی دو سال کے قریب کی اس کے بال مختصر بالے اور شہرے تھے اس کی آنکھوں میں بھی راحیلہ کو وہی تاثرات نظر آئے جو اس بچی کی آنکھوں میں تھے۔

”بچی کا نام کیا ہے؟“ راحیلہ نے دیکھا  
لکھنے کے لیے فائل اٹھاتے ہوئے کہا اسے قاعدے  
کے مطابق بچی کی ضروری معلومات نوٹ کر لیاں۔  
وہ بخور بچی کی ماں کو دیکھ رہی تھی۔  
”اس کا نام مریم ہے۔“ ماں نے جواب  
دیا۔

”کیا اس سے پہلے بھی اسے کبھی اس طرح  
کی چوٹ لگی ہے؟“ راحیلہ نے پوچھا اور بچی کی ماں  
تذہذب سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔  
”میں معمولی چوٹیں یا خراشیں تو بچوں کو اکثر  
کھینچتے ہوئے لگے ہی جاتی ہیں اس کے علاوہ کوئی  
بڑی چوٹ نہیں لگی ہے۔“ جواب دیا۔ راحیلہ  
نے اشارت میں سر ہلاتے ہوئے تفصیل درج کر لی  
لیکن اسے اس بات کی سچائی پر شک تھا۔

ڈاکٹر سلمان کے آنے کے بعد اس بچی کی  
رپورٹ انہیں پیش کر دی۔ ڈاکٹر نے بچی کا معائنہ  
کر کے اس کے ہاتھ کے انیسرے کرانے کا کہا تو  
بچی کی ماں اسے انیسرے کرانے لگی اور راحیلہ  
ڈاکٹر سلمان کے ساتھ ڈیوٹی روم میں چلی گئی۔

”ڈاکٹر سلمان پر خیال ہے مریم کا کوئی ماں  
کی صحیح تو نہیں لی ہے مجھے لگتا ہے کہ اسے خوف میں  
جلا ہے۔“ راحیلہ کی آواز میں ارتعاش تھا۔  
”لیکن مجھے تو اس میں ایسی کوئی علامت نظر  
نہیں آتی۔“ ڈاکٹر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے  
کہا۔

”میں ڈاکٹر وہ بے تو بچی کا دکھار ہے اس کی  
آنکھیں اس بات کی غماز کی کرتی ہیں ہو سکتا ہے کہ  
اسے جسمانی دیکھ بھال تو لی ہو لیکن اپنی ماں کی وہ  
توجہ نہ ملی جو ہر بچے کا حق ہوتا ہے۔“  
”کیا تم کوئی ہزار نفسیات ہو؟“ ڈاکٹر نے  
پہنتے ہوئے کہا ”صرف اس کی آنکھوں میں دیکھ کر تم

جانتی ہو کہ وہ غیر تو بچی کا دکھار ہے۔“ راحیلہ ڈاکٹر  
کی اس بات پر افسردہ ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں  
آنسو آ گئے۔ اسے اپنے خیالات یاد آ گئے۔ وہ  
سوچنے لگی کہ وہ اس کی تک اس یادوں کو کیوں نہیں بھلا  
سکتی۔ آج مریم کو کچھ کہہ کر اسے پھر سب یاد آ گیا تھا وہ  
لاکھ جانتے ہوئے بھی ان حالات کو چھپا نہیں سکتی  
تھی۔

”جو تاثرات میں نے اپنی بیٹی کی آنکھوں  
میں دیکھے تھے انہیں میں کیسے بھلا سکتی ہوں ڈاکٹر  
سلمان؟“ اس نے دہی لہجے میں کہا۔  
”تمہاری بیٹی؟“ ڈاکٹر سلمان نے حیرت  
سے کہا۔ ”مجھے نہیں معلوم تھا کہ تمہاری کوئی بیٹی بھی  
ہے۔“

”میری بیٹی ہے اور وہ میری غیر تو بچی کا دکھار  
ہی ہوئی ہے اور اسی لیے میں اس تاثرات کو سمجھ سکتی  
ہوں۔“ راحیلہ نے اپنا چہرہ ڈاکٹر کی جانب سے  
موڑتے ہوئے کہا وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے  
چہرے پر بدھ کے تاثرات وہ کچھ سکے۔

”میں مریم کا اور ابھی طرح معائنہ کروں گا  
اور اگر ممکن ہو تو اس سے اسے رات بھر کے لیے ہسپتال  
میں ہی رکھوں گا۔“ ڈاکٹر سلمان نے کچھ دیر غماز میں  
رہنے کے بعد کہا۔ ”میں کوشش کروں گا کہ حقیقت  
معلوم ہو سکے۔“ پھر وہ جاتے جاتے راحیلہ کی طرف  
مڑا تھا۔

”راحیلہ میں جا رہا ہوں جب تم ڈیوٹی سے  
فارغ ہو جاؤ تو مجھ سے مل کر جانا مجھے تم سے کچھ بات  
کرنا ہے۔“

ڈاکٹر سلمان قاتنا کہہ کر اپنے آفس کی طرف  
چلے گئے اور راحیلہ کو احساس ہوا کہ اس کا یہ جھٹکا کہ وہ  
اپنے دکھوں سے آزاد ہو گئی ہے اس کی غلط فہمی ہے  
اسے وہ زمانہ یاد آ گیا تھا جب احسان سے اس کی

شادی ہوئی تھی۔ وہ بہت خوش تھی اسے اپنی زندگی  
میں ایسا خوشی کا تجربہ پہلی بار ہوا تھا اس سے پہلے  
اسے بھی اتنی اہمیت اور اتنا پائیدار نہیں ملتا تھا اسے اچلی  
طرح یاد تھا جب وہ کم عمری میں جب وہ مریم ہی کی طرح  
خونخوردہ تھی۔ اس کی آنکھوں میں بھی خوف اور مسلسل  
انتظار کی کیفیت تھی کیونکہ اسے یہ غیر تو بچی کی طرح  
اور اس کی زندگی میں بھی پیاد کی کمی تھی وہ بھی مریم  
جیسی زندگی گزار رہی تھی اور مریم اور اپنی بیٹی سارہ کی  
طرح دوسروں سے پیاد کی طلب کا بھی جب وہ سارہ  
کو چھوڑ کر آئی تھی تو اس کی آنکھوں میں بھی یہی تاثر  
تھا اسے ابھی طرح یاد تھا کہ بھی کسی ایسی جسمانی غیر  
تو بچی کا دکھار نہیں ہوا تھا بلکہ وہ فنی طور پر نظر  
انداز کی گئی تھی اسے ہمیشہ تنہائی کا خوف ہے ستیا تھا  
اسے معلوم تھا کہ اس کی کسی کو ضرورت نہیں تھی اور کوئی  
اس سے پیاد نہیں کرتا تھا۔

اس کے والد نے اس کی پیدائش سے پہلے  
ہی اس کی ماں کو چھوڑ دیا تھا اور اس کی ماں نے اسے  
اپنی بہن کے حوالے کر دیا تھا اس وقت وہ صرف چھ  
ماہ کی تھی اس کی آغوش نے اسے اپنا لگا تھا وہ اس کے  
لباس اور خوراک کا خیال رکھتی تھی لیکن آتی زندگی  
کے پاس اس کے لیے محبت نہیں تھی وہ اس کی دیکھ  
بھال ڈیوٹی سمجھ کر کرتی تھیں حتیٰ ہی ہار داری کی  
انہیں اپنے شوہر سے کہتے تھا کہ ان کی بہن نے  
ان کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ راحیلہ کی ماں راحیلہ  
کی دیکھ بھال پر خرچ کرنے کے لیے کوئی رقم نہیں  
بجھتی تھی اور سال میں صرف ایک خط بھیجتی تھی۔

اسے بہت کم عمر میں یہ سیکھ لینا پڑا تھا کہ ذرا  
کی پسندیدگی حاصل کرنے کے لیے ایک ہی طریقہ  
ہے کہ وہ غماز اور صاف رہے کسی کوئی وقت لگتی  
نہ ہو اور ضرور نہ کرے اور کسی قسم کا کوئی اور مسئلہ پیدا  
کرے۔

پھر اس نے اپنے ماحول سے بے پروا ہو کر  
محنت کی تعلیم حاصل کی۔ زندگی کی فرینک کی اس  
تمام عمر سے میں اسے بھی سمجھا ہوا نہیں ملا وہ خود  
کو اپنی سہیلیوں میں سب سے کمزور محسوس کرتی تھی  
اور زیادہ دوستیاں کرنے سے گھبراتی تھی جب وہ اپنی  
فرینک مکمل کر چکی تو آگئی زندگی نے احسان کو اس  
کے لیے منتخب کر لیا وہ خود صورت تھا اور راحیلہ کو کسی  
پسند آ یا تھا اور راحیلہ کو اس کے لٹنے کی خوشی تھی  
فرینک بھی اپنی زندگی میں اپنی خوشی نہیں ملی تھی احسان  
اس کی کل کائنات تھا اور احسان سے شادی کے بعد  
اس نے اپنی زندگی کا آغاز کیا تھا احسان نہیں  
چاہتا تھا کہ وہ ملازمت کرے چنانچہ اس نے اس کی  
خواہش کا احترام کرتے ہوئے ملازمت نہیں کی تھی  
اسے خوشی تھی کہ وہ ایک چھوٹے سے گھر میں اپنی  
چھوٹی سی دنیا میں گن گئی وہ گھر جو احسان نے اس  
کے لیے خرید لیا تھا اور اسے بچایا تھا وہ صبح سے شام تک  
گھر کے کام میں مصروف رہتی تھی۔ اور احسان کے  
دفتر سے واپس آنے کا انتظار کرتی تھی پھر جب  
احسان واپس آتا تو وہ خوش ہو جاتی احسان کی غیر  
موجودگی میں اس پر عجیب سا خوف سوار ہوا جیسے وہ  
کسی ناگہان نہیں آئے گا۔ جیسے اس کی موجودگی زندگی  
میں ایک خواب ہو۔ ایک جلد ہو جو کسی وقت بھی  
پھٹنے والا ہو۔

ان کی شادی کا پہلا سال ایک جھینکے میں گذر  
گیا تھا اور راحیلہ کو اس کا احساس بھی نہیں ہوا تھا۔  
دفتر کے اوقات کے علاوہ وہ دونوں ایک دوسرے  
سے جدا نہیں ہوتے۔ انہوں نے ہر فیصلہ ایک  
ساتھ کیا تھا پھر ایک روز احسان نے بتایا کہ وہ بچنے  
میں ایک رات اپنے ایک پرانے دوست کے ساتھ  
شرعاً کھلیا کرے گا اور اس بات نے راحیلہ کو خوفزدہ  
کر دیا اس کا دیکھتے احسان اس سے بور ہو گیا ہے





# ریشم کے دھاگے

ایک بہت ہی خاص، منفرد موضوع پر نیا  
سلسلے وار ناول، معروف قلم کار

روشنائے سبیحہ مہاروی  
کے ہفت رنگ قلم سے.....!

اپنے پسندیدہ ماہنامے 'سچی کہانیاں'  
میں ملاحظہ فرمائیں۔

تھی تاکہ وہ سارا کی خیر میں لگ نہ ہو۔  
”بہت چھوٹی اور محضوم ہے اور مجھ سے  
اس کی پرورش اور حفاظت کے لیے جو کچھ بھی ہو سکا  
میں ضرور کروں گا۔“ وہ بہت سالیانی پہلی کو دیکھ رہا  
تھا اور راحیلہ کی اسے اور بھی سار کو دیکھ رہی تھی اسی  
لمبے اے محسوس ہوا جیسے سارہ احسان کو اس سے دور  
کر دے گی اسے سارہ سے حسد محسوس ہونے لگی لیکن  
جلد ہی یہ خیال اپنے ذہن سے بھٹک دیا اور پھر گھر  
کے کاموں میں مصروف ہو گئی لیکن اب سارہ کی  
موجودگی میں گھر کا کام کچھ مشکل ہو گیا تھا سارہ  
کے کام ہی سے فرمت نہیں ملتی تھی۔ وہ زبوں رہنے  
تھی کی اسے سارہ سے محبت تھی وہ جب گود میں لے  
کر اسے دودھ پلاتی تو اسے دنیا میں سب سے  
خوبصورت اپنی ہی بیٹی تھی لیکن جب سارہ روتی  
تھی تو راحیلہ کو بہت غصہ آتا تھا وہ اسے مارنے کے  
بارے میں سوچتی پھر اسے خود ہی خوف محسوس ہوتا  
بھلا اتنی چھوٹی سی بیٹی مار سے کیا سبق سیکھ سکتی تھی۔  
احسان کا معمول ہو گیا تھا کہ جب وہ گھر  
میں قدم رکھتا سیدھا سارہ کے پاس جاتا اس کو گود  
میں اٹھا کر پیار کرتا اب سارہ کے سامنے راحیلہ پر  
اس کی توجہ کم ہو گئی تھی۔ اور راحیلہ کو اس بات کا دکھ تھا  
پہلے راحیلہ اس کی توجہ کا مرکز ہوتی تھی وہ آتے ہی  
اسے ہاتھوں میں لے کر محکم جاتا تھا پیار کرتا تھا سارہ سے  
دن کا قصہ سنا تھا لیکن سارہ نے اس معمول میں بھی  
تبدیلی پیدا کر دی تھی اب احسان اس کی طرف دیکھ  
کر گھبراتا بھی نہیں تھا بلکہ اس سے بات کیے بغیر  
سارہ کے پاس جاتا تھا اسے گود میں لے کر دیر  
نیک اس سے ٹھیکارتا راحیلہ کو اپنی بیٹی سے حسد  
کرنا عجیب سا لگ رہا تھا لیکن اس کو اپنے اندر سر  
ایجاد نے والے اس جذبے پر کنٹرول نہیں تھا۔  
جب سارہ چھ ماہ کی ہوئی تو اس کے دانت



کا ہر انداز پر پختہ تھا۔

پھر شاید احسان کو راحیلہ کی اس کیفیت کا کچھ اندازہ ہوا تھا اور اس نے راحیلہ سے کہا تھا کہ وہ ایک شام اس کے ساتھ گزارنا چاہتا ہے۔

”لیکن اس کا خیال جنہیں کیسے آ گیا۔“

راحیلہ نے خوشی اور حیرت سے کہا۔

”بس پوچھی میں نے سوچا بہت دنوں سے تمہارے ساتھ کھانا کھائیں کھانے گیا نہ ہی کوئی کچھ دیکھ سکی تو کیوں نہ ایک شام تمہارے نام کر دی جائے۔“ احسان نے ہنسنے سے کہنا۔

”فکرم ہے۔“

”پھر کل شام سفر سے واپسی پر میں جنہیں لے لوں گا۔“ پہلے ہی کسی دیکھ بول میں کھانا کھائیں گے اور بعد میں کچھ دیکھیں گے۔“ احسان نے کہا۔

”اوہو..... واقعی؟“ راحیلہ نے بے چینی سے کہا۔

”لیکن سارہ وہ پریشان ہوگی۔“ احسان نے کچھ ہنسنے سے کہنا۔

”اسے شہناز کو دے جاؤں گی۔“ راحیلہ نے اپنی بیڑوں کا نام لیا جس سے اس کی لالچیں خاصی بے تکلفی تھی اور سارہ وہ بھی کسی حد تک اس سے ناواقف تھی۔

”سارہ پریشان تو نہیں ہوگی؟“ احسان نے فکر مند سی کہا۔

”نہیں، لیکن اول تو وہ اس سے مانوس ہے اور اس کے علاوہ اس وقت تک وہ سوئی جاتی ہے۔“ راحیلہ نے احسان کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا اور یوں اس کا پروگرام طے ہو گیا۔

دوسرے دن راحیلہ نے گھر کا تمام کام چھوڑ دی جلدی مکمل کیا اور بیاباں سی نکال کر پڑا سی وقت سارہ کمرے میں آ گئی اس وقت وہ پڑھ سال کی تھی اور

گھر میں گھوم پھر رہی تھی۔ راحیلہ نے اسے بیز پر بٹھا دیا تھا اور کھانے کے لیے توں پر کھنک لگا کر دیا تھا۔

”سارہ وہ سنہ پرودہ لگا ہوا تھا پھولوں پر کھنک اور زینل لگے تھے۔“

”سارہ ہو..... مجھے مت چھوٹا۔“ راحیلہ نے اسے ڈانٹا۔

”مہی..... مہی.....“ وہ اس کی طرف بڑھی لیکن راحیلہ نے اسے اٹھانے کے بجائے اپنے بال ستوار سے شروع کر دیے وہ مری ویر بعد سارہ نے راحیلہ کے کپڑے پکڑ لیے تھے سارہ مہن اور چینی اس کے لباس پر پرگ کیا وہ اگلے ایک طرف کھڑی ہوئی اور ٹھٹھے سے ساتھ دو کچھ دیکھی کہ اسے لگا بیٹھ سارہ نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے تاکہ وہ احسان کے ساتھ باہر نہ جاسکے پھر اس سے پہلے کہ وہ اپنے ٹھٹھے پر قابو پائی اس کا ہاتھ اٹھا اور سارہ کے گال پر زور دار مٹھا چڑھا لگا وہ گھر گئی اس کا سر ڈریک ٹیکل کے کونے سے ٹکرایا۔ ایک لمحے کو سارہ کو کچھ ہنسنے ہو گیا اور پھر

اس نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ راحیلہ بے حس ٹھوڑی سی حرکت سے اسے حیرت ہوئی کہ اس سے یہ کیا حرکت کر رہی ہو گئی کہ وہ جلدی سے چکی اور سارہ بھی اس میں اٹھا لی اسے اپنے دو بے پر شرمندگی تھی اور وہ

سارہ کو چپ کرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ سارہ کے گال پر اس کی انگلیوں کے نشان پڑ گئے تھے اور سر پر

جہاں سو ڈریک ٹیکل کا کوئی لگا تھا گویا پڑ گیا تھا اور

راحیلہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ زور زور سے روئے اس کے پاس کوئی دوا لیا اس اتنا اچھا نہیں تھا جس کا

مطلب تھا کہ اس کا احسان کے ساتھ باہر جانے کا

پروگرام کام ہو گیا تھا۔

اس شام وہ احسان کے ساتھ تفریح کی غرض سے نہیں جا سکی تھی اور احسان کو فون کر کے بتا دیا تھا

اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ لٹھ میں بے ساختہ حرکت کر رہے تھے۔ ایک ایک ہاتھ راحیلہ کی ناک پر پڑا اور اس کی ناک کی لوہک جھک کر ہاتھ لٹھ کی انگلی کی شدت سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”بس کرو چپ ہو جاؤ۔“ اس نے زور سے کہا اور سارہ کو ہنسنے پر مجبور کر کے سے کل کی سارہ

زور زور سے دور ہی تھی۔ راحیلہ نے تیرہ لپکا لپکا کردہ

سارہ کو چپ نہیں کرانے کی لیکن اس کی چھین تیز

ہوتی جا رہی تھی۔ آخر راحیلہ کو اپنی لٹھ کی احساس

ہوا اور وہ واپس گئی سارہ کو دیکھ لیا۔

”میری بچی! اس نے پیادے سے کہتے ہوئے

اسے سینے سے لگایا لیکن وہ اس کے ہاتھ کو حیرت

سے دیکھ رہی تھی جو لٹھ انداز میں اڑا ہوا تھا۔ سارہ کی

چھین آسمان سے بائیں کر رہی تھیں تب سارہ کو

احسان ہوا کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے۔

”میرے خدا!“ اس کے منہ سے بے ساختہ

لٹکا اسے اندازہ ہو گیا کہ جب اس نے سارہ کو ٹھٹھے

سے ہنسنے پر مجبور کیا تو اس کا ہاتھ سڑک اس کے نیچے آ گیا

اس نے گھر کر سارہ کے ہاتھ پر پکڑ لیا لیکن یہیں

روٹی جا رہی تھی اور گھر گئی تھی اس کی پھر نہیں

آ رہا تھا کہ کیا کرے پھر وہ اسے ایک تفریحی ڈاکٹر

کے پاس لے گئی تھی ڈاکٹر نے بتایا کہ سارہ کا ہاتھ

ٹوٹ گیا تھا۔ یہ تفریحی ہی راحیلہ پر کر رہی تھی۔ وہ

اپنی بچی کا ہاتھ ٹوٹے کاسب بنی کی اس بات کا اسے

بہت صدمہ تھا جب ڈاکٹر نے اس سے پوچھا تھا

کہ یہ حادثہ کیسے ہوا تو اس نے غیر متعلقہ الفاظ میں

گھبرائے ہوئے ڈاکٹر کو بتانے کی کوشش کی تھی

سارہ کو اٹھاتے ہوئے اس سے ہی یہ حادثہ ہو گیا ہے

ڈاکٹر خاموش ہو گیا تھا اور سارہ کے ہاتھ پر پلاسٹر

چڑھا دیا گیا کہ آ کر راحیلہ نے احسان کو فون کر کے

بتا دیا تھا تو وہ گھبرا گیا تھا اور فوراً گھر آ گیا تھا۔

”یہ سب کیسے ہوا؟“ اس نے آتے ہی

گھبرائے ہوئے بچے میں راحیلہ سے پوچھا تھا۔

”سارہ بچہ پر لٹھ کی تین تین کام میں مصروف تھی

کہ یہ کر دیت لے کر نیچے گئی اور ہاتھ میں چوٹ

آ گئی۔“ راحیلہ نے جھوٹ بولا احسان اسے بے چینی

سے دیکھ رہا تھا راحیلہ نے جھوٹ بولی تو وہ تھا لیکن

دل میں دل میں عہد کیا تھا کہ آئندہ وہ ایسی لٹھ نہیں

کرے گی۔

اس واقعے کے بعد سے راحیلہ کے ذہن پر

بوجھ سارے لگا تھا ایک ایسا احساس جرم تھا جس

سے اسے ایک بچے کی لیے پھنکارنا نہیں تھا جس

اگر سارہ کو لٹھ کا کام کرتی تھی تو راحیلہ اسے سزا

دینے سے خوف کھاتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ سارہ

کو پھر ایسی تکلیف پہنچے سال بھر کی ہونے کے بعد

سارہ بچنے لگی تھی اب وہ بڑھ کر چڑچڑا کر خراب

کرتی تھی اور اکثر کوئی برتن یا کوئی کام کی چیز توڑ دیتی

تھی ایسے موقع پر راحیلہ بڑی مشکل سے ضبط کرتی

اور سارہ سے سکون سے بات کرنے کی کوشش کرتے

اسے اپنے سے خوف محسوس ہوتا تھا جس پر اسے

کنٹرول نہیں تھا۔

احسان بھی سارہ کے ساتھ کھینے سے نہیں

تھکتا تھا۔ ایسے وقت میں راحیلہ محض خاموشی ہوتی

تھی دور دور بیٹھی ان دونوں کو کچھ برتنی اور ان کی

محبت سے حسد محسوس کرتی ذاتی تھی۔ احسان گھر

آتے ہی سارہ کے ساتھ کھیل میں مصروف ہوتا تھا

اگر بھی راحیلہ احسان کے قریب آنے کی کوشش بھی

کرتی تو سارہ اپنے ہاتھ سے تھمتے تھمتے ہاتھوں سے دور

کر دیتی تھی۔

”نہیں..... میرے لہو ہیں..... میرے

لہو ہیں..... وہ خدا کوئی اور احسان بننے لگتا۔ اسے سارہ

## غزل

نجمہ خان

محبت کا ششما ہو گیا ہے  
تو پتھر ریزہ ریزہ ہو گیا ہے  
یہ دل پھر آج تنہا ہو گیا ہے  
دکھوں کا اک جزیرہ ہو گیا ہے  
چھپا سورج تو ہر سو سائے پھیلے  
چلتا شہر سیلا ہو گیا ہے  
سراپوں کا سڑکب ختم ہو گا  
سمندر ذہن صحرا ہو گیا ہے  
مگے رتوں کے قصے سننے سننے  
پراتا رخم تازہ ہو گیا ہے  
وہ ہر لمحہ جو گزرا دور ان سے  
حساب جاں سے منہا ہو گیا ہے  
مری آواز تھک کر لوٹ آئی  
کہ جیسے شہر گوگلا ہو گیا ہے  
نظر کیا آئے مجھ کو آئے میں  
جو سرد آہوں سے وعدلا ہو گیا ہے  
گل کر روز دریاؤں کو تجھ  
سمندر اور گمراہ ہو گیا ہے

لیکن کسی بھی مجھے پتہ نہیں کیا ہو جاتا ہے۔"

اے احساس تھا کہ وہ بھی بچپن میں محبت کو  
ترستی رہی تھی اور شاید غیر ارادی طور پر سارہ سے بھی  
وہی سلوک کر رہی تھی جو اس نے کیا کیا تھا حالانکہ  
باہوش دھواں وہ ایسا سوچ بھی نہیں سمجھتی تھی۔ اس کو  
ڈر تھا کہ جس طرح اس نے دوبار سارہ کے ساتھ  
خالدانہ سلوک کیا ہے اپنے بے جا فتنے کی وجہ سے  
نیکل پھر ایسا نہ کرے چنانچہ اس نے اپنا ردِ عمل  
کر لیا تھا دن گزرتے گئے۔ احسان نے وہ ملازمت  
چھوڑ کر دوسری جگہ ملازمت کی اس کی تنخواہ بھی  
پہلے سے زیادہ ہو گئی پھر احسان نے اپنی شادی کی  
ساگرہ چارے لے لیا۔ انگوٹھی دی ان کے گھر  
میں خوشحالی آ گئی۔ راجیل اس کی تبدیلی سے بہت  
خوش تھی۔

"اوہ احسان تم نے مجھے اتنی خوبصورت  
انگوٹھی دی ہے مجھے یقین نہیں آ رہا۔" راجیل نے خوشی  
سے سرشار ہو کر کہا۔

"یہ اس بات کا اقرار ہے کہ تم ایک اچھی  
بیوی ہو۔" احسان نے اس کی انگوٹھوں میں دیکھتے  
ہوئے کہا۔

"تم نے شادی کے بعد سے اب تک مجھے ہر  
نیکن طریقے سے خوش رکھا ہے تم اور سارہ میری  
زندگی کا حاصل ہو۔" احسان نے اس کی ملازمتوں کا  
اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

انگوٹھی کا تختہ پانے کے صرف ایک مہینے بعد  
راجیل بچن میں برتن چھو رہی تھی اس نے انگوٹھی اتار  
کر بچن کی سلیپ پر رکھ دی تھی کیونکہ وہ انگوٹھی میں  
ڈھکی تھی کہ سارہ وہاں آ گئی اور دوڑھ لگنے لگی  
راجیل نے اپنا کام روکا اور دوڑھ لگا لکاس میں ڈال  
کر اسے دیا۔

"کوسا وہ..... لیکن دوڑھ لے کر لوگ روم

نے پہلے کسی اس کو اس طرح تکلیف پہنچائی ہو۔"  
احسان کی اس بات پر راجیل کو سارہ کا ٹوٹا ہوا تھا یاد  
آ گیا اور وہ کانپ اٹھی۔

"میں اسے پھر بھی نہیں پیڑیں گی۔" اس نے  
روہ سے کہا۔

"نہیں! نہیں! یہی تو کرنا ہی چاہیے کیونکہ  
ہم بھی یہی ہے پسند نہیں کریں گے کہ ہماری بچی بدلتی  
اور بدسلوک ہو چلتی ہے! ابھی بائیں کھانے کے  
لیے کسی بھی صبحت بھی کرنا ہوگی۔"

اس واقعے کے بعد سارہ طرے احسان سے  
قریب ہوتی چلی گئی اور راجیل سے دور دور رہنے لگی  
ایک روز جب راجیل بچن میں برتن دھوئے اس میں  
مصروف تھی احسان سارہ کو گود میں اٹھائے اس کے  
پاس آ کر اس سے کہتا بھی جا رہا تھا سارہ اس کی گود  
میں خوشی سے کھلا رہا یاں مار رہی تھی۔

"راجیل میں کچھ کر کے لیے سارہ کو باہر لے  
جا رہا ہوں تم ایک ڈیڑھ گھنٹے سکون سے کام کر سکتی  
ہو۔"

"ٹھیک ہے" اس نے زبردستی مسکراتے ہو  
ئے کہا حالانکہ اس کا دل پاہر ہا تھا کہ وہ بھی احسان  
کے ساتھ جائے۔

اس کے بعد یہ معمول ہو گیا تھا ہر جمعہ کی  
دن احسان سارہ کو کھانے کے باہر نکل جاتا اور راجیل  
ایک کمر میں کام کرتی رہ جاتی ایسا وہ راجیل کو سکون  
دینے کے لیے کرتا تھا لیکن راجیل کی حسد آہستہ  
آہستہ سارہ سے بڑھتی جا رہی تھی وہ اکثر خود کو سمجھاتی  
کہ وہ سارہ سے محبت کرتی ہے سارہ اس کی بیٹی ہے  
لیکن وہ دل کے انگوٹھوں میں جکڑی۔

"سارہ! سارہ! سارہ! میں ہوں تو میرا دل اس  
کی محبت میں تیری سے دھڑکنے لگتا ہے۔" اس نے  
خود سے سرگوشی کی "میں اس سے نفرت نہیں کرتی

کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے پھر اس نے سارہ کی  
چوٹ پر دو لگائی تھی اس کے کپڑے بدلائے تھے اور  
اسے لے کر لیٹ گئی سارہ کا دل دیر اس سے  
ناراض رہی پھر سوئی۔ احسان کے آنے تک راجیل  
کمرے میں بیٹھی رہی اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ  
کیا کرے اسے حیرت تھی کہ اس نے سارہ کو اپنی بے  
دردی سے کیسے باریا اور وہ اپنی بیٹی سے اتنی حسد  
کیوں نہ محسوس کرتی تھی یہ دوسرا سوچ تھا کہ اس نے  
سارہ کے ساتھ ایسا کیا وہ یہ اختیار کیا تھا۔

اس روز جب احسان اس داپہس آ پورا راجیل  
بے اختیار اس کے بازوؤں میں بھول گئی اور زارو  
تظار وہ بھی احسان کی اس حرکت پر ہنسنے لگی  
"ارے ارے یہی کس جاں ہوں کہ جھپٹیں  
آج شام کے پروگرام کو خراب ہونے کا محسوس  
ہے لیکن ہم پھر بھی یہ پروگرام کر سکتے ہیں یہ ٹھیک  
ہے کہ تم گھر میں قید ہو کر رہ گئی ہو یہ وقت ہمیشہ نہیں  
رہے گا۔" احسان نے اسے تسلی دی اور سارہ کی  
طرف براہ گیا۔ راجیل اپنی جگہ خوفزدہ کھڑی تھی اسے  
معلوم تھا کہ احسان سارہ کے گال پر راجیل کی انگلیوں  
کے نشان لگ رہا ہے اور پھر ایسا ہی ہوا تھا۔

"آئیے کیا ہوا؟" احسان نے اس کی طرف  
داہیں آئے ہوئے پر بھاسا کے چہرے پر تشویش  
کے آثار تھے راجیل نے سب بتا دیا اور رونے  
لگی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا میں نے اسے اتنی  
بیزداری سے کیوں مارا؟" راجیل نے روئے ہوئے  
کہا۔ احسان غمزدہ ہو گیا تھا لیکن اس نے راجیل کو  
دلا سارایا۔

"میرا خیال ہے ایسا کسی کے ساتھ بھی ہو سکتا  
ہے لیکن مجھے اپن پر حیرت ہے کہ تم ہمیشہ اس کے  
ساتھ بہت مہربان سے رہتی ہو مجھے بائیں پڑنا کہ تم

میں مت جانا۔" اس نے سارہ کو سمجھا اور پھر برتن دھو کر بیٹھ گئی۔ برتن دھونے کے بعد اس نے اپنی انگوٹھی اٹھانے کے لیے ہاتھ پر دھایا تو انگوٹھی وہاں نہیں تھی اس نے سوچا کہ کہیں انگوٹھی پانی کے ساتھ دلی میں نہ چلی گئی ہو۔ پھر اس نے آدھے گھنٹے تک انگوٹھی ڈھونڈنے کے چکر میں دلی کی مٹائی کی اچانک اسے یاد آیا کہ سارہ کبھی نہیں آئی تھی۔

"اوہ نہیں۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا اور وہ اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ سارہ وہاں نہیں تھی راحیلہ نے محسوس کیا کہ اس کی آواز مسلسل خانے سے آرہی تھی وہ دو دروازوں کی تو سارہ کو انوکٹ کے سامنے کھڑی تھی اور اس کے ہاتھ میں انگوٹھی بھی تھی۔ "بیچارہ سارہ یہاں آؤ!" اس نے سسکراتے ہوئے اسے بلایا اور سارہ کھٹکھٹا کر اس پر پڑی۔ اور انگوٹھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نوٹکٹ میں گر گئی

اچانک اس کے چہرے پر خوف کے آدھ نظر آنے لگے راحیلہ کی کسی فوراً غائب ہو گئی تھی سارہ کو اندازہ ہو گیا کہ اس نے کوئی غلط کام کیا ہے پھر ایک ہی لمحے میں اس نے اپنا کارنامہ چھپانے کے لیے نوٹکٹ میں پانی چھوڑ دیا اور راحیلہ بیچتی ہوئی اس کی طرف بڑھی لیکن وہاں اب کوئی نہیں تھا وہ غصے سے روئے گئی

سارہ اس کی حالت دیکھ کر گھبرا اٹھی اور ہماگ کر بیڑہ روم میں چلی گئی جیسے وہاں چھپنا چاہتی ہو یا اسے وہاں اس کے ڈیڑی مل سکتے ہو جو اسے سراسے پناہیں۔

راحیلہ اس وقت سوچنے بیٹھنے کی صلاحیت کھو چکی تھی وہ سارہ کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی اور کمرہ بند کر لیا پھر الماری سے احسان کی بیلت نکال کر اس کی چابی شروع کر دی وہ بار بار اسے بیلت سے مارتی تھی سارہ دور رہی تھی پھر اچانک راحیلہ کا ہاتھ رک گیا تھا کیونکہ اس کی نظریں سارہ کے گال پر

داخل کرنے کا فیصلہ کر لیا انہوں نے اسے چند روز کے لیے ہسپتال میں داخل کر لیا تھا ان کا خیال تھا کہ اس عرصے میں میں وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی اس کے گال کے ذمہ کا نشان مٹانے کے لیے انہیں وہاں پلاسٹک سرجری بھی کرنا تھا اور ان کا خیال تھا کہ وہ اپنے متعدد میں کامیاب ہو جائیں گے پھر ایک ڈاکٹر احسان سے بات کرنے کے لیے کمرے سے باہر لے گیا تھا اور راحیلہ وہیں کھڑی رہ گئی وہ کسی نہ کسی نوعی اصرار سے معلوم تھا ڈاکٹر اسے ناکام رہا ہے کہے گا اور یہ حقیقت بھی کتنی ہی کاس نے جو حرکت کی تھی وہ کوئی ماں نہیں کر سکتی تھی اس نے اپنا پرس اٹھایا اور ہسپتال سے نکل گیا صرف ہسپتال ہی سے نہیں بلکہ سارا اور احسان کی زندگی سے بھی۔ ان دونوں کے لیے وہ بے بسی رہی تو کئی بار کہیں اسے ماری نہ بیٹھے۔ یہ خطرہ وہ مول لینا نہیں چاہتی تھی اس سے پہلے کہ احسان گھر واپس آ جاوے اس نے اپنا ضروری سامان بیک پاک اور گھر سے نکل گئی۔ وہ احسان اور سارہ کی دنیا سے ہمیشہ کے لیے نکل گئی تھی وہ ان سے محبت کرتی تھی اور ان کے لیے اس نے زیادہ کوششیں کر سکتی تھی کہ اپنا شخص سامان پر اٹھائے۔

اس کے بعد اس نے ہسپتال میں نوکری کر لی اور خود کو اپنے کام میں مہمبک کر لیا۔ وہ بہت محنت اور محنت سے کام کرتی تھی اور ذاتی محنت کے نتیجے میں تنہا جاتی تھی پھر رات کو سونے کے لیے لکٹی تو تنہا کی وجہ سے گہری نیند سوجاتی تھی کہ خواب بھی اسے نہیں سنا سکتے تھے کیونکہ خوابوں میں تو سوائے سارہ کی چیزوں کے اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ یا پھر احسان کی نفرت بھری نگاہیں جن سے اسے خوف آتا تھا۔ اسے ہسپتال میں ملازمت کرتے ہوئے ایک سال ہو گیا تھا اور اس عرصے میں اس نے پہلی

بار ایسی بچی کو دیکھا تھا جو بالکل اس کی سارہ کی طرح خوفزدہ تھی اس رات جب راحیلہ ڈیوٹی سے واپس جا رہی تھی تو ڈاکٹر سلمان کی ہدایت کے مطابق اس سے ملنے اس کے آفس میں گئی۔ ڈاکٹر سلمان نے اس سے اس کے بارے میں پوچھا تو اس نے اپنی ساری کہانی سنا دی راحیلہ کی آنکھوں میں شدت جذبات سے آنسو آگئے تھے۔

"مجھ سمجھتی تھی کہ کوئی ظالم ہاں ہوگی؟ میں اپنی بچی ہی کی دشمن ہو گئی تھی؟ راحیلہ نے روتے ہوئے کہا۔

"دیکھو راحیلہ! تمہیں سارا الزام خود پر ہی نہیں دینا چاہیے۔" ڈاکٹر سلمان نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "تمہیں بچپن میں جو حاملہ ملا اور جس طرح تمہاری پرورش ہوئی اس کا بھی تو اس میں کافی حصہ ہے تم بارہائی میں اپنی بیٹی کے ساتھ وہی سلوک کرتی رہیں جو تمہارے بچپن میں تمہارے ساتھ تھا۔ ہوا میں چھپیں جانتا ہو تمہارے ساتھ ایک سال سے کام کر رہا ہوں تم ایک ہمدرد دل رکھتی ہو لوگوں کی تکلیف پر نہ پڑ پڑا ہو جیسے آج مرنے کے لیے پریشان ہو رہی ہو میں کسی فطری طور پر ظالم نہیں ہوں یقیناً سے کہ سنا کہ تم نے اپنی بچی کے ساتھ جان بوجھ کر ظالمانہ سلوک نہیں کیا ہوگا۔ سارا قصہ اس جتنی باتوں کا ہے جو تم پر سوار تھا۔

"لیکن ہو سکتا تھا کہ اپنی باتیں اس کو لے کر بڑا نقصان پہنچا بیٹھتی۔" راحیلہ نے کہا۔ "میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی مجھے اپنے غصے پر کنٹرول نہیں تھا۔"

"راحیلہ تم جانتی ہو کہ ہمارے ہسپتال میں ایسا شعبہ ہے کہ بچے میں ایک دن ایسی تمام عورتیں جو ذہنی الجھنوں کی وجہ سے اپنے بچوں پر ظلم کرتی ہیں اور اس عادت سے پریشان ہیں اور بچپنا بھڑانا چا

ہتی ہیں یہاں جمع ہوتی ہیں ان کا علاج کیا جاتا ہے اس طرح ان کے ذہن کا بوجھ کم ہوتا ہے اگر تم چاہو تو اس میں شامل ہو سکتی ہو ممکن ہے اس سے تمہاری کچھ مدد ہو سکے۔ ”اگر اکثر مسلمان اسے نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

”نہیں اب بہت دور ہو چکی ہے ہاں اگر ایک سال پہلے مجھے یہ موقع ملتا تو شاید میں اس پر عمل کر لیتی لیکن اب تو میں سب کچھ کھو چکی ہوں اب کیا فائدہ؟ ”راجلہ کے لیے میں مایوسی تھی۔

راجلہ نے ڈاکٹر مسلمان سے ان عورتوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا لیکن وہ خود کو ان کے درمیان شامل کرنے سے نہ روک سکا اور روز بروز یہی اس ہال میں تنگ مٹی جہاں وہ عورتیں جمع ہوتی تھیں شاید اسی طرح وہ خود کو یہ اطمینان دلانا چاہتی تھی کہ اپنی بچی پر تشدد کرنے والی وہ اعلیٰ عورت نہیں ہے بلکہ اسی جیسی اور بھی ہیں جو اس کمزوری کا شکار ہیں لیکن وہ ان کی کہاں کہاں جانا چاہتی تھی۔

جس وقت راجلہ وہاں پہنچ کرے میں چند عورتیں موجود تھیں ان میں تمام مرد اور بزرگ و سب کی عورتیں شامل تھیں۔ ہر ایک نے سسکرا کر اس کا بغیر مقدم کیا تھا اور جواب میں راجلہ نے بھی سسکرانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ جانتی تھی کہ ان کے درمیان وہ خود کو خاصا نہیں محسوس کر رہی تھی۔ اسے زندگی میں پہلے بھی ایسے موقع کا سامنا نہیں ہوا تھا وہ نہیں جانتی تھی کہ ان کے درمیان آنے کے بعد اسے کیسے رویے کا سامنا کرنا پڑے گا لیکن جو کچھ ہوا وہ اس کی توقع کے خلاف تھا پہلے وہ عورتیں آہستہ آہستہ بائیں کرتی رہیں پھر جب ایک عورت نے بتایا کہ اس طرح اس نے اپنے بچے کو مار دیا تو میں نے سنا تو اسے صرف اس بات پر کہ وہ یہ تماشا دور با تھا تو جیسے ہال میں ایک سیلاب آ گیا وہ موجود ساری عورتیں

اپنے اپنے بارے میں مکمل کربات کرنے لگی تھیں اور ہر ایک کی کوشش یہ تھی کہ وہ دوسروں کو یہ سمجھائے کہ اس نے ایسا کیوں کیا وہاں ان کی ڈاکٹر جو باہم نفسیات بھی تھی جو بوجھ کی وہ بہت کم بات کر رہی تھیں اور دوسری عورتوں کو بائیں کرنے پر اکسار رہی اور تمام عورتیں بغیر جھجک کے بول رہی تھیں۔

آخر میں جب ایک عورت نے بتایا کہ اگر نے اپنے بچے کی چٹائی بیٹ سے کی تھی تو راجلہ کہہ محسوس ہوا جیسے وہ اس کی ہی کہانی سن رہی ہو۔ پھر راجلہ کی اپنی سادہ کے بارے میں ان کو بتانے لگی تھی وہ حیران تھی کہ اپنے بارے میں بتانا اب اس کے لیے کتنا آسان ہو گیا تھا اور اس طرح اس کے دل کا تھکاؤ کافی حد تک کم ہو گیا تھا وہ عورتوں کے مختلف سوالات کے جوابات دے رہی تھی پھر ایک نو عمر لڑکی جو یہ مشکل چند روزوں میں اس کی طرف بڑھی۔

”تم کل میری طرح ہو جیسے بھی معلوم نہیں تھا کہ میرے ماں باپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں میں مجھے ایک نیاک احسان ہوا کہ کسی کو بھی میری ضرورت نہیں ہے اور میں نے اپنی بچی کے ساتھ ظلم کرنا شروع کر دیا۔“

ان میں تقریباً ہر عورت یہی بات ہی تھی کہ وہ اس طرح اپنے والدین کی بے وقوفی کا شکار رہی تھی کچھ تو ان کے ماں باپ کے بے جا تشدد کا نشانہ بننا تھا اور کچھ ان کی بے وقوفی کا شکار تھیں راجلہ کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ اس رات اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے ماں باپ سے ضرور ملے گی۔ وہ جانا چاہتی تھی کہ اس کی ماں نے اس سے یوں لاپرواہی کیوں کی تھی اسے کیوں دوسروں کے حوالے کر دیا تھا اور اس کے بارے میں پھر بھی کچھ جاننے کی کوشش نہیں نہیں کی تھی۔

جب وہ اپنی رہائش گاہ پر واپس آئی تو اس نے سب سے پہلے آئی زیر زمین کوٹا کیا وہ اس کی آواز سن کر چونک پڑیں۔ راجلہ نے انہیں ایک سال بعد فون کیا تھا وہ اس کے بارے میں فکر مند تھیں اور اس کی خبریت کے بارے میں بھی سوال ایک ساتھ پوچھ بھی گئی لیکن راجلہ نے ان کے سوالوں کو نظر انداز کر کے صرف ایک ہی بات پوچھی تھی کہ اس کی ماں کہاں ہے؟

”تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟“ آئی زیر زمین نے حیرت سے پوچھا۔

”آپ صرف یہ بتائیں کہ وہ کہاں ہیں؟“ راجلہ نے تجزیے سے کہا اور ان کا جواب سننے کے بعد راجلہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ اس کی والدہ اسی شہر میں موجود تھیں اس نے آئی زیر زمین سے ان کا ایڈریس لیا اور دوسرے ہی دن اسپتال جانے کے بجائے اپنی ماں سے ملنے اس ایڈریس پر پہنچ گئی یہ شہر کا ایک گھمان آباد علاقہ تھا جہاں اس کی والدہ رات ہی تھیں اس مکان کے باہر کڑے کے ڈھیر تھے وہاں کی گلیاں بہت چھوٹی اور تنگ تھیں۔

جب وہ مکان پر پہنچ کر دے رہی تھی تو خود کو بہت زبردست محسوس کر رہی تھی اس کی ماں نے جب اسے چھوڑا تھا تو وہ چھ ماہ کی گھاسی اپنی ماں کی شکل یاد تھی حالانکہ بچپن میں وہ اس سے ملنے کی بار آئی زیر زمین کے باپ کی لیکن بعد میں انہوں نے آنا بند کر دیا تھا کچھ توقف کے بعد دروازہ کھلا اور ایک اڈیٹر محرومت باہر آئی وہ پہلے کیلے پکڑے بیٹے ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر ہجر میں تھیں اور بال بچے ہوئے تھے جس سے وہ ابھی دو سالہ کے لڑکے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اچھی دو سالہ کے لڑکے بننے کے بعد ستر سے نکل آئی ہو۔

”تم کون ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”میں راجلہ ہوں۔“ اس نے جواب دیا ”کون راجلہ؟“ عورت نے بے اعتنائی سے پوچھا۔

”پہلی بچی“ راجلہ نے آفسو پیڈ کرتے ہوئے کہا اور بڑھی گئی کہ عورت کے چہرے پر حیرت کے آثار نمایاں ہو گئے بھرہ تجزی کی سر میں جانے کے لیے مڑی تھی۔

”آؤ..... آؤ..... اندر آؤ“ اس نے کہا ”مجھے امید تھی کہ تم ایک دن ایک دن مجھ سے ملنے ضرور آؤ گی۔“

راجلہ نے دلی سے اندر داخل ہوئی تھی اور ایک کمرے پر پہنچ گئی۔ وہ مکان کا جائزہ دے رہی تھی اس کے سامنے لڑکی عورت اس کی ماں تھی اور راجلہ کو حیرت تھی کہ اس نے راجلہ کو پیار سے گلے نہیں لگایا تھا۔

”اچھا اب بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو؟ تم نے دیکھ لیا کہ تمہاری ماں کیسی ہے۔ کیا اس سے تمہیں خوشی ہوئی؟“ اس نے کہا۔

”میں یہ جانا چاہتی ہوں کہ آپ نے مجھے کیوں چھوڑا تھا؟“ آپ نے مجھے خود سے الگ کیوں کیا۔ مجھے وہ محبت نہیں دی جو آپ کی بچی ہونے کے ناطے میرا حق تھا مجھے دوسروں کے رحم و کرم پر کیوں چھوڑ دیا جبکہ میں صرف چھ ماہ کی تھی میرے والد ان کوٹوں میں نہ بھی دیکھا ہی تھیں۔“

راجلہ نے دل کی ساری بھڑاس نکال دی راجلہ کی بات سن کر اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔

”تمہارے والد؟“ وہ تو تمہارے متعلق کچھ نہیں جانتے انہوں نے جب چھوڑا تھا تو میں انہیں یہ بھی نہیں بتا سکی کہ میں ان کی ایک امانت اپنے اندر چھپانے ہوئے ہوں۔“ اس کی ماں نے

کہا پھر وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔

”میں ان سے بہت محبت کرتی تھی“ اس نے پھر بولنا شروع کیا ”لیکن مجھے بھرنے کی لت دینی انہوں نے مجھے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکے یہ نہ تو نہ جانے کتنے گھروں کو آگ لگا چکا ہے اس نے میرے گھر کو بھی جلا دیا اگر انہیں تنہا رہے بارے میں پتہ چل جاتا تو شاید وہ مجھے نہ چھوڑے لیکن وہ مجھ سے ایسا نہ دیکھتے تھے اور میں بہت خوش فرد بھی تھی مجھے معلوم تھا کہ انہیں اولاد کی شدہ خواہش بھی وہ میں ان سے چھین لی تھی میں نے انہیں چھپا دیا میں نہیں چاہتی تھی کہ انہیں تنہا رہے بارے میں پتہ چلے۔“ راحیلہ حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے اپنے دالے والے اس کے والد سے اس کی ماں نے اسے چھپا دیا تھا اسے ایک لمحے کو ان سے نفرت کا احساس ہوا۔

”آپ نے مجھے کسی جیم خانے میں کیوں داخل نہیں کر دیا؟“ راحیلہ نے غصے سے پوچھا۔  
”میں تم سے بہت پیار کرتی تھی۔“ انہوں نے جواب دیا ”انہوں میں آج بھی ہے۔“  
”میں نہیں تنہا رہنے والہ سے چھپنا چاہتی تھی کہ وہ مجھ میں جیسے جیسے نیکیں اس لیے اپنے پاس نہیں رکھ سکتی تھی اور چاہتی تھی کہ تنہا رہے بارے میں باخبر ہوں اور مجھے پتہ رہے کہ تم کہاں ہو کس حال میں ہو جب تم نرس میں تو میں بھی خوش ہوئی تھی اور جب تمہاری شادی ہوئی تب بھی مجھے بہت خوشی ہوئی تھی میں نے تمہاری آخنی ذریعہ سے تمہاری شادی کی تصویریں بھی لی تھیں۔“

”اگر آپ کو میری پروا بھی تو آئی ہے مجھ سے اتنی کیوں نہیں میں اور آخنی ذریعہ کو یہ بتانے سے کیوں روکے رکھا کہ آپ کہاں ہیں؟“ راحیلہ نے

تیزی سے کہا۔

”تم کتنی بھی ہو کیا میں تمہیں اس طرح اپنے ساتھ رکھ سکتی تھی۔“ انہوں نے اپنے چہرے سے ٹوٹے ہوئے نیکیوں میں مارے مارے بھرنے کے لیے چھوڑ سکتی تھی؟ جیسے میں بھرتی ہوں۔“ ان کی آنکھوں سے اب انکڑا آنسو بہنے لگے تھے۔

”میں جانتی ہوں میں کیا تھی مجھے نشہ کی لت لگ گئی تھی اسے میں چاہے ہوئے بھی چھوڑ نہیں سکتی تھی اور خاص طور سے تمہارے والد سے علیحدگی کے بعد میں خود کو کمزور محسوس کرنے لگی تھی لیکن مجھ میں تم سے دلچسپی رہی ہے کہ اس لیے خود سے دور کیا تھا کہ تمہاری پرورش انہیں ہو سکے جیسے میں انہیں زندگی نہ سکے۔“

ان کی باتوں سے راحیلہ آہستہ آہستہ متاثر ہو گئی اور اس نے انہیں گلے لگالیا۔

”کاش ہم پہیلے مجھے ہوتے تو میں آپ کو یوں تنہا زندگی گزارنے نہ دیتی۔“ راحیلہ نے کہا اسے خوشی تھی کہ وہ اپنی ماں سے مل گئی اور اب اسے اپنی ذمہ داری سمجھ رہی تھی۔ وہ اپنی ماں کا سہارا بننا چاہتی تھی اسے احساس ہو رہا تھا کہ جس طرح وہ سارہ کو چھوڑ کر آئی تھی اسے نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔ اسے اپنے رویے پر افسوس ہو رہا تھا وہ سوچ رہی تھی کہ جس طرح وہ اپنی ماں کی طرف سے بدگمانی کی کل کو اس کی سارہ بھی اس سے بدگمان ہو گئی تھی اسے ایک جاگ احساس ہوا کہ وہ جس طرح خاموشی سے اپنی بچی اور شوہر کو چھوڑ کر آئی تھی اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا اس نے اپنی ماں کا انجام دیکھتے ہوئے غصہ کر لیا کہ وہ ادھر جائے گی اور اپنی بچی پر ثابت کرے گی کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے وہ اس

کے ذہن میں ابھی یادیں محفوظ کرنا چاہتی تھیں لیکن اسے لگتا تھا کہ وہ احسان کا سامنا کیسے کرے گی اور ڈر تھا کہ شاید احسان اسے بھی معاف نہ کرے۔  
”میں بہت جلد آپ سے ملنے آؤں گی۔“  
اس نے اپنی ماں سے کہا ”آپ میرے ساتھ رہیں گی“ راحیلہ نے کہا تو اس کی ماں کی آنکھوں میں زندگی کی چمک آ گئی۔

چند ہی روز بعد راحیلہ اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی ہو گئی کچھ عرصے کے اندر داخل ہونے کی اجازت کی ضرورت ہو اسے امید تھی کہ احسان گھر پر نہیں ہوگا کیونکہ یہ اس کے آفس کا نام تھا پھر اس کی نظر لان میں چلی گئی ہوئی سارہ پر پڑی اور اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا وہ وہاں نہ اس کی طرف بڑھی۔

”سارہ!“ اس نے پیار سے پکارا اور سارہ نے اس کی آواز پر سر اٹھا کر دیکھا دوسرے ہی لمحے میں اس کے چہرے پر مسکراہٹ چمک اٹھی تھی۔

”جی.....“ وہ سوچ کر اس کے بازوؤں میں آ گئی اور اس سے چٹ کر رونے لگی۔ راحیلہ نے اسے منبھلی سے پکڑ لیا اور انہیں بند کر دیں وہ اپنی بچی کو سینے سے لگا کر سکون محسوس کر رہی تھی اسے یاد تھا کہ کب وہ سارہ کو کس حال میں چھوڑ کر گئی تھی۔

”سارہ میں ابھی کھر واپس نہیں آئی ہوں۔“ لیکن میں تم سے ملنا چاہتی تھی۔“ راحیلہ نے کہا۔  
”کیوں آپ گھر واپس کیوں نہیں آئی ہیں؟“ سارہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ”میں آپ کو گھر پر دیکھنا چاہتی ہوں۔“ اس نے منہ ہموارے ہوئے کہا۔

”اور میں بھی یہی چاہتا ہوں راحیلہ۔“ احسان کی آواز پر راحیلہ چونک پڑی، وہ اس کے سامنے کھڑا تھا ہمیشہ کی طرح دھندلے اور پر اعتماد وہ

اسے دیکھ کر کتنے کے عالم میں ایک ہی جھلک کھڑی رہ گئی وہ اسے دیکھ کر پیار سے مسکرا رہا تھا ہمیشہ کی طرح۔

”اوہ! اتنا جلد کچھ ہو جانے کے بعد تم مجھے کس طرح اس گھر میں دیکھنا چاہتے ہو؟“ راحیلہ نے افسردگی سے کہا۔

”کیا سارہ باتیں یہاں کھڑے کھڑے ہی کر لؤ گی؟ چلو اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔“ احسان نے کہا اور وہ سارہ کا ہاتھ تھا احسان کے پیچھے چلتی ہوئی گھر میں داخل ہو گئی۔ پھر وہ رات گھر میں آ بیٹھے تھے۔

”میں اور سارہ تمہاری ذہنی کیفیت کو سمجھ سکے ہیں۔“ احسان نے راحیلہ کے کاندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”میں نے کئی لوگوں سے تمہارے متعلق بات کی جس سے تمہاری کیفیت سمجھنے میں بہت مدد ملی اور مجھ سے کہا گیا کہ میں جتنا تم پر دباؤ ڈالوں گا تمہاری کیفیت مزید پریشان کن ہو جائے گی چنانچہ میں نے خاموشی اختیار کر لی مجھے معلوم تھا کہ تم ایک متحاشی اسپتال میں ملازمت کر رہی ہو میں نے خود کہیں کسی سڑک پر ایک مناسب نہیں سمجھا میں چاہتا تھا کہ گرفت کر کے اسے ساتھ ساتھ نہیں خود اپنی طبی کا احساس ہو جائے اور تم اپنی ذہنی کیفیت پر خود ہی قابو پاؤ تو بہتر ہے جب اپنے ذہن سے اپنی عقلی کا ادراک کر لی اور ازالہ کر لؤ گی تو آئندہ پھر نہیں بھگو گی۔“

”لیکن میں سمجھتی ہوں کہ ابھی میں اس کیفیت سے آزاد نہیں ہوئی ہوں۔“ راحیلہ نے اداسی سے کہا۔

”میں پہلے کے مقالے میں خود کو زیادہ سمجھنے لگی لیکن اب بھی میں سمجھتی ہوں کہ ایک بائبل

زندگی گزارنے کے لیے بے پناہ کافی ہے۔“

ڈاکٹر سلیمان کا خیال ہے کہ مگر کے ماحول میں واپس آ کر ہمارے لیے کئی تبدیلیاں ثابت ہوگا۔ احسان نے کہا تو راحیلہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

”ڈاکٹر سلیمان؟ تم..... تم انہیں جانتے ہو؟“

”تم کیا سمجھتی ہو کیا میں اسے عمر سے تم سے بہتر رہ سکتا ہوں؟ احسان نے ہنستے ہوئے کہا۔

”لیکن تمہیں کیا پتا ہے کہ میں کس اسپتال میں ہوں؟“ راحیلہ نے پوچھا۔

”میں اب بہت زیادہ اسپتال تو ہیں نہیں اور آئی ڈی زریہ بھی پورے شہر میں ایک ہی ہیں۔ جو بتا سکتی ہیں کہ تم کہاں لوگوں کے جانے کے چند ماہ بعد ہی مجھے پتہ چل گیا تھا کہ تم کہاں ہو۔ احسان نے اپنا ہیبت سے کہا۔

”پھر تم نے مجھ سے ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔“

”ابھی تو جنمیں بتایا کہ میں چاہتا تھا کہ تم اپنا راستہ خود منتخب کرو اور اپنے مسئلے خود حل کرو۔ پھر ڈاکٹر سلیمان نے مجھے فون کیا کہ تمہاری آئی ڈی زریہ سے بھی میں ملتا رہتا تھا۔ ڈاکٹر سلیمان نے مجھے تمہارے متعلق بتایا مجھے تمہارے پل پل کی خبر دی گئی تھی۔“

”اور میں مجھ رہی تھی کہ میں تم سے دور بھاگ رہی ہوں۔“

”تم جتنا مجھ سے دور ہو رہی تھیں میں تم سے اتنا ہی قریب ہو رہا تھا۔“

”تم مجھ سے قریب ہو رہے تھے اس کے باوجود وہ بت سے اپنے دن جو ہماری زندگی میں یادگار ہو سکتے تھے اس کا گڑبڑ میری عمر کے ساتھ گزرا، دن، دن کی ساتھ گزرا، دن، دن کی ساتھ گزرا، دن اور ہماری شادی کا دن سب یوں اداں گزرا دے میں جنہوں نے تمہارے اور مادہ کے

بارے میں سوچتی رہی تھی اور میرے دل میں حسرت بھری خواہش ہوئی کہ کاش اس موقع پر میرے اپنے بارے میں جاننے والے میرے ساتھ ہوتے جو ان لحاظ کو یادگار بنا دیتے۔“ راحیلہ نے قریب بھی ساتھ کو پیاد کرتے ہوئے کہا جو خاموشی سے اس کا ہاتھ تانے لگی تھی اس کا ہاتھ میں رہی تھی۔

”یہ تو ابھی ہو سکتا ہے چند روز بعد چنانچہ شرو ع ہو رہا ہے ہم نے سال کی خوشیاں منا سکتے ہیں اور ایسے کہ وہ یادگار ہو جائیں۔“ احسان نے محبت سے بھرے لہجے میں کہا۔

”یہ تو بہت اچھا خیال ہے کیوں مادہ؟“ راحیلہ نے مادہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کی ایسی۔۔۔ میرا بھی یہی خیال ہی جا رہا ہے کہ میں اچھے اچھے لوگوں سے بہن کر آپ کے ساتھ میرے لیے جاؤں۔ ہم لوگ باہر ہی کھانا کھا میں گے کتنا مزہ آئے گا۔“ مادہ نے خوشی سے ٹالیاں بجاتے ہوئے کہا۔

”تو پھر تیار یاں شرو ع کر دیں؟ احسان نے جلدی سے کہا۔

”میری ایک چھوٹی سے درخواست ہے احسان اگر تم قبول کر لو۔“ راحیلہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”کہو۔ کیا بات ہے؟“

”میں اپنی اپنی سے لڑتی تھی۔ وہ اسی شہر میں ہیں۔“

”وہ بہت ابھی بات ہے۔“

”میں جانتی ہوں کہ اگر وہ ہمارے ساتھ رہیں۔ وہ اب بھی رہتی ہیں اور انہیں دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔“

”تو تم انہیں اپنے ساتھ رکھ سکتی ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔۔۔ میرے لیے وہ میری ماں کی

طرح ہوں گی میں ہمیشہ ان کا خیال رکھوں گا۔۔۔ مجھے نہیں تھا کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہیں۔ آئی ڈی زریہ نے اس میں کہا تھا کہ انہوں نے ہمیں پالا پوسا ہے اور تمہاری ساری ذمے داری وہی اٹھاتی ہیں۔“

”ہاں۔۔۔ انہوں نے مجھے بھی میری والدہ کے بارے میں زیادہ نہیں بتایا تھا لیکن اب جب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو سب سے پہلے میں نے آئی ڈی زریہ سے اپنی والدہ کے بارے میں پوچھا اور ان سے لی وہ مجھ سے محبت کرتی ہیں۔ بھلا کوئی ماں اپنی اولاد کو بغیر کسی وجہ کے خود سے جدا کیسے کر سکتی ہے میں کی اور وقت تمہیں تفصیل سے ان کے بارے میں بتا دوں گی۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔ تو ابھی چلیں ان کو لے لے؟“ احسان نے بے مبری سے کہا۔

”نہیں میں کل آؤں گی پھر انہیں لائیں گے۔“ راحیلہ نے جواب دیا۔

”میں آپ کو اب نہیں جانے دوں گی۔“

مادہ نے روتے ہوئے کہا

”آپ کہیں تو پھر نہیں آئیں گی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں مادہ پہلے کی طرح اپنی ماں سے ایک بار پھر محروم نہ ہو جائے۔“

”نہیں۔ میں کل آ جاؤں گی۔“ راحیلہ نے کہا۔

”اگر وہ مدد کر رہی ہے تو کچھ دیر صبر جاؤ جب وہ سو جائے تو چلی جاؤ۔ احسان نے آہستہ سے کہا۔ اور راحیلہ نے اثبات میں سر ہلادیا۔

اس رات مادہ کے سونے کے بعد احسان اس کے پاس آ بیٹھا تھا اور وہ درجہ گزرتے گزرتے کی باتیں کرتے رہے تھے احسان نے اسے بتایا کہ کس طرح راحیلہ کے جانے کے بعد اس کا ایک

ایک لمحہ اس کے بچہ اور اس گزرا۔ اسے انہوں تھا کہ مادہ کی محبت میں وہ راحیلہ کو بائیں فراموش کر بیٹھا تھا جس کا احساس اسے راحیلہ کے جانے کے بعد ہوا تھا۔“

”اچھا احسان اب میں چلتی ہوں کل اپنی رہائش اور درکار کے کی ادائیگی کرنے کے بعد میں اپنی ای کو اپنے ساتھ لے کر شام سے پہلے آ جاؤں گی۔“

”اگر میری بات مانو تو ایک مشورہ دوں؟“

”جی۔ کیا مشورہ؟“

”کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس وقت نہ جاؤ بہت دیر ہو گئی ہے میں تمہیں اس لیے بھیج سکتا کہ اسے مار دے۔“

”سوچنے سے اسے بھی اکیلے چھوڑ دیا جانا مناسب نہیں ہے۔“

”پھر تم نے اسے کی اور نہیں نہیں پائے کی تو بہت دوسے کی ہر کچھ کی کام کریں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“ راحیلہ نے آہستہ سے کہا

کیونکہ اس کا دل بھی نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ ایک بار پھر انہیں کی طرح کھر سے چلی جائے اب جب احسان نے اسے ارادہ کیا تو وہ اپنے دل کی خواہش کو بھی دیا نہیں سکی۔

دوسرے دن احسان راحیلہ کی والدہ کو اپنے گھر لے آیا تھا۔ راحیلہ کی بھینجی رہائش کی مالک کا حساب سے بات کر کے اس کا منتظر سامان اٹھا لایا تھا راحیلہ نے اپنے گھر کا ایک کمرہ اپنی والدہ کے لیے آراستہ کر دیا تھا وہ بہت خوش تھیں انہیں ایک طویل عرصے کے بعد اپنی جی کے ساتھ رہنا نصیب ہوا تھا۔

”کل انہیں دیکھ رہے تھے۔ کل رات ہم باہر کھانا کھا لیں گے اور نئے سال کی خوشیوں کے ساتھ ساتھ ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔“ احسان نے کہا۔

”انشاء اللہ تعالیٰ یہ آغاز مبارک ثابت ہوگا



## ابھی امکان باقی ہے

قسط 18

~~~~~

ان کرداروں کی کہانی جو معاشرے میں بکھرے پڑے ہیں
مگر جب یہ کردار اور جو اس تو مزید کا ابھی امکان باقی رہتا ہے...

~~~~~

"اس سے پہلے کہ اس گھر میں کوئی طوفان  
آجائے جہیں اس گھر سے جانا پڑے گا۔" شادرم کے  
اوپر پیسے کرے کی پخت آ پڑی تھی۔ وہ خواہاں ہوا  
سزا سہ ماہی بی جان کو دیکھ رہا تھا۔  
"میں..... میں..... اس گھر سے..... چلا  
جاؤں.....؟" لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے۔ اس کا  
گربہ کر اور ہاتھا۔ اور بی بی جان بھی اس کی ہم کھیں  
تھیں فرق صرف یہ تھا کہ وہ اپنی کراچی اپنی آہیں  
اسے دل میں دے رہے تھیں۔  
"بی بی جان..... میں کیسے؟" اور کیوں؟ میرا  
تھوڑا کیا ہے؟" وہ یکدم ان کے قدموں میں آ بیٹھا۔  
"تھوڑا جس کا بھی ہے سزا میرے قدموں میں ہی  
آئے گی میرے بچے..... میں نہیں خود سے جدا  
کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتی میری ممتا ہے۔  
تمہاری جداگی سبب اتنا مشکل نہیں ہوگا جتنا مشکل  
میرے کو اپنی نظروں کے سامنے رکھنا۔"  
"کے..... کیا؟ مطلب؟ ہر..... پڑنے..... نے

اور ہم آئندہ زندگی ایک جیسی کی طرح گزاریں  
گے۔" راجیلہ کی والدہ نے کہا تو راجیلہ نے ان کے  
مجھے میں نہیں ڈال دیں۔  
"راجیلہ اب تم گھر آ جی ہو اب سب کچھ  
میں خود سنبھال لوں گا۔" احسان نے کہا اور راجیلہ کو  
احسان ہوا کہ وہ اس کے مسائل حل کرنے میں جتنی  
دیکھی رکھتا ہے۔ راجیلہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے  
اور وہ احسان کے کان دے کر سرکہ کر دینے لگی اسے  
اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا اس نے احسان کو کیسے  
میں غلطی کی تھی وہ تو اس سے محبت کرتا تھا اور اب بھی  
اس کا منتظر تھا راجیلہ کو دوسرے دیکھ کر سارہ نے اپنے  
چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف  
کر دیے تھے۔  
"مکی آپ نہیں روئیں اب تو آپ گھر آ جی  
ہیں۔" اس نے راجیلہ کو پیار کرتے ہوئے کہا اور  
راجیلہ نہیں پڑی۔  
دوسری رات احسان پوری نیلی کے ساتھ ڈنر  
پر گیا تھا شادرم کے پریشانی تمام پر ابھوں نے  
کھانا کھا لیا تھا۔ سارہ اپنی ماں کے ساتھ باتوں میں  
ایسے شہک مچا رہی تھی کہ وہ سن لینی بی بی جی ہوا اور  
احسان راجیلہ کا ہاتھ تھامے چل دی کر تا ہوا کھلے  
آسان کے بچے ہزار میں آ کر آ ہوا تھا۔  
"دیکھو احسان سارہ کو خوش کنی ہے۔" راجیلہ  
نے خوش دلی سے کہا۔  
"ہاں آج اس کے چہرے پر کتنا طمینان  
ہے شاید وہ مکی اس بات کو محسوس کر رہی ہے۔ کہ ابھی  
کی تانی کے ہمارے ساتھ ہونے کی وجہ سے یہ فیملی  
مکمل ہو گئی ہے وہ بھی اس کے ساتھ خوش ہیں۔"  
احسان نے کہا۔  
"ابھوں نے ایک طویل عرصہ تنہا گزارا ہے  
اب انہیں احساس ہوا کہ ان کا وہ فیصلہ غلط تھا۔"

☆☆☆



ہو ایک دم پلٹ کر لاؤ گے کہ صوفیوں نے پھر سے دھمے دیے۔  
 لی بی بی جان بھی اسی کے پیچھے آئی تھیں۔ ”کاش! میں  
 نہیں اس وعدے سے آزاد کرنے کا جھوٹا رشتہ بناتی  
 رہتی۔ مگر یہ شرط مجھے اجازت نہیں دے گا کہ  
 ہم دوسرے کی بدسلوکی کے جواب میں اپنا اخلاق  
 خراب کر لیں۔“ لی بی بی جان اس کے قریب بیٹھ کر اس کا  
 کھانا کھاتے ہوئے اس کی بات سن رہی تھیں۔  
 کہ میں ساری حقیقت جان کر بھی اسی کے ساتھ  
 صوفیوں کو مل رہی ہوں۔ ”وہی دھمے روکنے کے لیے۔“

”پھر اس میں اور ہم میں کیا فرق رہ جائے گا  
شارم!“

”میں بھی انسان ہوں۔ میں ثابت قدم نہیں رہ  
 پاؤں گا بی بی جان۔“ وہ بے بسی سے ان کے سامنے  
 جھلبلیا تو بی بی جان نے نظریں چرائیں۔

”میں نے یہ سنا ہے کہ تم نے اپنے بچے کے لیے  
 ام کا نصیب کیا ہے یہ تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن میں  
 تمہارے گھر کا نوٹا برداشت نہیں کر پاؤں گی۔“ وہ  
 یکدم اس کے پاس سے اٹھ گئیں۔ صاف محسوس  
 ہو رہا تھا ان سے خطہ کا ناشکل ہو رہا ہے۔“

”مگر..... بی بی جان.....“ وہ کپکپاہٹ میں تھا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر خاموش رہنے کا اشارہ دیا۔

”شاد رہی الحال تمہیں وہی کہتا ہے جو میں نے کہا ہے“ وہ قطعیت سے کہہ کر اوپس سڑیں۔  
 ”خدا کے لیے بی بی جان مجھے میرے رشتوں سے جدا مت کیجیے۔“ وہ لپک کر ان کے آگے جا کھڑا ہوا۔ انرا زہمت آہر تھا۔

”یہ رشتوں کو بچانے کی ہی تو کوشش ہے۔ تم جانتے ہو کہ ہمارے خاندان میں رشتے توڑے نہیں جاتے بلکہ ٹوٹے رشتے جوڑے جاتے ہیں۔ بس شام اس سے آگے کچھ مت کہنا۔“ بی بی جان نے اپنی بات ختم کی اور جا کر اپنے کمرے میں بند ہو گئیں۔ محسن اور







کر کے کرے سے کل گیا۔

☆ ☆

دروازہ آتی زور سے بند ہوا تھا کہ اس کی دھمک اپنے کرے میں پیٹھ سے نہ لگی تھی اور اردوئی نے بھی.....

”مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ ہرینہ بھائی نے ایسا کیوں کیا۔ حسب تو ان کی بہت ریسپیکٹ کرتے تھے اور..... اور انہی کی وجہ سے وہ بھی کبھی..... ہرینہ بھی انہی کے ساتھ ”ام نہایت دکھی کیفیت میں تھا۔ اپنی سخت باپنی کی خوشی انہی کے دکھ کے آگے بکھر رہی تھی۔ اردوئی اس کا کھوکھوٹا کر رہی تھی۔

”ہم! میں تو کچھ کیسے کی پڑیشن میں ہی نہیں ہوں۔ میں بی بی جان کے لیے پریشان ہوں انہیں نے خود ان کی باتیں کی تھیں..... پتہ نہیں کیسے انہوں نے خود کو سنبھالا ہوا ہے۔“ اردوئی کی آواز بولنے بولنے رندہ گئی تھی۔ وہ اپنی کیفیت کو ظاہر نہیں کر پارہی تھی ہرینہ بھائی اس کے ساتھ جھپکی جھپکی باتیں افراد خاندان کے لیے ان کا غلوں و توجہ کی نظر آتی تھی۔

”بی بی جان بہت بہادر ہیں۔ وہ جلد ہی خود کو سنبھالیں گی مگر تو انہی کی ہے۔ وہ یہ سب جان کر کیسے رہی ایک کرے کی۔ آئی ڈاؤن تو“

”ہاں..... ہاں.....“ اردوئی نے تانم کے بڑا صبر سے دہرایا۔

”آجیں احساس کیوں نہیں ہوا کہ ان کا ایسا عمل صرف انہی کی سہ تو نہیں کرے گا بلکہ ان کا گھر ان کی آزادی زندگی کی ہر شے میں پڑ جائے گی۔“ انہی خود کو اس صدمہ سے بچ نہ سکیں پڑا ہوا تھا۔ اردوئی اسے سمجھانے میں لگی تھی۔

”میں انسان جب تو عرض ہوجاتا ہے تو اس نے اپنے نقصان کا خیال نہ جاتا ہے اور دوسرے کے۔ ہر حال آپ سب سمجھ کر ہر چھوڑ دیجیے اللہ اللہ انہی کے لیے کچھ کرنا نہیں ہوگا۔“

”انشاء اللہ..... آؤ بیٹھے چلتے ہیں۔ بی بی جان کو تجنا نہیں چھوڑنا چاہیے۔“ انہی خود سے بولا اپنی اسلک لے کر شہت سے اٹھ گیا۔ ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق کچھ دن بھی اسے چھڑی کا سہارا لے کر چلنا تھا اور بی ڈاکٹر اس کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔

☆ ☆

ہرینہ کو کچھ نہیں آ رہی تھی کہ تو کیا کرے۔ اپنا ہر پاسہ پکڑے بیٹے یا ان لوگوں کے سامنے کوڑا لے..... انہی اس کے رشتے اس کے اپنے ہاتھوں چاہی کی طرف دیکھتے گئے تھے۔ وہ تو اس خام خیالی میں تھی کہ فاقہ اور انہی کے درمیان کھڑی انا خدا کی دیوار کو وہ ایک بڑی بی بی تھیں جن کے انہی کی زندگی سے فاقہ کو دور کر دے اور اپنی بہن شہرینہ کو اس کے قریب کر کے نہ صرف بہن کا مقدر بدل دے گی بلکہ خود کو کھلی مقدر کا سکندر ثابت کرے گی کیسے وقت ان کا چال چلتا ہے اور نصیب کو کھسا بدلنا تو بہت دور پڑتا ہے۔ ہرینہ اپنی ہی کوشش کرنا چاہتی تھی۔ اسے ابھی خود پر بھروسہ تھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح وقت اور زندگی بدل لے گی وہ کرے سے فوراً نکل کر بی بی جان کے کرے میں گھسی۔ وہ اپنے کرے میں نہیں تھیں وہ اور دوسرے بھاری سے بھائی

دو چاند اور دایں بائیں آتی تھیں۔ انہی کی کھڑی تھی۔

”ہاں.....“ وہ دروازے میں ہی رک گئی۔

”وہ انہی کے پاس چلی گئی ہیں ان کا یہاں ٹھہرنا مناسب بھی نہیں تھا۔“ منس نے پہلی بار اس طرح بتائے کچھ میں بات کی۔

”ہم!..... میں..... میں نے..... کچھ نہیں کیا۔“ ہرینہ معلوم کرنا۔ حق اور شہرینہ کی اور کیسے..... میرا کیا قصور ہے بھائی..... مجھے کیوں سزا دے رہے ہیں۔ لوگ..... وہ عظیم ہیمن کا دل نرم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”ہرینہ مجھے مٹائیاں دینے کا کیا فائدہ ہے۔ کرتا ہے تو بی بی جان کا دل صاف کر دیتا ہمارا یا نہیں سن کر ان کے دل کو بہت تھیں پیچھی ہے۔“ منس کا رویہ سہاٹ ہو گیا تھا۔

”مجھے کوئی موقع تو ہے.....“ وہ جیسے گڑبگڑا رہی تھی۔

”موقع سے ہی تو فائدہ اٹھایا ہے آپ نے ہرینہ بھائی.....“ منس بھی وہ چل آیا تھا تاہم اور اردوئی لاؤنگ میں کھڑی تھیں ساری باتیں انہیں نے منس کی تھیں۔

☆ ☆

”بی بی جان ضیاء کے بہرے سے خود پر بھرا کر انہی کے پاس آئی تھیں۔ انہی ان کا ہاتھ تھامے دوئے جاری کی تھیں انہی احسانات کے زبر اثر وہ ایک نئی کیفیت میں تھی۔“ بی بی جان.....

”مجھے سے بدل کیا.....“ مجھے سے؟“ ان کا دم ٹھہر گیا تھا۔

”زیادہ کر دے بدلنے پر کس نے مجھ پر کیا؟“

”مگر سے تو مجھ سے محبت کا دعویٰ تھا“ وہ یہی

”بی..... بی..... جان..... میں نے تو کوشش کی.....“ وہ خود کو بھی منس کی بری الذمہ سمجھتی تھی۔ بی بی جان نے درمیان سے ہی اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم نے کوشش ہی تو نہیں کی.....“ انہی زندگی صرف مرد کی چادہ کچھ نہیں کرتی۔ اس کی چاہت کو پائیداری دینے کے لیے اپنی ذات کی نفی کرنا پڑی ہے۔ اس کی آنکھ کے اشارے پر اپنی جان ٹاکرنا پڑتی ہے۔ تب نہیں جا کر وفا کا ہمدانہ کاٹنے کا کس نے تم پر چڑھیں کس منس میں تھیں اور اسے کیا پاتیاں تھیں؟ وہ بڑے سدرمان سے اپنی کی کتابیاں ایک بار پھر اس پر مٹا کر رہی تھیں۔

”بی بی جان میں نے کبھی زیادہ کچھ نہیں مانگا تھا صرف اپنے لیے وقت مانگا تھا۔“ منس اس کے پاس اپنی بی بی کے لیے بھی وقت نہیں ہے۔ وہ اپنی سوچ پر تھم رہی تھی اسے ابھی اپنا موقف سچ لگتا تھا۔

”منس! اوقات وقت مانگنے سے نہیں ملتا۔“ لینا پڑتا ہے۔

”منس! اوقات وقت مانگنے سے نہیں ملتا۔“ لینا پڑتا ہے۔

”منس! اوقات وقت مانگنے سے نہیں ملتا۔“ لینا پڑتا ہے۔

”منس! اوقات وقت مانگنے سے نہیں ملتا۔“ لینا پڑتا ہے۔

”منس! اوقات وقت مانگنے سے نہیں ملتا۔“ لینا پڑتا ہے۔

”منس! اوقات وقت مانگنے سے نہیں ملتا۔“ لینا پڑتا ہے۔

☆ ☆  
صالح فائق کو مسلسل فون کر رہی تھیں مگر وہ ان کا فون نہ دیکھ سکیں مگر ہاتھ دوا ہوا۔ وہ سہرا کو گھڑ کر کے سے تیار ہو کر نکلا تھا اور ان کی سنے بغیر چلا گیا تھا اس کے بعد سے وہ اس کے ساتھ رابطہ کر رہی تھیں مگر وہ نہ جانے کہاں تھا۔ مجبوراً وہ شہر پر کوٹوں کرنے لگیں۔  
ایسے آفس میں بیٹھے یہاں دروازے پر پوری کی کال پر قدرے پریشان ہوئے ”کیا بات ہے خبریت ہے؟“  
”ہاں۔۔۔۔۔ خبریت نہیں ہے شاید۔۔۔۔۔ فائق۔۔۔۔۔ کو آپ ہی سمجھا سکتے ہیں میری تو وہ بالکل نہیں سن رہا وہ نہ تو ہاتھ پائی گیا ہے اور نہ ہی میرا فون سن رہا ہے“ وہ پریشانی سے بولیں۔  
”اچھا۔۔۔۔۔ میں کبھی آتا ہوں تو بات کرتا ہوں۔۔۔۔۔ وہ دن سے وہ تو آئی نہیں رہا وہ دن بدوں غیر زوردار ہوتا جا رہا ہے۔“ وہ بھی جیسے اس کی حرکات سے بیزار ہو رہے تھے۔

”ہاں غیر زوردار مدد کی تو انتہا ہے اس کی۔۔۔۔۔ اپنی اولاد کا بھی احساس ہے نہ درد۔۔۔۔۔ دوسری شادی کا بھوت سوار ہو گیا ہے اس پر۔۔۔۔۔ میں آپ کو بتا رہی ہوں۔ آپ ہنسناں کہتے ہیں تو سنناں نہیں لیکن بعد میں مجھے حکومت کیسے کہے گا۔۔۔۔۔ صاف نے کسی شوہر کو جا کر اپنے ذہن کا بوجھ اتارا۔۔۔۔۔ بیٹے پر ان کا کوئی اختیار نہ تھا کسی لیے وہ کچھ سے کہی ہو رہی تھیں۔  
”کرتا ہوں میں کچھ۔۔۔۔۔ نہیں کمر بند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ رات کو کراس سٹل پر بات ہوگی اللہ حافظ“ ہلال درانی نے انہیں کسی دے کر رابطہ قطع کر دیا۔ صالح فائق قدرے مطمئن ہو گئی تھیں فائق کم از کم اپنے باپ کی سنے اور سامنے پر مجبور تو ہوسکتا تھا شہر بچہ کچھ سے پہلے چلے گا۔۔۔۔۔ ساتھ سے کھرے نکلی تھی۔ زبیب النساء سے بھیج کر خود میرے کھرے اور ہسپتال جانے کا ارادہ کرتے ہوئے اپنے کھرے میں ابھی آتی تھی کہ بہریدہ کی پکار پر چوک کر فوراً

کمرے سے باہر آ گئی۔

”ہما۔۔۔۔۔ ہما۔۔۔۔۔ کدھر ہیں آپ“ وہ راتے لمبر جیسے خود پر مضطرب سے پھرے بھاڑ کر آئی کال کو دیکھتے ہی بے اختیار ان کی طرف پلک کر گئی اور اس نے پلٹ گئی۔  
”کیا ہوا۔۔۔۔۔ ہما۔۔۔۔۔ تم؟“ زبیب کو بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ خبر میرا اس طرح کیوں آئی ہے۔ چونکہ اور اس کا بھاری بھر کم تو کسی بھیج کر اندر لا رہا تھا۔ زبیب کا ہاتھ گھٹا گیا۔ دل بھی تیزی سے دھڑکنے لگا۔

”ہما۔۔۔۔۔ ہما۔۔۔۔۔ سب کچھ لٹ گیا۔۔۔۔۔ شادم۔۔۔۔۔ شادم۔۔۔۔۔ نے مجھے کھرے نکال دیا۔ انہیں سب کچھ معلوم ہو گیا۔ فائق اور شہریدہ کے بارے میں سب کچھ سمجھا۔“

وہ ماں سے لپٹ کر رو رہی تھی۔ زبیب کی بچہ سہی ہوئی سمیعہ پر غمگین وہ اپنا ٹیلی ویژن بکس میں دوپے دروازے سے چند قدم اندر کھڑکی کی اوڑھیر ان ٹھکروں سے تک رہی تھی۔

”ہما۔۔۔۔۔ میری دنیا لٹ گئی۔۔۔۔۔ میرا کھر۔۔۔۔۔ شادم۔۔۔۔۔ کبھی لوگ۔“ وہ فوجی صمد سے اڑ میں تڑپ رہی تھی۔

”کیا ہو گیا۔۔۔۔۔ آرام سے کمرے میں چل کر بیٹھو۔۔۔۔۔ بی بی پریشان ہو رہی ہے۔“ زبیب نے اس کا سر کندھے سے اٹھا کر قدرے تحمل سے کہا پھر سمیعہ کو خطاب کیا ”سمیعہ جانو آپ خالہ کے دم میں جاؤ کاروان دیکھو کچرا۔۔۔۔۔ دو بیٹی کو کھو سے الگ کر کے کوئی کسی طرف رہیں پھر اس سے باتیں کرتی ہوئی اسے شہریدہ سے کمرے میں پھوڑ کر واپس پلٹ آ گئیں بہریدہ اپنے کمرے میں جا چکی تھی زبیب اور کوئی کھر ہاتھ ہو رہی تھی وہ اس کے پیچھے ہی چلی آئیں۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔۔ آؤ خیر کیا ہو گیا۔ شادم نے تمہیں کیوں نکال دیا؟“ زبیب النساء اس کے سامنے بیڑ پر بیٹھ گئیں۔ بدقسمتی سے بی بی جان نے میری

اور شہریدہ کی باتیں سن لی تھیں۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔“

”میں کبھی تھی۔۔۔۔۔ منع کر لی تھی ریکٹا کھڑا ہو مگر تم نے میری ایک باتیں کی اپنی کر کے یہاں اب انجام بچھو۔۔۔۔۔ زبیب۔۔۔۔۔ کدھنوں اور جھلاہٹ کے مارے چلے گئیں۔“ ہما۔۔۔۔۔ میں نے ایسا کیا لگا دیا۔ ان کی اپنی بی بی فائق کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی اور فائق بھی اپنی مریض سے شہر کی طرف بڑھا ہے ہم نے اسے مجبوراً نہیں کیا تھا۔“ وہ بھی غصے میں چلی۔

”بھئی ہوا تمہارے لیے تو برا ہوا اب بتاؤ کیا کرو گی کم ایک بیٹی کا واپس کر دوسری کا کھر مانا تو نہیں چاہتی تھی میں۔“ زبیب کو بھی غصہ آ گیا۔

”آپ ہی تو بہت شہر کی کے لیے پریشان رہتی تھیں اور وہ۔۔۔۔۔ وہ بھی فائق کے علاوہ کسی کے لیے راضی نہیں ہو رہی تھی۔ میں کیا کر سکتی۔۔۔۔۔ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھا۔“ وہ یکدم روئے گئی۔

”شہر کی پریشانی اتنی بڑی نہیں تھی آخروہ ماں ہی جاتی جو پریشانی تم نے میرے سر پر ڈال دی ہے۔“ اس نے کیسے جان چھڑاؤں کی میں اور تم بے کیسے دیکھو گی۔۔۔۔۔“ زبیب النساء کا پارہ بھی پڑھ گیا کسی بیانی خوشحال بنے اچانک بیٹی اور سامان سمیت آ گئی کسی ان کے اسوانہ تو خطا ہوئے تھے۔

”ہما۔۔۔۔۔ ابھی تو آئے مجھے گھنڈہ بھی نہیں ہوا آپ کو مجھ سے جان چھڑانے کی کھر ہونے لگی۔“ نہ ہمارت انہوں سے بولتی تھی انہوں سے اپنی ہی ماں کو دیکھتی۔  
”تو کیا کروں۔۔۔۔۔ میں غلط تو نہیں کھڑی تھی مگر ان کے میری زندگی اجیرن کر دی۔ شہر کی کے مستقبل کی امی کوئی گارنٹی نہیں ہے اور تم بھی آ کر بیٹھ نہیں کیا۔ منہ دکھاؤں کی خاندان والوں کو؟“ زبیب النساء تاجوہ ہاتھ ہلا کر بٹن کر کے واسلے اعزاز میں نہ رہے لگیں۔  
”بہریدہ کو ان پر شہریدہ غصہ آنے لگا وہ بھی گھنٹوں میں سر دے دوئے گئی۔ آخروہ بی بی وہاں سے نکل آئی۔

☆ ☆

فائق کا قصد اس کی اکوڑ پر تھوڑے سا تھا کھی وہ اپنی ماما کی باتوں کا اثر لے بغیر صرف اپنی سبکیں کی خاطر کھرے نکل کر آفس جانے کے بجائے شہریدہ اس کے کھرے لے کر ایک ریکٹر سٹورٹ میں آ جھٹھا۔ اور پھر اس نے ارباد آئی فون کا کٹر پر اپنا سوال بھی آف کر دیا تھا۔ شہریدہ اس کے سامنے بھی ساری صورت حال بھابھ رہی تھی اسے آڑے سے لیے ایک بار پھر پوچھنے لگی ”فائق۔۔۔۔۔ تمہیں کھر والے پریشر زکڑ ہے ہیں۔۔۔۔۔ کہیں تم ان کے دباؤ میں آ کر فیصلے نہیں بدل لو گے۔“ فائق نے اپنا سوال سیز پر رکھتے ہوئے اسے قدرے حیرت سے دیکھا ”تم نے ایسا سوچا بھی کیسے؟ میں اپنے قدم پیچھے ہٹانے والوں میں سے نہیں ہوں“ اس کے چہرے پر صاف لکھا تھا کہ اسے شہریدہ کی بات پر دیکھیں گی۔

”اتنا تو مجھے پتہ ہے کہ تم اپنے دے سے نہیں بچو رہے لیکن“ وہ بات کرتے کرتے خاموش ہو گئی۔

”لیکن۔۔۔۔۔ لیکن کیا؟“ جو کہتا ہے مجھ سے صاف صاف کہو۔

فائق کا مزاج برہم سا تھا ”لیکن مجھے ڈر لگتا ہے کہ نہیں سمجھ سکتی تھی مجھ سے جیمن نہ لے۔ تم کبھی دباؤ میں نہ آ جاؤ۔“ شہریدہ نے ڈر سے بات مکمل کی اس کی اور پر فائق کا مزاج فوراً بدل گیا۔  
”اسٹو پی ڈر نے کی اپنی ضرورت ہے۔ میں اپنے فیصلے پر قائم ہوں۔ کوئی کھیل تو آج سہل کیا ہوں اور نہ ہی اپنی بی بی سے ملا ہوں میں کل بھی تمہارے ساتھ تھا اور آج بھی تمہارے ساتھ ہوں اور جانتا ہی ہوں۔“ بات کرتے کرتے فائق نے اس کا کالیباں اٹھوا کر گھڑت میں لے لیا اس کی انگلی میں اس کی سونے کی انگلی جککا رہی تھی۔ اپنی صحت کا ان کا سونے کی شاد کر کے لیے کافی تھا۔ ”تم تمہارا مکمل ساتھ جانتی ہو فائق۔ میں ہر خوف ہر ڈر سے ٹھکانا چاہتی ہوں۔“ شہریدہ نے اس کی سرشاری اس کی انکھوں سے پڑھ لی تھی۔

”ایسا جلد ہو جائے گا شہری۔ میں ماما سے بات کروں گا۔ وہ جلد ہی زیب خالہ کے پاس آئیں گی“  
فاقن نے اسے تسلی دی۔

”کیا وہ ان جاؤں گی..... میرا مطلب ہے وہ تو ہاسٹل.....“ شہرینہ نے جان بوجھ کر بات ابھوری چھوڑ دی۔

اس کے سامنے نہ سامنے سے کھڑے کی فرنیٹیں پڑے گا۔ میں انہیں اسٹاپے سے لگاؤ کرچکا ہوں۔“ فاقن نے قسمی انداز میں کہتے ہوئے شہرینہ کے ڈر اور سوسوں کو بچکانے کی بھرپور پوشش کی۔ ”واہی.....! بچو کھٹے کی کاڑی سے نہ غلٹ۔“

”بالکل.....“ فاقن نے تادیبی کی۔ ان کا آرزو سرور ہوا تھا۔ وہ اپنا آئندہ پروگرام مرتب کر رہے تھے۔ شہر کی کے لیے یہ وقت ہے۔ اسے زندگی کے خوبصورت ترین محسوس ہو رہے تھے اور کیا چاہیے تھا آج اس کا محبوب اس کے ساتھ تھا۔

☆ ☆ ☆

شارم جوش جذبات میں کھرے سے نکل تو آیا تھا لیکن اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ جانے تو کیاں جائے۔ آفس وہ جانتیں جانتا تھا کیونکہ اپنا آپ چھپا ہوا شکل ہو رہا تھا اس کے اندر ہونی ٹوٹ چوٹ ہوئی تھی۔ لیکن بی جان کا کبر و ضبط باہر بظاہر میں دے کر اسے خرمندہ کیے۔ وہ شہرینہ کا اس کی شریک زندگی اس کے کھر والوں کو ٹھکوں کی طرح بھیس کرنے کی سازشوں میں شریک کی اور وہ چاہر کچھ نہیں کر پار تھا۔ بے بسی اسے تیز رفتاری پر پہنچا کر ہی وہ جوش کھوٹا نہیں چھپاتا تھا لیکن اندر افسر طوفان اسے خود فراموشی کی ترغیب کی دے رہا تھا وہ پلا خرمندہ بے ضبط کے کڑے بند باندھ کر خود کو پہلانے سمجھانے رہنموندت میں چلا آیا۔ رہنموندت کے جس اپنا ہی وہ داخل ہوا تھا اس دہاں ایک ہیڑ کے گریٹھے فاقن اور شہرینہ اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹنے کے لیے کاٹنے وہ شہرینہ کو بہت

عقلمدھی ہوئی سمجھار لڑکی سمجھتا تھا شام نے سے ہمیشہ بچوں جیسی عزت احترام اور شفقت سے دیکھا اور محسوس کر لیا تھا اور وہ کئی جگہ اس کا خون اس کی رگوں میں چلنے لگے گا تھا۔ اس کے قدم نہ جاچے ہوئے بھی ان کی جانب اٹھ گئے۔ وہ دونوں مستقبل کے سہرے خواب دیکھنے اور رکھانے میں مگن تھے انہیں اور گھر پر ہوش کی یہیں تھا شام ان کے سر پر پتلی کرناہیت شام اور پھر سے بولا۔ ”وہ تو یہاں بسکس چل رہا ہے۔ تمہارے پاس اپنی موت و زندگی کی تکفیل میں مبتلا ہوئی اور جی کے پاس جانے کی فرصت نہیں۔ یہاں تاں پاس کر رہے ہو۔“ دونوں ہی یکدم چونک کر کھڑے ہو گئے تھے، شہرینہ کی زبان سے بے اختیار نکلا ”شام..... ہم..... بھائی.....“ وہ اس کے تہہ در تہہ گھبراہٹ ”موت کو کونھے بھائی..... تمہاری زبان سے بھائی سننا آجائیں گے بابا.....“ شام کا رد عمل بے اختیار ہی تھا فاقن کے سامنے پر بل پڑ گئے تھے وہ لب بھج کر راد گرد دیکھتے ہوئے بولا

”شارم بھائی..... تمنا جانے کی ضرورت نہیں ہے روز خود نشان میں جائیں گے کہ میری زبان گل کی توت.....“

”اس سے زیادہ تم اور کیا کر سکتے ہو..... پہلے اہم کوہنت کے نام پر غریب دیتے ہو اور اب اپنی لڑکن کو خوب دکھانے ہو..... خرمندہ کر دکھاؤ۔“ وہ بھڑک کر بولا۔ اور گرد کے لوگ بھی متوجہ ہو گئے تھے

”اب تک شرم اور لگاؤ کی گرد پڑا ہوں..... ایسا نہ ہو کہ میں آج ہی رجوع ہوں جاؤں۔“ فاقن کا چہرہ ضبط سے سرخ پڑ گیا تھا۔

”اپنی حد ہی تو بھول چکے ہو ورنہ یہاں کے بجائے اپنی بیٹی کے پاس ہوتے اس کی زندگی کے لیے دعا کریں گے وہ تو سب سے تیسرا نمبر رہے ہوتے“ شام نے اہتاج لکھ کر کہا۔

”آپ دگ ہونا ہی سب کرنے کے لیے ویسے بھی

آپ کی بہن مجھ سے اپنا تعلق کٹنے کا قلمبند کر رہی ہے اور میں بھی فیصلہ کر چکا ہوں۔“ فاقن نے میز سے اپنا سواگل ادھر کی دگ اٹھا اور پھر شہرینہ کو اشارہ کیا۔ ”مجھ کرنے سے پہلے اندر اور اپنے خاندان کے نقصانات کے بارے میں ضرور سوچ لینا“ شام نے شہرینہ کو جن نظروں سے دیکھا وہ تو قسم ہی کئی تھی۔ فاقن کو بھی اس کے ادرار کا ہو گیا تھا کہ وہ شہرینہ کا حال دیکھ رہا ہے۔

”آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔“ وہ بھڑکا۔ ”بھئی کچھ لو.....“ شام نے اپنی بات ہی اور دہاں لپٹ گیا۔ شہرینہ فاقن کو کھینچ کر لے گئی۔

”فاقن کو ل ڈاؤن پالیزب ٹھک ہو جائے گا۔ رہیں سب سنبھال لے گی ڈاؤن در پالیز۔“ وہ اس کا ہاتھ جکڑ کر میٹروٹ سے باہر لے گیا۔ شام بچا چکا تھا ☆ ☆ ☆

شارم سیدھا بی بی جان کے پاس ہسپتال چلا آیا تھا۔ انہم کی آنکھ کئی جگہ بی بی جان کے پیچھے پاریم یا کریم کا دروازہ کرتے ہوئے اپنی بیٹھاری کم کر رہی تھیں۔ وہ آہ تو بہت شے میں تھا لیکن پھر بی بی جان کا استعمال دیکھ کر خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ ”شارم.....؟“ فاقن نے بی بی جان اس کے اندر بھڑکتے ہوئے شعلوں کی آگ میں کرسی میں اس کے لیے مزید بکھ کھینے سے رک ٹھک اس سے ضبط نہیں ہوا تو وہ بھجا اٹھا۔

”اچھا کیا رہا.....“ جیہیں بعد میں معلوم ہوگا انہی نے فیصلہ دیکر بھوری تھا میں ماما اپنے دو بچوں کا گھر اجڑے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔ بی بی جان کی آواز نے گھر سے پوچھ ہوئی انہوں نے اپنی ٹھیکیں سمجھنے کی انداز دیا رہا تھا انہم کی آنکھ بی بی جان کی بات سے پہلے کلکی تھی اور بچوں کا گھر.....؟ ابھی اچھے کرسو چ رہی تھی۔ وہ دونوں اس کے سامنے سے بے خبر تھے۔ بی بی جان..... شہرینہ کی حرکتوں کے بعد کیا میں اس

کے ساتھ بھرا کر پاؤں گا۔“ وہ بے بسی سے انتظار کرتا انہم کو مزید چھپا چکا۔ ”تو کیا تم فاقن کی طرح اپنی بیٹی کو فراموش کر پاؤ گے“ بی بی جان نے اٹا اس سے سوال کیا انہم کو گھبراہٹ ہوئے تھی۔ بی بی جان میں یکدم چونک کر متوجہ ہو گئیں۔ ”انہم کیسے ہوا.....“ وہ بے اختیار گھر اس کی جانب پڑ گئیں۔ ”بی بی جان! کیا ہوا ہے“ یہ تو آپ مجھے بتائیں۔ آپ اور شام بھائی کا میں گھر سے جھٹے..... شہرینہ بھائی نے ایسا کیا کیا..... شام بھائی.....“ وہ بات مکمل نہ کر سکی..... شام میں چل پڑا اس کے بیڑ کے قریب آ گیا تھا۔

”اس صورت سے پہلے ہمارے بھروسے کو چھینا جو کر کیا ہے اور بی بی جان اپنا جتنی ہیں کہ میں اس صورت کے کے کہ اپنا گھر اپنے رہنے اپنے بہن بھائیوں کو چھوڑ دوں..... بی بی جان سے الگ ہو جاؤں کیوں میں کیوں سزا جھیلوں..... اسے کیوں سزا دوں“ وہ اونچا لہا جواں کر دے لگا تھا اس کی جذباتی کیفیت کوئی نہیں سمجھ رہا تھا اسے سب کے دکھ کر دیا گیا تھا۔ انہم تیران نظروں سے دونوں کو دیکھتے ہی تھیں کہ مل اور پھر ٹھک کر کھینے کی کوشش کر رہی تھی۔ پلا خرمندہ اور ڈاؤن کیفیت شہرینہ کی آنکھوں سے آنکھوں سے..... فاقن بی بی جان مجھے بتائیں نا کیا ہوا ہے؟“ وہ بھٹا نا بھی دے انداز میں پوچھتی بی بی جان کو بے بسی کر رہی تھی وہ ابھی انہم اس صدمے سے دوچار نہیں کرنا چاہتی تھیں لیکن اب بتائے بغیر گرا بیٹھیں نہیں تھا۔ پھر بھی وہ تکفیل میں تھیں۔ ”فاقن شہرینہ سے دوسری شادی کر رہا ہے“ اور شہرینہ کی اس سازش میں شامل ہے۔ میں نے فاقن اور شہرینہ کو ایک ساتھ دیکھا ہے اس کے بعد مجھے کیا کرنا چاہی تھا انہم.....؟ بی بی جان سے زبان نہ کھولی تو شام نے جذباتی ہو کر ساری حقیقت بیان کر دی۔ انہم نے بے یقینی سے دونوں کی جانب باری



پاری دکھا لی بی جان نے نظریں چرا کر رخ بھیر گیا۔  
 اہم کے ارد گرد اندر سا بھا کھانوں کے چہرے نظر  
 سے محروم ہوئے گئے اس کی ذات پیسے اور پانچا  
 سے گھبرائی گئی میں دھکیلی چارگی اس کا دل ڈوب  
 رہا تھا۔ سانس بے ترتیب بنی  
 "کنی۔۔۔ کنی۔۔۔ بی جان میرا۔۔۔ دل۔۔۔"  
 وہ درد کر رہی تھی بی بی جان یکدم اس کی طرف  
 مڑیں اس کی بدلتی کیفیت پر بی بی جان پر یہ صبر کس  
 شام جلدی جاؤ ڈال کر گواؤ۔۔۔ جلدی کر پٹا!  
 اندھیری کی بیکی حفاظت فرما۔۔۔ شام کی گھبرا کر کھلا تھا بی  
 بی جان کی آنکھیں پر سے گلی تھیں۔ جس درد سے وہ  
 اسے انکی آنا شکار کھانا چاہتی تھی وہ اس سے آشنا ہو گئی  
 تھی انہیں ملال تھا کہ درد اس نے خود پر کیا تھا۔  
 اردو نیکو پوچھنے آئی تھی کہ وہ ان کے ساتھ اہم  
 کے پاس ہاتھ مل چکے گی وہ پہلے ہی خون پر عمار کے  
 ساتھ باتوں میں گئی ہوئی تھی وہ نہ چاہتے ہوئے بھی  
 درد دے کے اپہر کھڑی ہو کر اس کی باتیں سننے لگی۔  
 "عامر۔۔۔ میں نے بھی تانے کے لیے خون  
 کیا ہے کہ انکی کچھ دن کا نہیں آؤ گی۔۔۔ اور نہ  
 ہی تم سے مل پاؤں گی۔۔۔ پلیز میری مجبوری سمجھنے کی  
 کوشش کرو۔"  
 میں نہیں بات کر رہی بی بی جان سے۔۔۔ میری  
 بہن ہاتھ مل میں ہے یہاں سب ہی ڈسٹر ہیں  
 میں کس سے بات کروں ان حالات میں کوئی کس نے گا  
 بھی نہیں پلیز تم انکی اپنے پیرش کو بھلاؤ انکی یہاں  
 آنا مناسب نہیں۔۔۔ ہا۔۔۔ میں ہم جلدی نہیں  
 بتاؤں گی۔۔۔ پلیز۔۔۔ اگر اسٹینڈر کی "نیلیم میں کس  
 باتوں میں مصروف تھی اردو کو کدھر دیکھ ہوا وہ جو  
 چنڈل پر ہاتھ دھرے کوڑی کی بے اعتدالی میں ہواؤ  
 بڑھ گیا اور درد زدہ یکدم کھل گیا۔۔۔ نیلم میں کدھر گھر کر  
 رابطہ متعلق کر گئی "اچھا! میں پھر کال کروں گی کوئی  
 آ گیا ہے اللہ خانہ!"

فون جلدی سے ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے  
 اندر آئی اردو کو دیکھا۔  
 "سوری! میں دستک دینا چاہتی تھی مگر ہاتھ دکھا تو  
 درد از دھکل گیا۔۔۔ نیلم کے بولنے سے پہلے اردو نے  
 معذرت کی پھر غریبوں انداز میں اسے جتنا بولے  
 پوچھنے لگی "عامر سے بات کر رہی ہیں؟" نیلم کے  
 چہرے پر عداوت کا ایک رنگ آ کر گر کر گیا۔ پھر وہ  
 دھاتی سے مل "ہا۔۔۔ اوہ اپنے پیرش کو لانا چاہتا  
 ہے اور یہاں ایک کے بعد ایک پر بیٹاں سر پر سوار  
 رہے! آخر وہ تک تھکا کر سکتا ہے۔" نیلم کا انداز درد یہ  
 بھی آج کل اچھی جیسا تھا وہ بی نے اسے حیرت سے دیکھا  
 "انکی بھی کیا جلدی ہے۔۔۔ وہ کیوں انتظار نہیں  
 کر سکتا۔"  
 "اردو! یہ بھی۔۔۔ آپ سمجھ سکتی ہیں وہ کیو  
 ن انتظار نہیں کر سکتا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے  
 پیرش کو سنا یہ اب وہ انہیں یہاں آنے سے روکے  
 گا وہ چڑ جائیں گے۔" نیلم نے عامر کی باتوں کو اپنے  
 الفاظ میں بیان کیا۔  
 "اس میں چڑنے والی کیا بات ہے۔ تم نے بتا دیا  
 ہوگا کہ یہاں حالات سازگار نہیں ہیں۔ انکی ان کا آنا  
 مناسب نہیں رہے گا۔ ویسے کسی سب سے بڑا جواز تو  
 تھہاری پر حالی ہے۔ کیا تم اس مسئلے سے ڈسٹر بہت  
 ہواؤ گی۔" اردو نے بڑے ظلم دوسراں سے کچھ  
 سمجھانے کی کوشش کی لیکن نیلم جیسے کچھ سننے سمجھنے کی  
 کیفیت نہیں بن سکتی۔  
 "ان حالات میں میں بھی تو میں ڈسٹر ہی ہوں۔  
 میں اس میں کھنکھن سے لگنا چاہتی ہوں میں اپنی خوشیاں  
 کسی قیمت پر کھو نہ چاہتی۔" اس وقت خامی خود  
 غرض نہیں رہی تھی۔  
 "کیسی کھنکھن۔۔۔ کیا مطلب۔" اردو اس کا بدلتا  
 روپ دیکھ کر مزید حیران ہو رہی تھی (کیا کوئی اپنی جلدی  
 بدل جاتا ہے) اس کا ذہن سوچوں میں الجھ رہا تھا۔

"ہیکں کہ۔۔۔ مگر عامر کے پیرش کو انعام آتی ہے  
 اپنے شہر سے اختلاف کے بارے میں معلوم ہو گیا تو  
 وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔۔۔ کہ۔۔۔"  
 اردو کی مزید چونک گئی۔  
 "تم۔۔۔ ایسا سوچ رہی ہو؟" دکھ سے اس کی  
 آواز گونج رہی تھی۔  
 "تو اور کیا۔۔۔ یہ بہت بڑا ایجنڈہ ہے۔ نہ کہ بڑی  
 بہن کیسے آ کر تیشی ہوئی ہے چھوٹی بھی نہیں کرے  
 گی۔" نیلم نے اپنی کھنکھن بیان کر دی۔ اردو نے  
 اسے انہی سے دیکھ کر کہا۔ "تمہارے ذہن میں یہ  
 باتیں کون ڈال رہا ہے اہم۔ اگر لوگ خواہتے ہو تو  
 ایسے معاملات کو مقدر کا لکھا سمجھ کر قبول کرتے ہیں۔  
 انہیں مسئلہ نہیں بناتے۔ یہ حال تم انکی ہے تاؤ کہ انعام  
 کے پاس جملہ رویہ دیا ہو نام لوگ جائیں۔ اس کی طبیعت  
 ٹھیک نہیں ہے۔" اردو نے اسے جتنا بولے وہ بہت  
 کچھ یاد کر لیا۔ وہ بھی اسی طور پر خاموش ہو گئی۔  
 "آپ بھلیں۔۔۔ میں آتی ہوں۔" اس نے بڑی  
 بے دلی سے کہا تھا۔ اردو نے اس کی حوصلہ شکنی کی تھی  
 یہ بات اسے انکی نہیں ملتی تھی۔  
 ☆ ☆  
 فائق شہزاد کو گھر سے باہر ہی اتارنے سے پہلے  
 اسے اسیانہ و فارے ہاتھ شہزاد کوئی اس کے سوا کچھ  
 نہیں چاہے تھا۔ "شہری۔۔۔ میں یہی کسی کے پریش  
 میں آنے والا ہوں اور نہ ہی تمہیں کسی کے دواؤ میں  
 آنے کی ضرورت ہے ہمارے درمیان جو بات ملے  
 ہو سکی ہے میں اس پر قائم ہوں گا۔" فائق نے اس کے  
 دوسروں کے اظہار پر اطمینان دلانے کی کوشش کی تھی۔  
 "فائق برائو پر خواب بڑھائیں! ہر شام صرف تم  
 سے وابستہ ہے۔ اب تمہیں کھانے کا حوصلہ بھی کم  
 ہے مجھ میں میرے بھوتے خود کو گھٹانے کی ہمت بہت کم  
 اب بھی میرے بھوتے تو میں جان سے گزر جاؤں  
 گی۔" شہزاد نے انکھوں میں ہجر کر بڑی محبت سے

دیکھا تو فائق نے ہلکی سی چپٹ کر اس کا گلہ بھلایا۔  
 "سوخت ہارٹ میرے ساتھ جینے کی بات کرو یہ  
 مرنے مارنے کا کام نہیں اور کے لیے رہنے دو تم نے فکر  
 ہو جاؤ میں اب صرف تمہارا ہوں۔۔۔ صرف تمہارا۔"  
 فائق کا انداز دلیری شہری کے لیے ناجائز تھا اور تھکین  
 آیز مگنی۔ شہزاد ہی اس کے گدھے میں ہاتھ کیسی  
 شام کی وجہ سے جو خوف اس کے اندر جینے کا تھا  
 فائق نے انداز دیا کہ اسے زیادہ دیر نہیں کھلے  
 دیا تھا بھی وہ مطمئن ہی ہو کر گھر کے اندر داخل ہو گئی تھی۔  
 زیب اشتعال و بج ہی اس کی پشت پر تھی تھیں۔  
 "تم کہاں تھیں۔۔۔ اور توں کیوں نہیں اٹھ رہی  
 تھیں؟" شہری نے اپنی ماکوٹھ میں دیکھ کر حیرت کا  
 اظہار کیا۔  
 "تیا کر تو گئی تھی کہ فائق کے ساتھ ہوں اور آپ  
 کیوں کہ بار کال کر رہی تھیں۔ کیا شام۔۔۔ بھائی  
 آئے تھے۔"  
 "شام۔۔۔ نہیں وہ خود نہیں آیا۔ اس نے سہریہ  
 کو بھیج دیا ہے شاید ہمیشہ کے لیے۔" زیب نے گویا  
 اس کے سر پر ہم چھوڑ دیا۔  
 "کیا؟ سہریہ۔۔۔ کو بھیج دیا۔"  
 اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ شام کا دھل اٹا شاید یہی  
 تیز ترین ہوگا۔ "تمی جلدی۔۔۔ اچھی تو۔۔۔ وہ نہیں  
 ریسٹورنٹ میں ملے تھے۔" بے ساختہ ہی اس کی  
 حیرت باہر نکل آئی۔  
 "کیا۔۔۔ شام نے دیکھ لیا۔؟ پھر تو سہریہ کی  
 وابستگی کی کوئی گھناہش ہی نہیں رہی تھی تو میں بھڑکا تھا  
 کہ کتنا متح کر رہی تھی کہ میں ہمارے حال پر چھوڑ دو  
 "شہری کا جو جوقہ ہوگا اسے مل جائے گا۔ مگر یہ لڑکی  
 کبھی میری کتنی سچی ہے۔" زیب اشتعال و بج نے  
 دھشت میں زور دیا کہ شہزاد ہی تھی۔ شہزاد نے اس کے  
 دواؤ دیا جانے پر چڑ کر بولی "مما۔۔۔ آپ کیوں پنجابی  
 ہیں۔۔۔ کچھ نہیں ہوا فائق نے مجھے یقین دلایا ہے کہ



چکھو گی جو جانے وہ اب پیچھے نہیں ہے گا۔" وہ قدم  
 پر جا کر کمرے کی طرف ہڑنے گی "تمہارے کہنے سے  
 مجھ کو کتنے ہو گا تم شام کی کہن کے کھر میں کس جاؤ گی  
 اور شام تمہاری کہن کو عزت سے اپنے کھر میں رکھ  
 گا؟" اس کا ہوسکتا ہے کیا۔" زیب استہزاء نے والے  
 دنوں کے خوف سے ابھی جاری تھی "تو آپ کیا جانتی  
 ہیں آپ میں ہمرے اپنی خیریاں لے کر تھانے کروں۔۔۔  
 ہرگز نہیں۔۔۔ وہ کیا تھا میں کروں گی۔۔۔  
 طرف آپ لوگوں نے دھکیلا تھا میں پیچھے نہیں ہٹوں گی۔  
 وہ اپنی بات دھوک انداز میں کہہ کر اپنے کھر سے کی طرف  
 بڑھ کر نہایت سہجرت سے جا تا دیکھ رہی تھی۔  
 انہی کی حالت چکھو بہتر نہیں تھی۔۔۔ اسے ہمرے آئی  
 سی یو میں رکھا گیا تھا۔۔۔ میں اسپتال میں جمع اس کے لیے  
 شکر و برپاشی تھے شام میں اسے اپنے کھر پر نام سالی گی  
 جان کے ساتھ ہر کر پیچھا۔۔۔ کھے گا کھا کر کھلم کھلا  
 حقیقت معلوم ہو ضروری ہے مجھے کیا ہے کھا کھا وہ اس  
 طرح رہی ایک کرے گی۔

"بکھی کبھی ہم جو جیسے ہیں وہ کسی ایک کے لیے  
 مہرم اور دوسرے کے زخموں پر رنگ پاشی کا۔  
 کر جاتے ہیں۔۔۔ بی بی جان نے دوسرے پہلو میر  
 بیٹھے ہیں کونسی سے باور کرایا۔  
 "بی بی جان میرا وہ مطلب نہیں تھا۔۔۔ میں تو تھ  
 کے لیے کھی جان میرا اظہار نام کے لیے تھا۔۔۔ د  
 یقین دلانے لگا۔  
 "ہم جانتے ہیں کھر میرا کھنا۔۔۔ اس وقت وہ ہجر  
 قیامت سے گزر رہا ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں لگا  
 چنانچہ شام کا رمل دل پر مت لو وہ جلد سنبھل جائے  
 گا۔" بابا جان نے تکیا پر بارداخت کی ساری صورت  
 حال اور حقیقت بیان کر دھکی بیچتا زور دھتے۔  
 "ہاں۔۔۔ سنبھل جائے گا۔۔۔ مگر قیامت سے  
 گزر کر۔" بی بی جان نے بھی عضنی کی ہجر کی "میرے  
 بچوں پر جو ز زناش آئی ہے اللہ انہی اس سے نکال  
 دے گا کیوں مایوس ہوئی ہو بس دعا کے ساتھ جاؤ کہ  
 غمزدگسار سے کھلا کر کھلا کر دعا کے ساتھ۔۔۔ زناش

میں میرا کیا قصور؟“ سبرینہ کی بات سن کر وہ ہے  
 ”کیا مطلب؟“  
 سہانتہ بولی  
 ”شمارہ تو ابھی جاری کا بھی خال نہیں کیا۔ مجھے  
 عاجز سوئے گا۔“

## ہنس کے جیو.....

~~~~~

پُر اثر تحذیر جو بچوں کو

زندہ رہنے کے گُر سکھائے گی.....

~~~~~

جب سے اس کی شادی ہوئی تھی شہروز سے اس کی محبت بڑھتی جا رہی تھی۔ اب اس کے تین بچے بھی ہو چکے تھے مگر وہ اب بھی اس کے دفتر آنے سے پہلے شروع دن کی طرح ہی تیار ہوئی اور اچھا سا پریم ضرور لگاتی تھی اور اس کو دیکھتے ہی شہزاد کی آنکھیں تر جاتی تھیں۔

”گھر کا ماحول اور سڑکی ٹھنڈی کہہ لیں یا نظیر انداز کرنے کی عادت کہہ لیں کے سبب بہت ہی خوشگوار تھا۔ نوک جو مکہ روٹھنا مانتا یہ اب بھی چلتا رہتا تھا۔“

جب بھی شہروز ناراض ہو بھی جاتا یا کوئی ابن بن ہو بھی جاتی وہ مٹانے میں پھل کر لیتی اور بھی خود ناراضگی کا اظہار وہ کر دے ایسا تو شاید اس کے پاس کے شوہر کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ بس اس کو یہی خیال آتا کہ ”تم کہہ کر ہر قسم فرماؤ گے“ جب ہم نہیں ہوں گے اور بلی سی مسکراہٹ اس کی تم آنکھوں کے ساتھ ہونٹوں پر

”ہیں کھوکھو بہت بچتا آگے جب ہم نہیں ہوں گے بھری دنیا کو دیکھاں پاؤ گے جب ہم نہیں ہوں گے ہمیں اپنا نہیں جان کرنا غم تمہار ہے کہ تم کس پر قسم فرماؤ گے جب ہم نہیں ہوں گے اور سکا کم کے ساتھ ساتھ اپنا پسندیدہ کاغذ صرف سن رہی تھی بلکہ ساتھ ساتھ گنگنا بھی رہی تھی۔ شاید دونا بلی کا گانا تھا مگر آج تو شاید کم لوگ ہی ان سے واقف تھے۔“

مگر اس نے نہ جانے کب اور کہاں یہ گانا سن لیا اور اپنے موہل میں سیو کر لیا اور اکثر دیکھ کر اس گانے کو سنی اور شاید اپنے آپ کو یقین دلائی کہ یقیناً اس کا مجازی خدا شہروز اس کے بغیر نہیں رہ سکے گا جتنا وہ اس کو چاہتی ہے اتنا ہی شہروز بھی اس کو چاہتا ہے۔

پرانے گانے اس کو بہت پسند آتے تھے خصوصاً وارڈے ہو تم تم کو کیسے مٹاؤں یا لگتا تھا کہ اصل زندگی سے بچ کر رہتے ہیں۔

میں فائق اور بہرہ کے سہ سال کے سانسے یہ کیوں کر میں کوئی کھیل کھیل رہی تھی سب ڈرامہ تھا؟ ماما تھا یا پھر میرا اور فائق کا اب کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ ان سب کو غلطی ہوئی ہے“ وہ نہایت جڑ کر بول رہی تھی۔

”صرف مسئلہ اپنا کیا جا سکتا ہے ماما..... شام کو یقین دلانے کے لیے کراے والی ٹھنڈی ہوئی ہے وہ رہتا جو حائف کر دے گا پلیز بھری“ زب نے منت سے کہا مگر وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے روٹھے ہیں

”دوئی“ سوری کیا یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔“ اس نے گاڑی دیوڑھی کی اور باہر نکلتی چلی گئی۔ زب کے لیے شہزاد کا دیوڑھی جیروں کی ہی نہیں ناقابل یقین بھی تھا۔

☆.....☆

بلال دوانی فائق کے بیڑ پر بے چینی سے بیٹھتے تھے فائق تقریباً بیس منٹ بعد اپنے خراب موڈ کے ساتھ ان کے بائیں طرف کرسی پر آ بیٹھا۔ ”میں نے تمہیں ایک کام کہا تھا اس پر کب عمل کرنے کا ارادہ ہے صاحبزادے“ باپ کے نظریے بچہ پر وہ جڑ کر پہلے صاف کو کہنے لگا وہ خود نہیں نہیں پھر باپ سے مخاطب ہوا۔

Sorry to say میں اچھ کو جب اپنی زندگی میں واپس لانے کا ارادہ ہی نہیں رکھتا تو اس کے لیے اگر مگر میں شفت جس کا سوال ہی نہیں رہ جاتا۔“

”یاد رکھو فائق جس کو کم بات اپنی زندگی میں لانے کا ارادہ کر رہے ہو اسے بھی یہاں اس مگر میں لانے کی اجازت نہیں ہوگی۔“ بے بات تھوڑی ماں کو بھی میں نے سمجھا دی ہے۔“ بلال دوانی نے ایک ایک لفظ پر زور دے خاصی تنجید کی دھکی سے کہا۔

”کیا مطلب؟“ آپ مجھے..... ان مگر سے بیٹھ کر دیکھیں صرف اچھے کے لیے“

”ایسا مجھ کو..... اب جو فیملی کر رہا ہے کرو۔“

(اس سلسلہ دار ناول کی اگلی خطہ آئندہ ملاحظہ فرمائیے)

کرے میں جلی آئی۔

”ماما..... کیا ہوا؟ آج مٹانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے“ زب کو دست پر نیم روز دیکھ کر اس نے پوچھا تو وہ اٹھ اٹھی۔

”رات کو ٹھیک سے نیند ہی نہیں آئی۔ اس لیے وہ سہ آٹھ بجے ہی تم چلا رہی ہیں۔ میں نہیں جانتے بنا رہی ہوں۔ زب نے اتر کر پاؤں میں سلیر اڑسے اور اس کے ساتھ پیر آئی۔

”بہرہ بھی نہیں آئی۔ کیا سمجھو کہ اسکول نہیں بھیجا۔“ شہری نے زب کے پیچھے جگہ میں قدم رکھتے ہوئے ناسواں کیا۔ ”پہنچیں وہ اس قدر دور رہی تھی میں نے بڑی مشکل سے سلیپنگ باڈے کے سلاپا ہے۔

سمجھ ہی دسڑ بپ ہی ماں گورے دیکھ کر خود بھی رورہی تھی۔ کیا خبر کب سوتی ہیں دونوں۔“ زب نے اٹھ کر کلن میں بائی ڈال کر سوچ آ کر کیا۔ ”بچیں اچھا ہے آج دونوں کو دیکھیں ہونے دیں۔ اسکول سے آتے ہوئے سمجھ کے لیے چاکلیٹ وغیرہ لیتی آؤں گی۔ آپ کو کچھ چاہیے۔“ اس نے زب کی ہانپی ہوئی چاہے جلدی سے کپ میں انڈی اور جلدی جلدی بیٹھ گئی۔

”بچیں اچھی کچھ نہیں چاہیے۔ تم بس سیدی مگر آنا۔“ شہزاد بات کرتی ہے تم سے زب نے اپنے طور پر اسے تنبیہ کیا۔

”آپ کو جرات کرتی ہے میں جانتی ہوں اور میں اس کا جواب بھی دینا کہ وہ بھی ہوں آپ کو کمزیرہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے آدھا چپا کب بچن کا دست پر رکھا اور دھکی سے بڑی باہر کی طرف بڑھ گئی۔ زب بھی پیچھے پیچھے ہر جگہ تک گئی۔ ”شہری خدا کے لیے اس وقت ایسا کوئی اشیاء مت لینا جو تمہاری بہن کی زندگی میں مشکلات کو برکاد سے۔“

شہری کے گاڑی میں بیٹھنے تک زب نے اسے احساس دلانے کی کوشش کی۔ ”آپ کہنا کیا جانتی ہیں۔“

آ جاتی۔

آج اچانک ہی سیاست سے ملنے آگئی تو بہت ساری باتوں کے بعد آخراں کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ بولی ”یہ تم اپنی مطمئن اور خوش باش ہی رہتی ہو صرف خوف کر رہی ہو؟“

”تمہیں کیا لگ رہا ہے؟“ ارسل نے مسکراتے ہوئے کہا

”شوگنک تو نہیں رہا مگر یقین بھی نہیں آ رہا کہ کسی حکومت ہو تم ایش کب سے بک بک بڑے کیے جارہی ہوں کہ خادو ایسے خادو یہ اور ایک تم ہو کہ ایک لفظ شہرزد بھائی کے خلاف نہیں بولتیں مانا کہ بہت اچھے ہوں مگر کوئی بھی ہندہ اور خاص کر شوہر وہ تو پر فطرت ہوتی نہیں سکتے۔“

”ارسلے ارسلے نظر لگاؤ گی کیا؟“ ارسل

پہننے ہوئے بولی

”یہ لو جو س پیو۔“

”میں کیا پوچھ رہی ہوں کیا کوئی لڑائی وڑائی نہیں ہوئی؟ کوئی روٹھا مٹانا نہیں ہے کیا؟“

سیما کو بھس ہو گیا تھا۔

”کیوں نہیں ہوتا ہم بھی انسان ہیں اور

میاں بیوی بھی ہیں پھوٹی ہوئی تار کشیاں تو چلتی ہی رہتی ہیں اور پھر بقول شاعر

بڑا حزر ہے اس لمن میں جزا لئی کے بعد ہو

ارسلے ارسلے

”مگر تم کو کچھ ایسے تو نہیں لگ رہا“ گلنا ہے

بڑی آسان روئین کی لائف ہے تم اور خوش ہم

اور مطمئن۔“

سیما کی بات سن کر ارسل نے کہا۔

”ارسلے میری جان زندگی آسان نہیں



ہوتی اسے آسان مانا جاتا ہے کچھ برداشت کر کے“ کچھ نظر انداز کر کے۔“

”کچھ برداشت کر کے“ کچھ نظر انداز کر کے؟“

”ارسلے بی بی کچھ نہیں بہت کچھ برداشت کر کے بہت زیادہ نظر انداز کر کے ہو، مگر پھر بھی

آسان تو نہیں ہوتی شادی سے پہلے ماں باپ کے گھر بھائی بہن کی باتیں برداشت اور نظر انداز

کر دو پھر شادی کے بعد میاں ساس سسر، نند سب کے موڈ اور مزاج دیکھتے رہو، یا ہم بھی تو

انسان ہیں ہمارے جذبات نہیں ہیں کیا۔“ کتنا نظر انداز کریں.....؟“

”فرط جذبات سے اس کے آٹھو لکھ آئے اور اس نے اپنی بات اصدوری

چھوڑ دی۔“

”بس بس“ زیادہ جذباتی نہ ہو، یہ لو جو س پیو غنڈا غنڈا، ٹھٹھا ٹھٹھا اور خود کو سخی ہو جاؤ۔“

ارسل نے اس کو مٹاتے ہوئے کہا اب دیکھو نا گھر والوں کی اپنے مردوں کی خواہ بھائی ہو

باپ ہو یا شوہر۔

ان کی باتیں مان کر تو ہم عزت سے اپنے چادر باری میں محفوظ زندگی گزار رہے ہیں نا تاں

کو عزت دیتے ہیں تو جواب میں ہمیں بھی عزت ملتی ہے نا۔“

اور پھر شرارت سے کہا۔

”وہ سر کے تاج تو ہم بھی ملکہ بن کر رہتے ہیں مگر لائی کرتے ہیں۔“

”ایک تو تم نا مجھے پتا تھا مجھے بھلا ہی لو کی پتا ہے مجھے بھی سب اور ان سب باتوں کو میں

بھی دل سے مانتی ہوں مگر بھی کسی یہ پاگل دل ہے نا اور لوڈ ہو جاتا ہے۔

دل چاہتا ہے سب ہمیں نہیں کر دو مگر ہمیشہ

ہی ہمارے آگے دل بٹکا کر دیتی ہوں اور سیٹ ہو جاتی ہوں پھر سب کچھ اچھا لگنے لگتا ہے۔“

سیمانے آٹھو لکھتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں دل تو بٹکا ہو جاتا ہے مگر فطرت جو

ہو جاتی ہے ہم اس کا نہیں سوچتے کہ اللہ کو کیا جواب دیں گے.....

کبھی ہم کو دل بٹکا کر خداوند اللہ نہ میاں آپ کو تو پیہ ہے، سب اچھا ہے۔“ ارسل نے کہا تو

سیما سس پڑی اور بولی۔

”یاد فطرت تھوڑی ہے تم اپنی اور اور بہنوں سے دل کا حال کہہ سکتی ہوگی، میری تو کوئی

بہن نہیں ہے نا اور اسی کا تو پتا ہے کچھ بتاؤ وہ فوراً

دل پر سے لیتی ہیں۔

”بتاؤ اب میں کیا کروں؟“

”بتاؤں؟ کرو گی؟“ ارسل نے پوچھا۔

”کیا بتاؤ مطلب؟“

سیمانے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

ارسل نے کہا ”تم کو پتا ہے میں کبھی امی اور

بہنوں سے نہیں کہتی کچھ بھی۔“

”پھر؟“ سیمانے پوچھا

”میں پتا ہے کیا کر لیتی ہوں میں سب کچھ ایک جگہ لکھ کر دل کی بھڑاس نکال لیتی ہوں۔“

اس نے مزے سے بتایا۔

”ہائے اللہ اور کسی کے ہاتھ لگ گیا تو؟“

سیمانے پریشانی سے پوچھا۔

”لگ ہی نہیں سکتا۔“ ارسل نے یقین سے

کہا۔

میں یا تو بچوں کے وائٹ بورڈ پر کچھ کر

مٹا دیتی ہوں یا کانڈ پر کچھ کر پھاڑ دیتی ہوں

یا موہاں پر ٹاپ کر کے ڈیلیٹ کر دیا۔

دل بھی بٹکا اور فطرت جیسے گناہ سے بھی بچ

جاتی ہوں۔“

”واہ کیا بات ہے جناب کی۔ کیا ہمیشہ سے ایسا کرتی ہو۔“ اس نے پوچھا۔

”نہیں، پہلے تو ایک ڈانری بنائی ہوئی تھی۔ تم کو تو چاہے شروع شادی کے بعد تو کتنے مسئلے

ہوتے ہیں، روزی روزنا آ رہا ہوتا ہے۔ تو میں ڈانری لکھ لکھتی تھی۔ پر بچے ہو گئے تو نام ہی نہیں ملا

ڈانری کہیں رکھ کر ہونٹی۔ کچھ کم بھی ہو گیا لکھتا کیونکہ بچوں کے ساتھ نام ہی نہیں ملتا۔ تب شاید کچھ کچھ اس گناہ کی سرکوب ہو جاتی تھی۔ پھر بچے

تھوڑے بڑے ہوئے تو معافی کے دوران یہ ڈانری کی اف میں تو بڑھ کر خود ہی کانپ مٹی کر یہ

میں نے کیا کیا خرافات بھی ہیں شہر ہڈ کے بارے میں سنا کے بارے میں۔ میں نے فوراً چھاذکر

جلا ہی دی اور شکر ادا کیا کہ اتنے دن یہ کسی کے ہاتھ نہیں لگی ورنہ تو سب کا دل مجھ سے خراب ہی

ہو جاتا، بس پھر میں نے اس طرح لکھ کر بھاڑنا شروع کر دیا یا نماز میں اللہ کے گوش گزار کر دیا

کیونکہ ہم عورتوں کا بچوں تمہارے دل ہلکا کیے بغیر چارہ بھی تو نہیں ہے نا؟“

”دوبری گلہ چلاب میں بھی یہی کر دوں گی۔“ سیانے کہا اور چمچڑتے ہوئے بولی۔

”مطلب اب تمہارے ہاں آنے کی ضرورت بھی نہیں۔“

”اچھا“ اوس نے آنکھیں دکھائیں

”اور یہی باتیں ہیں زمانے میں ”نہیت“ کے سوا۔“ آئی جاتی رہیں گی آپ ”بھیں“ اس نے دعب سے کہا

”جو محکم ملک عالیہ۔“ سیانے کہا اور دونوں سہیلیاں ہنس دیں۔

☆☆☆☆☆

## غزل

یہ نہیں ممکن پریشانی نہ ہو  
کیا خبر اس آنکھ میں پانی نہ ہو

دور ہو ہے اور نہیں ہے رابطہ  
آئینے کو کیسے حیرانی نہ ہو

آج تک مجھ سے نہیں لکھا گیا  
شعر جس کا ایک بھی معنی نہ ہو

ایسے جینے سے تو مر جانا بھلا  
زندگی ہو اس طرح یعنی نہ ہو

غالوں کی اور ہوں عمریں دراز  
زندگی کی اتنی ارزانی نہ ہو

خاک میں مل جائے ایسی زندگی  
جس نے خاک اس راہ کی چھانی نہ ہو

ڈر گستاخوں کے اس انجام سے  
رات ہو اور رات کی رانی نہ ہو

جیسی اُن آنکھوں میں سرفی ہے ظفر  
ایسی تاروں میں بھی تابانی نہ ہو

شاریبِ نوید

## دو شہیرہ ڈائجسٹ میں اشتہار کیوں دیا جائے؟

▶..... پاکستان کا یہ واحد رسالہ ہے جس کا گزشتہ پینتالیس برس سے چار سلیبس مسلسل مطالعہ کر رہی ہیں۔

▶..... اس لیے کہ جریدے میں شائع ہونے والے اشتہارات پر قارئین بھرپور اعتماد کرتے ہیں۔

▶..... اس میں غیر معیاری اشتہار شائع نہیں کیے جاتے۔

▶..... پوری دنیا میں پھیلے اس کے لاکھوں قارئین متوسط اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو مستند اور معیاری مصنوعات کی خریداری کو ترجیح

دیتے ہیں۔

▶..... اس لیے کہ دو شہیرہ ڈائجسٹ کو گھر کا ہر فرد یکساں دلچسپی سے پڑھتا ہے۔

▶..... جریدے کے ہر شمارے کو قارئین سنبھال کر رکھتے ہیں۔

▶..... اس جریدے کے بڑی تعداد میں مستقل خریدار ہیں جو اندرون اور بیرون ملک پھیلے ہوئے ہیں۔

▶..... آپ کی مصنوعات کے اشتہار ہر کفایت اُن تک پہنچ سکتے ہیں۔

▶..... جریدے کی اعلیٰ معیار کی چھپائی آپ کے اشتہار کی خوب صورتی میں اضافہ کرتی ہے۔

شعبہ اشتہارات: دو شہیرہ

II 88-C 88-فہرست نمبر۔ خیابان جانی کرشن۔ ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی۔ فیز۔ 7-کراچی

فون نمبر: 35893122 - 021-35893121

## ہلکی سسکی کسک.....

بعض اوقات انسان جو اپنے لیے سوچ رہا ہوتا ہے وہ بالکل بھی

اس کے حق میں نہیں ہوتا۔ اتم کو بھی جدا احساس ہو گیا کہ وہ غلط تھا.....

اجبھی کی زندگی میں سبھی ہی رفاقت نے

زندگی بھل کر دی گئی۔ اسے تعلیم اور تربیت کے فرق نے شعوری طور پر مطمئن کر دیا تھا۔ وہ اب آکر سمجھا تھا کہ تعلیم کے ساتھ تربیت بھی لازم و ملزوم ہے۔

صالحہ کا نام ہی اسے چرانے کے لیے کافی تھا جو ماں نے اس کے ساتھ اس کا رشتہ بچا کر دیا تھا۔ صالحہ اس کی خالہ زاد سہیلی۔ دونوں کی ماؤں نے اندر خانہ نہ جانے کیا بھڑکی پکائی کر اسے دیکھتے ہی صالحہ کھی کھی کرتی ستون کی اوٹ میں ہو گئی اور وہ دونوں کی طرح بڑی آپا کا منہ کھینچ لگا۔ اس سے بڑی دو بہنیں تھیں جنہیں وہ بڑی اور چھوٹی آپا کہہ کر بلاتا تھا۔ بہنوں کے جتنے نے لاڈ لے ڈالا کٹر بننے کے ساتھ یہ کیا تھا کہ اس کے بکری دو ستون کے مذبح کی کھلے کے کھلے رہ گئے۔

”سر سید احمد خان کے زمانے کی صالحہ بیگم دوسرا جنم لے کر میری زندگی میں شامل ہونے جا رہی ہیں۔“

اتم کی یہ بریلیک ٹیڈ پلانڈ بن کر پھوٹی۔ ہم

جب لڑکیوں نے اپنے ہاتھ پیٹ کر گھایا تو وہ اول اول کرتا اندر ہی اندر رو رہا تھا۔ بہنوں اور خاندان کی دوسری بڑی عورتوں نے رسم کے طور پر اس کا سر تیل لگا کر چڑھ دیا تھا تو اسے شلڈر کٹ اور بوٹے قد والی اربہ یا آئی، براجماد، ڈچن اور لائق وہ اس کے ساتھ اکیف ایس بی میں تھی۔ اس کے بعد اس کا داخلہ شاہی بی ڈی ایس میں ہو گیا تھا اس نے اپنے ساتھ زندگی میں شانہ بٹانہ پتی اور بیہوشی لڑکی کے خواب دیکھے تھے۔

اس کا نونا خواب مسمری میں گھری بنا بیٹھا تھا ارادہ اس کا منہ دکھائی دے کر اپنا منہ دوسری طرف کر کے سونے کا تھا۔ درج سے پرہیز پاتا تو آج بھی اس کی خبر ہوئی کہ اندراؤں کی جگہ بھون بھونے لگی۔ صالحہ بھی چوں چاں کیے بنا اس کی باتوں میں ڈیر ہو گئی۔

مچ کی روشنی جب ان کے چہروں پر سکرانے لگی تو دونوں ایک دوسرے سے نظریں چما کر رہ گئے۔

صالحہ کے دل میں بھی ایک کبک تو تھی کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی مرضی کے بغیر ان کی زندگی میں شامل ہوئی ہے۔

مٹھی بند رہے یا سبکی اس کے اندر کی تکبروں کا

کھلا وقت پڑھ کے سنا رہا تھا ہے۔ خواہشوں کی زنجیریں وقت کو ہانڈہ نہیں سکتیں۔ کوہ کاف کے جن کی جان طوطے میں ہوتی ہے تو والدین کی اپنی اولاد میں۔ اتم اور صالحہ جب پہلے بچے کے ماں باپ بنے تو ان کی جان اور ماں باپ سب ایک ہو گئے ایک دوسری کی ہلکی سی گھر کو اتم نے باپ بننے کی خوشی میں ایک پھونک سے اڑا دیا۔

گھر بھر میں اب اس کی جگہ دی نضال ڈالتا تھا







## سبحن قرآن

لکھ جائے نہ نظر کہ ہیں سب ایک سے بڑھ کر  
احباب میں مجھ سا بھی کوئی سناہ گار دکھ  
شاعرہ: خولہ عرفان۔

### غزل

خوابوں کی تصویر کو پانا چاہوں گی  
میں میری تصویر کو پانا چاہوں گی  
تیری یادیں بھی ملکیت ہیں میری  
میں ایسی جاگیر کو پانا چاہوں گی  
ساری عمر گزار دوں تیرے پہلو میں  
میں ایسی جاگیر کو پانا چاہوں گی  
ساری عمر گزار دوں تیرے پہلو میں  
پاؤں کی زنجیر کو پانا چاہوں گی  
میرے جذبوں میں تم آتے رہتے ہو  
جذبوں کی عمر کو پانا چاہوں گی  
تیرے لفظوں میں اُن کی کھو چاؤں  
میں ایسی تاثیر کو پانا چاہوں گی  
میرے کسی غزلیں کاٹھ میں لکھ چاؤں  
میں اس دور کے ہر کو پانا چاہوں گی  
فرید فری۔ لاہور

### لکھ

آؤئے سال کے موقع پہ  
نئی شروعات کریں  
پھول کے دکھ سارے  
خوشیوں کا استقبال کریں  
زندگی خدا کی  
بہت بڑی نعمت ہے  
جسک کے سجدے ہیں

### لکھ

مجھ پر کشف نہیں میرے سوا سنا ہے  
ہر جاے اک لوناں میرے سوا سنا ہے  
اک شورشِ عوام ہے دکھ بولتے سینے  
ہر کام ہر اندام میرے سوا سنا ہے  
سائوں میں سر کی ہے اور دل میں یک قلندر  
کرنڈ کی رہی تو دوڑوں نہ میں گس پر  
کردینے راہ آسان میرے سوا سنا ہے  
انگوں کے ساطوں پرینوں کی ڈوریوں پر  
ہو جائے راہِ فدا میرے سوا سنا ہے

شاعرہ: ارم ایوب

### غزل

آنکھوں میں پیار دل پہ مگر اختیار دکھ  
دکھ مطمئن نہ اتنا دل کچھ ہے قرار دکھ  
کہتے ہیں جو برا نہ برا مان لیجئے  
کہتا ہے جو ہوتا ہے وہی اختیار دکھ  
ناکیوں سے پچھ لے منزل کا راستہ  
پاییدوں کا دل میں نہ اتنا غبار دکھ  
پوشیدہ ہے سبیا تو اندر سلاخی کر  
کرنے میں مشکو جو اگر اختیار دکھ  
یہ دور گراں بھی کبھی ٹھہرا نہیں سدا  
نہ رنجشوں کو ذہن پہ اپنے سوا دکھ  
منزل سے خبر ہیں یہ الفت کے راستے  
زاو سفر کو عمر بھر کا انتظار دکھ  
تیار ہے یہ گواہ کہ ہیں دکن بھی جئے دوست  
اندازِ دلخواہ مگر استوار دکھ

### اس کا شکر ادا کریں

نہ بچوں کی مانند کھسکیں  
نذر سے کی طرح سٹکے جائیں  
شاہین ہیں ہم اقبال کے  
آؤ آسمانِ راحت پہ

### غزل

چھوڑ دوں درد و دھوا  
جیل جلی بیٹا  
لہا جلی مرنا  
مرنے سے پہلے کیوں مریں  
آؤ جینے کا  
عنوان ہیں  
ہانا کہ اس دنیا کا فانی ہیں  
ہیں ہزاروں گم ہزاروں شہر  
مگر ان ہزاروں میں سے  
ہم لاکھوں خوشیوں کی  
چھوڑا دوں کریں  
جسے والے ستاروں کے نرے میں  
لے جگہ

### روئے والا تیار دئے

آؤ اپنے آنسو رب کے  
نام کریں  
نہ چھائی میں خود  
کو بھگان کریں  
آؤ اپنے آنسو رب کے جب  
ہم نام کریں  
دوستِ حواس کے دربار میں  
فریاد کریں  
رحمت اس کی ہم سے  
بہت پیار کرے

### المحسب

نئے سال پہ نئی شروعات کریں  
ایکایک طالب۔ گوجرانووار

### غزل

غم کی چٹکی رات ہے ساجد  
تجاربہ میری ذات ہے ساجد  
تیری یاد کے پھول تارے  
آنکھوں میں برسات ہے ساجد  
ہاتھوں سے وصل ہمارا  
کیا اپنی اوقات ہے ساجد  
کیا تم میرے ہو سکتے ہو  
بس انکی کسی بات ہے ساجد  
تم تو باری کی جیت چکے ہو  
اور ہم کو بس ات ہے ساجد  
اس کے کھد میں غم کی خاطر  
پھولوں کی سوغات ہے ساجد  
ہر پہل میری آنکھ میں آنسو  
تاروں کی برسات ہے ساجد

ملک عاشق حسین ساجد۔ مظفر گڑھ

### بھلا یا نہیں جاتا

سزا یادوں کا دل سے بھلا یا نہیں جاتا  
دکھ اپنا کسی کو بھر سٹایا نہیں جاتا  
جانکے بھر کسی کو آتا نہیں ہے زمانے میں  
اندھیری راتوں میں چراغ جلایا نہیں جاتا  
گر بڑاں تھے جو میری دکان سے ہوں بھی  
بند آنکھوں میں پھر خواب چلایا نہیں جاتا  
کھو کے کسی کو زندگی بھر دھڑا ہوگی جاوید  
نہیں جس کے یوں بھی دل کسی سے لگایا نہیں جاتا  
مجھ جاوید۔ پنڈی

☆☆☆☆☆☆

قرآن میں موجود آرزوئیں

کیا آپ جانتے ہیں قرآن مجید میں کن آرزوئیں کا ذکر ہے؟

آجائے کاش میں نبی ہوتا (سورۃ بقرہ #30)  
آجائے کاش میں نے اپنی آخری زندگی کے لیے کچھ کیا ہوتا۔ (سورۃ فجر #24)

آجائے کاش مجھے میرا تمام اعمال نہ دیا جاتا (سورۃ الحاقہ #25)

آجائے کاش میں غلام کو دوست نہ بناتا (سورۃ الفرقان #28)

آجائے کاش ہم نے اللہ اور اس کے رسول کی فراہم کردہ راہ کی ہوئی۔ (سورۃ الاحزاب #66)

آجائے کاش میں رسول کا راستہ اپنالیتا (سورۃ فرقان #27)

غزالہ۔ بحریں

قیامت کے آثار

غیب الہی طرح جان لو اے ابن مسعود بیگ قیامت کے کچھ آثار و علامات ہیں وہ یہ ہیں کہ اولاد غیبے دالی ہوگی۔

بارش میں تیزابیت ہوگی۔

ہر بازار کی قیادت اس کے بد معاشوں کے ہاتھ ہوگی۔

گمانے کے سامان کی فراش ہوگی اور

شراب نوشی کا دور دورہ ہوگا۔  
دنیا کے دیوانوں کو آباد اور آبادیوں کو ویران کیا جائے گا بچاؤ سے بے تعلق جوڑا جائے گا اور قریب ہزاروں سے تعلق توڑا جائے گا۔

ناصرو۔ ناروے

میرے ئی نے فرمایا  
رسول کریم نے فرمایا کہ جو عورت اپنے شوہر کی تابعدار اور مطیع ہو اس کے لیے پندرہ استغفار کرتے ہیں اور فرشتے آسمانوں میں استغفار کرتے ہیں اور رندے جنگلوں میں استغفار کرتے ہیں۔

عقل تھا۔ کوئٹہ

تقسیم  
ایک بھی اصول ہے جو تقسیم کرو گے اسی کی تمہارے پاس فراڈالی ہوگی پھر وہ دولت ہو علم ہو محبت ہو یا آسانیاں.....

سیما مناف۔ کراچی

حاضر جوابی

رولر: شوہر سے ”بتائیے جناب اگر شیر آپ کی سانس اور چوٹی دونوں پر بیک وقت حملہ کر دے تو آپ کس کو بچا لیں گے؟“

شوہر: ظاہر ہے شیر کو..... شوہر نے فوراً جواب دیا۔

لو کے والے

لو کے والے: ”ہمیں ایسی لڑکی چاہیے جو چپ

چاپ باقی ہو کم کھاتی ہو اور شوہر کی تمام باتیں برداشت کرے۔“  
لڑکی والے: ”ایسی لڑکی تو آپ کو صرف ICU میں ملے گی۔“

سائوہ۔ لاہور

ذہانت

میں نے بڑے شوہر سے پوچھا۔  
”آپ بچانو سے سال کی عمر میں بھی بیدی کو ڈارنگ سوئٹ ہاٹ کہتے ہیں، راز کیا ہے؟“  
بڑے نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔  
”اصل میں میں دس سال پہلے اس کا نام ببول کیا اور اب پوچھتے ہوئے ڈرتا ہوں۔“

ایمان شہ۔ ٹولی

مستغفر حسین تاؤر کہتے ہیں

”میرے والوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ان کی قبر پر تاج کئی تعمیر ہو یا بارشوں سے وہ قبر محض گر گڑھا بن جائے اور اس میں کبڑے مکوڑے رہیں۔  
ہاں فرق پڑتا ہے تو فطرت پیچھے دھکے دے دالوں کو۔“

ٹوکا

اگر دانتوں میں کبڑا لگ گیا ہو تو برسوں کا تیل اور نمک ہم وزن لے کر ایک بوتل میں دس دس اور دن میں تین سے چار بار لگی گی مدد سے تمام دانتوں پر لگا دیں جلد کبڑے سے نجات مل جائے گی۔

ماہین۔ U.K.

آنسو

عورت کے آنسو ہتھیار ہوتے ہیں اور پسندیدہ عورت کے آنسو ہتھیار

حکیم سعید کی فلم

جہاں تک کام چلا ہوتا ہے

وہاں چاہیے بچاؤ داسے

اگر خون کم ہے، بلغم زیادہ تو کھانا چڑھنے، خلط زیادہ جگر کے تیل پٹے انسان جیتا اگر خلط جگر سے کھانسیتا جس میں ہوا اگر گری کا احساس

مریہ آٹھ کھایا اناس

اگر ہونی سے مدد میں گری تو پی لے سرف اور ک پانی

تھکن ہوں اگر عضلات ڈھیلے

تو فوراً دو گھبرا کر گرم پانی لے

جو دھکا ہو گھڑنے لے کے مارے

تو کرکٹیں پانی کے غرارے

اگر ہور دے دانتوں کے سیکل

تو لنگی سے سوزن پر نمک ل

جو طاقت میں کی ہوگی ہوسوس

تو مری کی ڈلی تان کی چوس

شفا چاہیے اگر کھانسی میں جلدی

تو پی لے دودھ میں تموز سی ہلدی

اگر کانوں میں تکلیف ہو دے

تو رسوں کا تیل پھانے سے مجھڑے

اگر آنکھوں میں پڑ جائے ہوں جالے

تو دھلی مریج کی سے کھاتھ کھالے

جب دق سے اگر چاہے رہائی

بدل پانی کے کتا چوس بھائی

دہش میں یہ نغابے شک سے انجھی

کھائی چھوڑ کھار دیا کی بھلی

اگر تھک لو گے جاؤں سے مری

تو استعمال کر اڑے کی زردی

جو پھنسی میں تو چاہیے افادہ

تو دواک وقت کار لے تو فادہ

### مسائل کی جیدہ

آج کل مسائل اس لیے جنم لیتے ہیں کہ ہم نگاہ میں رکھنے والی کونکاح میں نہیں رکھتے اور نکاح میں نہیں رکھنے والی کونکاح میں نہیں۔

### خولہ عرفان کی ڈائری سے

زندگی میں جب انسان کو ہدایت مل جائے تو وہ یہ نہ دیکھے کہ کیا کر چکا ہے بس وہاں سے راست بدل لے۔

چلتی ہیں شہر دل میں کچھ یوں بھی ٹھوس جواس نے کہہ دیا وہی دستور ہو گیا۔

دنیا کا بس سے بڑا ہمارا بیوی ہے۔ اسے ہر 3-4 دن بعد مانا پڑتا ہے۔

جنگ لڑا ہی پڑتی ہے اپنے زور بازو پر زندگی کے میدانوں میں بھڑے نہیں ہوتے

خولہ عرفان۔ کراچی

### ٹوٹے

اصل انگریز کا لہر سر ایک کھانے کا چھپر روزنی لیں۔ جلد بھری سے نجات مل جائے گی۔

ایک گلاس گرم دودھ میں ہلدی ملا کر پی لیں زبان پر چمائلے ذرا سا کھانسی لگی پر لکا کر میخ شام چائیں افات ہوگا۔

U.K. چین

### خولہ عرفان کی ڈائری سے

جنہیں احساس ہی نہ ہو ان سے گلے شکوے کیسے؟

ٹھکنے سے رشتے کھرے ہوتے ہیں جب تک جاؤ مگر ہر بار آپ ہی کو جھکا پڑے تو رک جاؤ۔

یارب تو میری امید نہیں میرا یقین ہے۔ رشتے قہری نہیں ہوتے لوگوں کے دل بھر جاتے ہیں بس۔

زندگی میں اپنا پن تو ہر کوئی دکھا ہے پر اپنا ہے کون یہ وقت بتاتا ہے۔

بدعا کے قیام پر دعا دینا سیکو یہ اصل انسانیت ہے۔

زمانے کا کام ہے مشکل میں ڈالنا اور اللہ کا کام ہے مشکلوں سے نکالنا۔

رشتہ اپنی خاندان میں نہیں اپنی طرف لوگوں میں ہو چکا ہے۔

کل کی فکر کیوں کرتے ہو جس رب نے آج تک سنبھالا وہی کل بھی سنبھالے گا۔

زندگی کے ستر میں اُن لوگوں پر توجہ نہ دی جو آپ کے راستے میں کھڑے ہیں بلکہ اُن لوگوں کا سامنا جو ہر مقام پر آپ کے ساتھ کھڑے ہوتے۔

عورت اور مرد کا رشتہ بھی کتنا عجیب ہوتا ہے کیا اتنا کہ تین لفظ اگر ایک دفعہ بول دو تو فوت جاسے اور اتنا کہ مرنے کے بعد بھی عورت کی قبر پر شوہر کا نام لکھ دیا جاتا ہے۔

سڑک لے کر لے کر لے کر ایک مسواک کر کے دو رکعت پڑھنا پھر مسواک کر کے 70 رکعتوں سے افضل ہے۔

حضرت عرفان رونق نے فرمایا جو آدمی اپنے آپ کو عالم کہے وہ جاہل ہے۔

دوستوں سے ناراضگی کا بدلہ ان کو آپ 'نناب' شکر یہ اور معذرت کر کے لیں انکا دشمنوں کو بے غزنی نہیں رہتی جتنا دوستوں کو عزت مار دیتی ہے۔

غری کی نماز سے پہلے دو رکعت سنتیں دینا اور دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ بچہ ہے۔

پریشانی حالات سے نہیں خیالات سے پیدا ہوتی ہے۔

صدقے کی وجہ سے بندے کا مال کم نہیں ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ میں تو کچھ ہوں کیونکہ میرا رب

کوئی بھی چیز بیکار نہیں بناتا۔ سارے معاملات کا آخری فیصلہ اللہ ہی کرتا ہے۔

براہ راستے والوں کو بتاؤ عزتیں اللہ سبحان تعالیٰ کی ذات دیتی ہے۔

### غزل

میں چشمِ تصور میں کیا دیکھتی ہوں بس انوار کا سلسلہ دیکھتی ہوں

جہاں ہو رہی ہے عطاؤں کی برسات کھڑے ہیں بھی لوگ پانے کو خیرات

میرے پاس ہیں زندگی بھر کے آزار ہو کیسے گرم مجھ پہ میں ہوں گناہ گار

میں رنج و ام میں بہت ڈوبی ہوئی ہوں پیشانی کی آگ میں جل رہی ہوں

میرے ذہن میں افکار آگیا ہے احساسِ عداوت سے سر بھی جھکا ہے

عطا کیجیے میری مددت کو تاثیر اے آقا بدل دیجیے میری تقدیر

دکھا دیجیے مجھ کو شہرِ مدینہ کہ منزل کو پہنچے مسافروں کا سفینہ

سرگشتِ غدار۔ کراچی

### خوابِ تھ خیال

خیال تھا... میرے خواب جیسا خواب تھا... میرے خیال جیسا

دور تھا تو صوف میں چھاؤں جیسا قریب آ یا وہ تو صحرا میں دھوپ جیسا

میرا وہ خوابِ عذاب ہوا دیرت جیسا... بالکل صحرا جیسا

زندگی میں ہے وہ عمر جیسا تو میری بھو میں نہ رہ جیسا

اندھیروں میں سرخو جیسا شگیت میں سرخو جیسا رنگین شہر میں سرخو جیسا

محبت میں جدائی جیسا تو بھی جبر میں وصل کی خواہش جیسا

جسم میں جان جیسا بھیڑ میں تنگدلی جیسا

ویرا خواہشِ بھڑا بھڑا جیسا ویرا خیالِ تھ خیال جیسا

وہ قریب آ یا نہ وہ مجھ سے دور ہوا کچھ اس طرح میرا خواب مجھ پر عذاب ہوا

فاصلہ نور عا شا۔ کجرات

### نظم

آگے بڑھ کر گھٹے سے لگے گی تمہارے آسنا ہی آنکھوں سے بہا لے گی

اپنی ماں کو نہ بڑا ذات بھی لگی وہ تو تمہارا عیب بھی چھپا لے گی

لوگوں کے سامنے جب نہ لکھ کر دے ماں کو کونکوں میں نہیں بکھر کر دے

ماں تو ہے بکھر گی ماں جنہیں صاف کر دے گی مگر اندر ہی اندر

بروزِ عمر سے کی برقت سے وہ بیٹا کہ کسی کی وجہ سے

ماں دور دور اللہ سے فریاد کرتی ہے

مگر پھر بھی بدعا دے دیتے ہے وہ ڈرتی ہے۔

سید عروج قاسمہ۔ ملتان

☆☆☆☆

# حیاتِ پی ٹی خبریں

دلی خان

وہ خبریں جو آپ کا موڈ بدل ڈالیں.....

جس کے جواب میں ریحام خان کا کہنا ہے کہ وہ اپنے ماضی کو اون کرتی ہیں اور لوگوں کی طرح نہیں جو سامنے کچھ اور پیچھے کچھ اور ہیں اور جنہیں لوگ اپنا لیزر مکی سامنے ہیں۔ یقیناً ریحام خان نے یہ بات تا نام لیے خان صاحب کے لیے کہی ہے۔ ریحام صاحبہ ہم جس مذہب کے سامنے والے ہیں۔ وہاں عورت کا بہت احترام ہے اور حد پابندیاں بھی پھر ہم جس معاشرے کا حصہ ہیں وہاں بھی خواتین کے لیے حدود متعین ہیں۔ مذہب اور معاشرے دونوں کا احترام لازم ہے پھر اب بھی تو سامنے کچھ اور پیچھے بہت کچھ ہیں لہذا صاحب برابر.....



خف ہے ایسی سوچ پر.....  
اسے ایک انٹرویو کے دوران باغی ایم قمر نے بتایا کہ پاکستانی پاسپورٹ کی وجہ سے انہیں دوران سفر کی قدر و شہرت کی کا سامنا کرنا پڑا..... وہ عرفان خان کے ساتھ ایک گانے کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں جا رہی تھیں جہاں سارے انڈین CREW کو بہت عزت کے ساتھ جانے دیا گیا اور صاحبہ قمر کو اسٹریٹنگ والوں نے Detain کر لیا..... اور اس موقع پر انہیں اپنے کواٹار کے سامنے سکی محسوس ہوئی.....

لوگوں نے ان پر بہت لعن ملن کی کہ آخروہ سر پر دوپٹہ لے کر پاکستانی قوم کو دھوکا کیوں دیتی ہیں

# دوبلا

## سچی کہانیاں کے چرچے نہیں

اس لیے کہ سچی کہانیاں "مصنفین پیشہ ور لکھنے والے نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو زندگی کی حقیقتوں اور پچائیتوں کو برستے دیکھتے محسوس کرتے اور ہمیں لکھ بھیجتے ہیں سچی کہانیاں کے قارئین وہ ہیں جو پچائیتوں کے متلاشی اور انھیں قبول کرنے والے ہیں

یہی وجہ ہے کہ سچی کہانیاں پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا اپنی نوعیت کا واحد ڈائجسٹ ہے سچی کہانیاں آپ سچی کہانیاں، عورتوں کی ہر دھڑکن، ناواقفین کہانیاں، دلچسپ و مضمونی سیریسلس کے علاوہ مسئلہ یہ ہے کہ قارئین دیر سے دیر سے دلچسپ کرک جھوٹا ک احوال۔ سب کچھ زندگی ہیں ہے وہ سچی کہانیاں ہی ہے۔

پاکستان کا سب سے زیادہ پسند کیا جانے والا۔ اپنی نوعیت کا واحد جریدہ

ماہنامہ سچی کہانیاں، پیرل پبلی کیشنز II-C-88 (سٹور-خیابان جانی کرل)۔  
ڈیزائنر: ہاشم اقداری۔ فون: 7-برکری  
021-35893121-35893122  
ای میل: [pearlipublications@hotmail.com](mailto:pearlipublications@hotmail.com)



کے چہرے نہیں

## فیضانِ دل و دھڑکی

ہر ملک، ہر شہر اور ہر محلے میں دستیاب ہے

زوسالانہ

021-35893121 - 35893122



کے ایئر ٹائم کے ساتھ ساتھ دیکھنے والوں کا بھی وقت  
برباد کرتے ہیں۔ سوائے ڈرامے کے کچھ نہیں ہوتا  
یہی چند چہرے ہیں فارغ قسم کے جو کبھی مہمان بننے



ساحر لودھی اور عدالت  
 مناسبہ لاہور ہائی کورٹ کا میجر اکو ساحر لودھی  
 کے خلاف کارروائی کا حکم ساحر لودھی پر الزام ہے



افشاں چوہدری

دو شیئرہ کارکن کی فرمائش پر اب سے انہماکی مل کھانے کی ترکیب پیش کی جارہی ہیں دو ذرا کیب جو عام زندگی میں سہولت کے ساتھ استعمال کی جائیں۔

### مرغ نظامی

### پوتی کباب

|                      |                                         |                |                                                 |
|----------------------|-----------------------------------------|----------------|-------------------------------------------------|
| 300 گرام بناٹری      | مرغ                                     | ایک کلو        | کائے کا گوشت                                    |
| 100 گرام (دھڑک کالی) | پیاز                                    | 1/2 پاؤ        | سبزی                                            |
| 200 ملی لیٹر         | تیل                                     | ایک چمچ        | گرم مصالحہ                                      |
| 40 گرام              | ادرک                                    | 1/2 پاؤ        | پیاز                                            |
| 8 عدد                | ہری مرچ                                 | 1/4 چمچ        | ادرک لہسن پیابوا                                |
| ایک بڑا چمچ          | بلدی                                    | 4 چائے کے چمچ  | لیوں کا رس                                      |
| 40 گرام              | لہسن                                    | 1/2 پاؤ        | تین                                             |
| 50 گرام              | موسمبھلی                                | 1 کھانے کا چمچ | نمک حسب ضرورت                                   |
| 50 گرام              | کاجو                                    | حسب ضرورت      | کالی مرچ کٹی ہوئی                               |
| حسب ذائقہ            | نمک                                     | ترکیب:         |                                                 |
| 100 گرام             | دہی                                     |                | گوشت اور آدھے مصالحے پانی میں ڈال کر            |
| حسب ضرورت            | گرم مصالحہ                              |                | گھلیں جب ایک کپ بخنی رہ جائے تو چلہا بند        |
| ایک بڑا چمچ          | لہسن جس                                 |                | کر دیں اور بوٹیاں نکال لیں۔ اب تین میں آدھا     |
| 40 گرام              | پادھنیا                                 |                | مصالحہ ڈال کر بخنی میں گھول لیں۔ بوٹیاں تین میں |
| 50 گرام              | تاریل بن کباب                           |                | کس کر کے تس لیں۔ تیلے کے بعد کبابوں پر 4        |
|                      | ترکیب:                                  |                | لیوں کا رس پھا جو لہسن ملا کر چھڑک یہ کباب      |
|                      | تیل گرم کر کے پیاز براؤن کر کے پھر ادرک |                | ڈالندے دیں گے۔                                  |
|                      | لہسن ڈالیں اور ہری مرچ بلی ہدی کس کر کے |                |                                                 |

تیل گرم کر کے پیاز براؤن کر کے پھر ادرک لہسن ڈالیں اور ہری مرچ اور بلدی کس کر کے

ہیں کبھی حج کبھی شیف اور کبھی مظلوم یا اللہ نہیں رانگ شوز کے عذاب سے بچا۔



ثابت کیا کہ آدرش حساس دل رکھتا ہے اور دوسروں کی تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ ویسے رابی اپنے پالتو دوڑوں اور گرچوں سے بھی اسکی ہی محبت کرتی ہیں اور ان کی تکلیف پر رو پڑتی ہیں۔

پانی کے بھاگ.... پاکستانی ماڈل تیرا آج کل بڑے صدمے سے گزر رہی ہیں ان کی 4 سالہ شادی ٹوٹ گئی اور تیرا نے وجہ بھی بتائی اس حلاق کی۔ دراصل وہ اپنے شوہر للند سے بہت پیار کرتی تھیں مگر



شوہر نامہ دار کسی اور کو چاہتے تھے۔ تیرا ہم آپ کے تم میں شریک ہیں جانتے ہیں کہ آپ بہت نیک اور شوہر پرست خاتون ہیں اللہ آپ کو مبارک دے۔

☆☆☆☆

سب سے بڑا روپیہ..... آپانی گھر کی تقسیم معروف اداکار کے بیٹے عدالت منتقل کئے معروف پاکستانی اداکار منور ظریف کے بچوں نے اپنا تانیا اور چاچا کی بیواؤں پر کس کر دیا ہے منور ظریف کے بیٹوں بھائی اب



دنیا میں نہیں اور منور ظریف اپنی زندگی میں ہی گلبرگ شہنشاہ ہو گئے تھے اور آپانی گھر میں بڑے اور چھوٹے بھائیوں کی بیوا میں رہتی ہیں مگر اب منور ظریف مرحوم کے بچوں نے دعویٰ دائر کر دیا ہے کہ ان کا کہنا ہے کہ اس کے لیے 70 فیصد رقم منور ظریف نے دی تھی اور 30 فیصد داد نے اسے بھیج کر دیا ہے کہ بزرگوں نے یہ مال ہے ہی فساد کی بڑ رشتے تاملے سب لوگ بھول جاتے ہیں..... یاد رہتا ہے تو بس چیرہ چائید اور ابے کسی.....

### حساس دل

ادا کارہ اور گلوکارہ رابی پیر زادہ نے اپنے حساس ہونے کا مکمل ثبوت دیا انہوں نے 3 فرد کی کہ ہوئے والی اپنی سالگرہ نقیب اللہ کے جھوٹے پولیس مقابلے میں شہادت پر احتجاج کے طور پر منسوب کر دی۔ وہ بڑا پاکستانی کی طرح اس جھوٹے پولیس مقابلوں کے شدید خلاف ہیں اور



پھر پاؤ بھائی مصالحہ اور چاب کی ہوئی ٹماٹر ڈال کر اچھی طرح فرائی کریں اب ایک کھانے کا چمچ پانی ڈال کر ڈھک دیں اور ہلکی آگ پر اتنا پکائیں کہ ٹماٹر گل جائیں پھر تمام سبزیاں ڈال کر فرائی کریں اور 5 منٹ دم پر رکھ دیں اوپر سے سبز مرچیں اور سبز دھنیا مکھن ڈال کر پاؤ بن کے ساتھ کھائیں۔

بھونیں اور دہی مکس کر دیں تیل اوپر آئے تو مرغی ڈال دیں اب کا جو موسک بھلی اور ناریل ڈال کر بھونیں۔ لیوں کا رس ڈالیں نمک اور پانی ڈال کر پکنے دیں۔ 10 منٹ پکنے کے بعد ناریل اور گرم مصالحہ ڈالیں۔ ٹماٹر سویا اور ہری پیاز کے ساتھ سرور کریں۔

## پاؤ بھائی

## میانگر

اجزاء:-

پھول گوہی (الی ہوئی)

ایک کپ

اجزاء:-

میدہ

ایک عدد (چاب کی ہوئی)

پیاز

آدھی گڈی

سبز دھنیا

3 عدد

سبز مرچیں

2 عدد

آلو (ابلے ہوئے)

1/4 کپ

تیل

2 عدد دہی ہوئی

کاجر

2 عدد

ٹماٹر

حسب ذائقہ

نمک

پاؤ بھائی مصالحے کے لیے اجزاء:

2 چائے کے چمچے

لال مرچ (جی ہوئی)

2 چمچ

جیتنی دانے

6 عدد

ٹاپت کالی مرچ

5 عدد

لونگ

دو چمچ

زیرہ پاؤڈر

1/2 چائے کا چمچ

لہسن پاؤڈر

1 چائے کا چمچ

بھنا زیرہ

2 چمچ

دھنیا پاؤڈر

تمام مصالحے کو اچھی طرح گراؤ کر لیں۔

ترکیب:

تو سے پر تیل ڈال کر پیاز کو ہلکا سا فرائی کریں

☆☆.....☆☆